ضربات الحنفية على هامات الوهابية

المعروف

ڈھول کا پول

از قلم

مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی (مفتی احناف U A E)

و

براھینِ رضوی

(حصہ اول ودوم)

از قلم

ڈاکٹر قاری ابو احمد محمد ارشد مسعود اشرف چشتی رضوی

ادارہ تحفظ عقائد اہلسنت

ضربات الحنفية على هامات الوهابية

المعروف

ڈھول کا پول

از قلم

مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی **محمد عباس** رضوی (مفتی احناف UAE)

بانی و ناظم اعلیٰ

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یونیورسٹی (واہنڈو گوجرانوالہ، پاکستان)

براھین رضوی (حصہ اول و دوم)

از قلم

ڈاکٹر قاری ابو احمد **محمد ارشد مسعود اشرف** چشتی رضوی

ناظم تعلیمات

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یونیورسٹی (واہنڈو گوجرانوالہ، پاکستان)

بانی و ناظم اعلیٰ: دار القلم اسلامک ریسرچ سنٹر پاکستان

نام کتاب: ضربات الحنفية على هامات الوهابية

المعروف

(ڈھول کا پول و براہین رضوی اول، دوم)

از قلم: مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی **محمد عباس رضوی** مدظلہ العالی

ڈاکٹر قاری ابواحمد **محمد ارشد مسعود اشرف** چشتی رضوی

صفحات: 256

قیمت:

الناشر

ادارہ تحفظِ عقائد اہلسنت

فہرست

غیر مقلدین پر کئے جانے والے بارہ

سوال(12)

سوال نمبر ﴿۱﴾

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ وتر میں بعد از رکوع عام دُعا کی طرح ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے؟

سوال نمبر ﴿۲﴾

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ کی تمام تکبیرات میں رفع الیدین کرنے کا حکم فرمایا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نمازِ جنازہ کی تمام تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین فرمایا ہے؟۔

سوال نمبر ﴿۳﴾

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کس کس شہید صحابی کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی تھی؟۔

سوال نمبر ﴿۴﴾

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نمازِ جنازہ میں امام دُعائیں بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں؟۔

سوال نمبر ﴿۵﴾

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نمازِ وتر میں رکوع کے بعد امام بلند آواز سے دعائے قنوت پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں؟۔

سوال نمبر ﴿۶﴾

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھے جائیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

خود نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے تھے؟۔

سوال نمبر 〈۷〉

کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کہنی پر رکھا تھا؟۔

سوال نمبر 〈۸〉

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ آپ ﷺ نے پورا سال تہجد کی اذان کا حکم فرمایا ہو؟ وہ اذان رمضان شریف میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو بلکہ پورا سال تہجد کے لئے ہو؟

سوال نمبر 〈۹〉

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نبی اکرم ﷺ نے نمازِ باجماعت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا ہو یا خود پڑھی ہو؟۔

سوال نمبر 〈۱۰〉

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات تک رفع الیدین عند الرکوع و بعد الرکوع کیا تھا؟۔

سوال نمبر 〈۱۱〉

ایک صحیح، صریح، مرفوع، غیر محتمل حدیث پیش کریں کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم حدیث میں ہو؟۔

سوال نمبر 〈۱۲〉

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں جس میں نماز میں دو دو فٹ کھلے پاؤں کر کے کھڑے ہونے کا حکم ہے؟۔

ڈھول کا پول

از قلم :

محدث کبیر حضرت علامہ مولانا **محمد عباس رضوی** صاحب مدظلہ العالی

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یونیورسٹی (واہنڈو گوجرانوالہ، پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

لامذہبوں کی طرف سے مذہبِ حق اہل سنت و جماعت پر اعتراضات کی بوچھاڑ اور ہر کارِ خیر کو بدعت کہنے کی روش میں روز بروز اضافے اور غلط پراپیگنڈہ کو دیکھتے ہوئے ہم نے چند احباب کے حکم کے مطابق لامذہبوں کو آئینہ دکھانے کا ارادہ کیا اور لامذہبوں کے معمولات پر چند سوالات وارد کئے کہ مسلمانوں کے اعمال خیر کو بدعت کہنے والے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

ہم نے پہلی قسط کے طور پر ربیع الاول شریف میں بارہ (۱۲) ربیع الاول کی مناسبت سے بارہ (۱۲) سوالات کئے۔ سوالات ایسے تھے جن پر لامذہب عمل پیرا ہیں۔ ایک سائل ہونے کے ناطے سے نہ کسی پر اعتراض، نہ گالی گلوچ کیا گیا تھا بلکہ صرف سوالات کئے گئے تھے جو کہ ہر کسی کو حق پہنچتا ہے اس میں برا منانے کی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ ابھی تک ان بارہ سوالوں کے دو حضرات کی طرف سے تحریری جوابات موصول ہوئے ہیں۔

پہلے حافظ محمد عبداللہ انجم (وہابی) خطیب واہنڈو کی طرف سے کہ جن کے جوابات ہم نے انہی کی مسجد کے قریب جلسہ عام میں بہت بڑے مخلوط مجمع کے سامنے دے دئے تھے۔ پھر وہ جوابات گوجرانوالہ کے ایک لامذہب مولوی عبد الرشید انصاری نے ہمیں بذریعہ ڈاک ارسال کر دیئے، اور جواب الجواب کا مطالبہ کیا۔ ہم نے پہلی فرصت میں دس صفحات میں مختصراً جواب الجواب ارسال کر دیا۔

دوسرا جواب ایک لامذہب مولوی فاروق اصغر صارم نے تحریری طور پر دیا۔ ہم دونوں حضرات کے جوابات کے جوابات مختصراً عرض کر رہے ہیں تا کہ حق کے متلاشیوں کو حقیقت کا

پتہ چل جائے

☆مولوی فاروق اصغر صارم نے لکھا ''ہم آپ حضرات کے بے حد شکر گزار ہیں کہ ہمیں غیر مقلدین اور وہابی کے نام سے مخاطب کیا، یہ الفاظ اگرچہ آپ نے گالی کے طور پر لکھے لیکن ہم اسے اپنے لئے بہت بڑا اعزاز اور باعثِ افتخار قرار دیتے ہیں کیونکہ غیر مقلدین وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کی گردن میں کسی انسان کا پٹا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اسے پسند کرتے ہیں، وہ اللہ تعالی کے احکام کے مطیع، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے متبع، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوالِ صحیحہ کے قدر دان اور آئمہ کرام کی عزت واحترام کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کا قدیمی لقب ''اہلِ حدیث اور اہلِ سنت'' ہے۔

اقول : ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح عالم کو عالم اور جاہل کو جاہل کہنا، اسی طرح مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر کہنا گالی ہے اور نہ ہی ہوسکتی ہے، اسی طرح سُنی کو سُنی اور وہابی کو وہابی کہنا بھی گالی نہیں، پھر اگر کوئی گالی سمجھتے ہوئے بھی اس کو اعزاز سمجھے تو اس کو اس طرح باور ہی نہ کروانا چاہئے کہ فلاں نے ہمیں وہابی کہہ کر گالی دی ہے۔

ہم بھی یہ جانتے ہیں کہ آپ کی گردنوں میں کسی انسان کا پٹہ نہیں ہے اور نہ ہی آپ اسے پسند کرتے ہیں (سوائے اپنے مولویوں کے پٹے کے) حتی کہ شرفِ انسانیت محبوبِ خدا محمد مصطفیٰ ﷺ۔

☆مولوی صارم نے لکھا: ''اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اپنی اطاعت، اتباع کا حکم دیا ہے تقلید کا نہیں۔

اقول : کیا اللہ تعالیٰ نے اُولی الامر کی اطاعت کا حکم نہیں فرمایا؟

کیا ائمہ مجتہدین اُولی الامر میں داخل ہیں یا نہیں؟

اگر ہیں تو ان کی تقلید قابل مذمت کیوں؟ اور اگر داخل نہیں تو اس کی کیا دلیل ہے؟

مقولہ لا مذہب: ''دنیا کا کوئی فرد صحابہ کو مُقلد کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔''

اقول: ''صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خود مجتہد تھے، جو مجتہد ہوتا ہے وہ مقلد نہیں ہو سکتا اس لئے کوئی شخص ان کو مقلد نہیں کہتا۔ موجودہ دَور کے لا مذہب (وہابی) نہ مجتہد ہیں اور نہ ہی آئمہ مجتہدین کے مقلد، بلکہ اپنے جاہل مولویوں کے مقلد ہیں کیونکہ اپنے مولویوں کے خیالات کے مخالف نہ قرآن کی آیت دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی احادیث صحیحہ کی پرواہ کرتے ہیں۔

مقولہ لا مذہب: ''بے نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اطاعت واتباع جیسے قرآنی اور حدیث کے کلمات کو نظر انداز کر دیا اور اندھی تقلید پر قناعت کر بیٹھے اور اسلاف و آئمہ امت کے بالمقابل جا کھڑے ہوئے۔''

اقول: معلوم ہوتا ہے کہ اس عقل کے اندھے کو تقلید و اطاعت کے مفہوم و معانی کا بھی علم نہیں ہے ورنہ میں عرض کروں گا کہ بدنصیب ہیں وہ لوگ جو قرآن و حدیث کے الفاظ کو چھوڑ کر اپنے آپ کے لئے وہابی، اہل حدیث، سلفی، اثری، زاہدی، نجدی وغیرہ کے الفاظ و نام پسند کرتے ہیں

مقولہ لا مذہب: اگر آپ کو انکار ہے تو بتایئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اور نبی ﷺ نے اپنی اُمت کو کہا کہ ہماری تقلید کرو۔

اقول: پہلے آپ تقلید و اطاعت کے مفہوم کو پڑھ لیں اس کا جواب آپ کو خود بخود پتہ چل جائے گا، ویسے عرض یہ ہے کہ کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ کسی مجتہد کی تقلید نہ کرنا، اگر فرمایا ہے تو کہاں ہے بحوالہ لکھئے۔

مقولہ لا مذھب : کیاامام ابوحنیفہ مقلد تھے؟

اقول : کیا مقلد کی بھی تقلید کی جاتی ہے؟

مقولہ لا مذھب :''تو سنئے ہم خود کو اہلِ حدیث کہتے ہیں۔''

اقول : اپنے آپ کو جو چاہے ہر شخص کہلا سکتا ہے لیکن یہ اہل حدیث نام آپ نے کب سے رکھا ہے؟ تمام اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ نام آپ کے بڑوں نے انگریز سرکار سے الاٹ کروایا تھا، تاریخ گواہ ہے۔

ہم الحمدللہ اہل سنت ہیں اور ہم نے یہ نام کسی انگریز یا یہودی سے الاٹ نہیں کروایا بلکہ اللہ کے محبوب ﷺ اور ان کے پیارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہمیں یہ نام عطا فرمایا ہے اور غیر اہلِ سنت میں عموم ہے جس میں سبھی اہل بدعت و غیر مسلم شامل ہیں۔

مقولہ لا مذھب :''آپ نے وہابی کا کلمہ ہمارے لئے بطور گالی کے استعمال کیا ہے''۔

اقول : یہ نام ہی اتنا بدنام ہے کہ یہ کسی بھی سچے مسلمان کے لئے گالی سے کم نہیں ہے۔

مقولہ لا مذھب :''کیونکہ وہاب اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اس کو ماننے والا اس کے احکام پر عمل کرنے والا وہابی کہلانے کا حقدار ہے۔''

اقول : دہر بھی اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے لہذا آپ دھریئے ہوئے اس لئے آپ کا کوئی قصور نہیں ہے، لہٰذا آج کے بعد آپ اپنے نام کے ساتھ دھریہ لکھا کریں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

مقولہ لا مذھب :''وہابی کہہ کر اگر آپ نے ہماری نسبت اس مجدد ''محمد بن عبد الوہاب'' کی طرف کی ہے جنہوں نے حجاز کی مقدس سرزمین پر قبوریوں، مشرکوں اور بدعتیوں کی حکومت کا قلع قمع کیا اور نظام نبوی کی ترویج و تبلیغ کے لئے ان تھک تگ ودو کی، تو

ہمارے لئے یہ نسبت بھی ناپسند نہیں۔

اقول : وہ گستاخِ رسول اور شیطان کا سینگ مجدد تو ہرگز نہیں ہوسکتا، ہاں مرزا قادیانی کی طرز کا مجدد ضرور ہوگا۔

آپ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نجدی سینگ سے پہلے بارہ (۱۲) صدیاں حجاز مقدس پر معاذ اللہ مشرکوں کی حکومت تھی، پوری اُمت محمدیہ کو مشرک سوائے نجدی وہابی کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا، اس لئے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" قال رسول الله ﷺ :ان ما أتخوف عليكم رجل قراء القرآن حتى اذا روئيت بهجته عليه و كان ردائا للاسلام ، غيره الى ما شاء الله ، فانسلخ منه، ونبذه وراء ظهره، وسعى على جاره بالسيف، ورماه بالشرك قال : قلت :يا نبى الله ﷺ، أيهما أولى بالشرك ، المرمى أم الرامى ؟ قال:بل الرامى ۔ (صحيح ابن حبان ١/٢٨٢(٨١) مسند البزار كشف الاستار ١/٩٩(١٧٠) مشكل الآثار ٢/٣٢٤(٨٦٥) المعجم الكبير ٨٨/٢٤(١٢٩) مسند الشاميين ٢/٢٥٤(٢٩١) كتاب المعرفة و التاريخ للفسوى ٢/٣٥٨،عن معاذ بن جبل،وغيرهم ۔

حضرتِ حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

" مجھے تم پر اس شخص کا ڈر ہے جو قرآن پڑھے گا، جب اس پر قرآن کی رونق آجائے گی اور اِسلام کی چادر اس نے اوڑھ لی ہوگی تو اللہ اُسے جدھر چاہے گا بھگا دے گا، وہ اسلام کی چادر سے نکل جائے گا اور اسے پس پُشت ڈال دے گا اور اپنے پڑوسی پر تلوار چلانا شروع کردے گا اور اس پر شرک کے طعنے مارے گا، راوی کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اے اللہ عزوجل کے نبی ﷺ شرک کا زیادہ حق دار کون ہوگا، جس پر شرک کی تہمت لگائی جائے گی یا شرک کی

ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس طریق میں " اذا رفعت رأسی ولم یبق الا السجود" یہ قابل غور ہے، میں نے فوائد ابواحمد بن الحسین بن مہران کا دوسرا جزء حاکم کی تخریج کے ساتھ دیکھا اس میں یہ حدیث اس سند سے یوں ہے:

" حدثنا محمد بن یونس المقری ثنا الفضل بن محمد البیهقی ثنا ابو بکر بن شیبة المدنی الحزامی ثنا ابن ابی فدیك عن اسماعیل بن ابراهیم بن عقبه بسنده ـــــ خلاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول فعل اور صحابہ کے عمل سے قنوت قبل الرکوع ہی ثابت ہے۔ (صلوۃ الرسول ۴۰۰۔۴۰۱)

مقوله لا مذهب: "باقی رہا ہاتھ اُٹھانے کا مسئلہ۔"

اقول : سوال ہے قنوت في الوتر کا اور جواب ہے صبح کی نماز میں قنوتِ نازلہ کا استدلال تو ایسا بمصداق شاعر:

بک رہا جنوں میں کیا کیا　　　کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

پھر جو روایت پیش کی اس کی سند بھی ضعیف۔

مذکورہ روایت کی سند اس طرح ہے: "أخبرنا أبو عبد الرحمن السلمی وأبو نصربن قتادة قالا أنبأ أبو محمد يحيى بن منصور القاضي أنبأ أبو القاسم على بن صقر بن موسى السكري ببغداد في سويقة غالب من كتابه ثنا عفان بن مسلم ثنا سليمان بن المغيرة عن ثابت عن أنس بن مالك ـــ

(السنن الکبری للبیهقی ۲/۲۲۱)

یہ سند ضعیف ہے اس میں ایک راوی علی بن صقر ہے جس کو امام دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: " **لیس بالقوي** " (سوالات الحاکم عن الدارقطني ١٢٤)

اوراس کی توثیق کسی سے بھی نہیں ملی۔

نوٹ: اس روایت کے ایک دوسرے راوی عفان بن مسلم ہے ان کے بارے میں قبلہ نے امام ابن عدی کے حوالہ سے سلیمان بن حرب ازدی کا قول نقل کیا تھا کہ ''**کان بطیئا ردئ الحفظ بطئ الفھم**۔'' (الکامل في الضعفاء ۵/۲۰۲۱) یہ جرح موجود ہے، مگر عفان بن مسلم جمہور کے نزدیک ثقہ راوی ہے۔ارشد مسعود عفی عنہ

مزید اس بارے میں علیزئی کے سوال کے جواب میں بیان ہو چکا۔

مقولہ لا مذہب: ''اس کی مثال یوں ہے کہ کسی بھی مرفوع صحیح، صریح حدیث میں نہیں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ میں **سبحانك اللّٰهم** پڑھا ہو یا تلقین فرمائی ہو اس کے باوجود فرض نماز کی طرح جنازہ کو نماز سمجھتے ہوئے ہم اور آپ بھی **سبحانك اللّٰهم** پڑھ لیتے ہیں۔''

اقول: ہم تو اس لئے **سبحانك اللّٰهم** جنازہ میں پڑھتے ہیں کہ ہم قیاس کے قائل ہیں، ہم جنازہ کی ثنا کو فرض نماز کی ثناء پر قیاس کرتے ہیں لیکن چونکہ آپ لوگ نہ صرف قیاس کے منکر بلکہ قائلینِ قیاس کو گمراہ اور ابلیسی ٹولہ جیسے مکروہ و نازیبا القاب سے یاد کرتے ہیں، اس لئے آپ یہ نہیں پڑھ سکتے، ویسے یہ آپ نے خود ہی اپنے آپ پر ایک سوال کھڑا کر لیا ہے۔ الحمدللہ ہمارا سوال نمبر (۱) اسی طرح قائم ہے اور تمام وہابیوں اور لامذہبوں کے سر پر ہمارا یہ اُدھار ابھی تک قائم ہے اور تا قیامت قائم رہے گا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

سوال نمبر ﴿۲﴾

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کی تمام تکبیرات میں رفع الیدین کرنے کا حکم فرمایا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ کی تمام تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین فرمایا ہے؟۔

جواب : ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ (العلل لدار قطنی)

اس روایت کے متعلق شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اس روایت کے تمام روات ثقاۃ ہیں۔عمر بن شبہ ثقہ راوی ہے۔(بحوالہ حاشیہ فتح الباری ۳/۱۹۰)

اس روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔'' (صحیح البخاری مع الفتح ۳/۱۸۹)

اقول : سبحان اللّٰہ ! رواۃ کی ثقاہت بیان کرنے کے لئے پوری اُمت سے صرف ابن باز ہی ملا۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ کہاں کا محدث ہے اور اس کی رائے رواۃ کی ثقاہت و ضعف میں کہاں تک معتبر ہے؟

اور پھر مجیب نے یہ روایت امام دارقطنی کی علل الحدیث کے حوالے سے نقل کی ہے اور امام دارقطنی کا فیصلہ ہضم کر گیا، آخر کیوں؟

غیر مقلدین کے محدث شمس الحق عظیم آبادی نے لکھا ہے۔

قال الدارقطنی هكذا رفعه عمر بن شبة وخالفه جماعة فرووه عن يزيد بن هارون موقوفا وهو الصواب ۔ (التعليق المغني على سنن الدارقطنی ۲/۷۵)

لہٰذا یہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں ہے، جیسے کہ آپ ہی کے ایک محدث عبد الرحمٰن مبارک پوری نے ''تحفۃ الاحوذی'' میں اس کی صراحت کی ہے، اور مولوی محمد عبدہ فیروز آبادی لامذہب نے لکھا ہے کہ:

امام شوکانی نے لکھا ہے: ''والحاصل انه لم يثبت في غير التكبيرة الأولى شيء يصلح للاحتجاج به عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم وأفعال الصحابة وأقوالهم لا حجة فيها

فینبغی أن یقتصر علی الرفع عنه تکبیرة الأحرام۔ [نیل الأوطار٤/١٠٢]

اور حاصل کلام یہ ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے رسول اللہ ﷺ سے کوئی شے (حدیث) ایسی نہیں جس سے احتجاج کیا جا سکے۔ باقی رہے اقوال و افعال صحابہ، وہ ویسے ہی حجت نہیں ہیں، لہٰذا چاہیئے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کیا جائے۔

علامہ البانی اپنے احکام میں لکھتے ہیں:

تکبیر اولی کے ماسوا باقی تکبیرات میں رفع الیدین کی مشروعیت پر ہمیں کوئی دلیل نہیں مل سکی لہٰذا یہ غیر مشروع ہے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے، امام شوکانی وغیرہ محققین نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور یہی مسلک ابن حزم (غیر مقلد لا مذہب) کا ہے۔

(احکام الجنائز ص ١١٧ از فیروز آبادی)

مولوی وحید الزمان (غیر مقلد) نے لکھا: "ولا یرفع یدیه الا في تکبیرة الاولی"۔

(کنز الحقائق من فقه خیر الخلائق ص ٧١)

اور سوائے پہلی تکبیر کے (جنازہ میں) رفع الیدین نہ کیا جائے۔

مقولہ لا مذہب: "اس روایت کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔ (صحیح البخاری مع الفتح ٣/١٨٩)

اقول: یہ صحیح البخاری، بخاری کی کس عبارت کا ترجمہ ہے؟۔

صحیح بخاری میں صرف "و یرفع یدیه" کے الفاظ ہیں یہ ہر تکبیر کے ساتھ آپ کہاں سے لے آئے؟۔

کیا یہ دھوکہ دہی اور جھوٹ نہیں؟

جب کہ اس کے تحت امام الفقہاء والمحدثین امام بدر الدین عینی فرماتے ہیں:

(و يرفع يديه) مطلق يتناول الرفع في أول التكبيرات ويتناول الرفع في جميعها وعدم تقييد البخاري ذلك يدل على أن الذي رواه في كتاب رفع اليدين غير مرضى عنده اذ لو كان رضى به لكان ذكره في الصحيح أو قيد ـــــ قد ذكرنا عن قريب أن ابن حزم حكى عن ابن عمر أنه لم يرفع الا في الأولى وقال لم يأت فيما عدا الأولى ۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۸/۱۲۴)

اورآپ ہاتھ اٹھاتے یہ مطلق ہے، یہ ممکن ہے کہ آپ صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ تمام تکبیرات میں ہاتھ اٹھاتے ،اور امام بخاری کا اس کی تقید نہ فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام بخاری نے جو جز رفع الیدین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین روایت کیا ہے آپ اس سے خوش نہیں ،اور اگر آپ اس کو صحیح سمجھتے تو اپنی صحیح میں اس کو نقل کرتے یا اس کی کم از کم تقید ہی کر دیتے ،اور ہم نے بیان کیا ہے کہ ابن حزم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے اور اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔

اس تمام بحث سے ثابت ہوا کہ ہمارا سوال ابھی تک قائم ہےاور دونوں وہابی لامذہب اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

سوال نمبر ﴿۳﴾

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کس کس شہید صحابی کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی تھی؟

جواب: ''عبارت سوال سے واضح ہو رہا ہے کہ غیر شہید کی غائبانہ نماز جنازہ آپ تسلیم کر چکے ہیں''۔

اقول : سوال میں شہید کی قید صرف اس لئے لگائی گئی ہے کہ آج کل جگہ جگہ لامذہب اپنے نام نہاد شہداء کے غائبانہ جنازے بڑے دُھوم دھام سے، اشتہار چھپوا کر، گاؤں گاؤں اعلانات کر کے پڑھاتے ہیں۔ دراصل چونکہ وہابی لوگ شتر بے مہار قسم کی قوم ہے، ان کا مذہب شہر بدلنے سے بدل جاتا ہے اور وقت بدلنے سے بدل جاتا ہے آج سے چند سال پہلے وہابی شہید کی مطلق نماز جنازہ کے ہی قائل نہیں تھے، اگر چہ شہید کی میت سامنے موجود ہو لیکن اب چندہ بٹورنے کے لئے غائبانہ بھی شروع کر دی ہے۔

لامذہب مجیب کا کہنا ہے کہ ''جو دلیل غیر شہید کی ہے وہی دلیل شہید کی سمجھ لیجئے۔

اقول : کیا شہید و غیر شہید کے غسل و جنازہ میں کوئی فرق ہے یا کہ نہیں؟

ہمارے نزدیک نہ شہید کی غائبانہ نماز درست ہے اور نہ ہی غیر شہید کی، آج سے چند سال پہلے پیچھے چلیں تو آپ کو وہابیوں کے شہید کے متعلق یہ فتوی ملے گا۔

مولوی صادق سیالکوٹی لامذہب نے لکھا ہے:

''حضور انور نے شہیدوں کو خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی اور نہ ان کو غسل دیا۔ (بخاری) معلوم ہوا کہ شہید کو بغیر غسل اور جنازہ پڑھنے کے دفن کرنا چاہیے۔ (صلاۃ الرسول مع التخریج ص ۴۸۷)

مقولہ لا مذہب : ''(ب) یہ مسئلہ اہل علم کے ہاں مختلف فیہ ہے شہید کے جنازہ کے قائلین کے پاس جو دلائل ہیں ان میں سے صرف ایک روایت کو ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے پس آپ نے شہداء احد پر اس طرح نماز ادا کی جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم میت پر نماز ادا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ۱/۱۷۹) واضح رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے میدان احد میں جا کر یہ نماز ادا کرنے کا

واقعہ غزوہ احد سے آٹھ سال بعد کا ہے۔"

اقول : سبحان اللّٰہ ! تحقیق ہو تو ایسی، بات ہو رہی ہے شہید کے غائبانہ نماز جنازہ کی اور دلیل دی جا رہی ہے مطلق نماز جنازہ کی۔

مجیب ثانی یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ نماز آپ ﷺ نے اُحد شریف جا کر پڑھائی تھی جب کہ مجیب اول اس کو غائبانہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ مدینہ شریف میں پڑھائی تھی۔

پھر اس حدیث کی تفہیم میں بھی کافی اختلاف ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" قال النووی المراد بالصلوة هنا الدعاء، وأما كونه مثل الذي على الميت فمعناه أنه دعا لهم بمثل الدعاء الذي كانت عادته أن يدعو به للموتى۔

(فتح الباری ۳/۱٦٤، وفي نسخة ۱/۸٤۰)

امام نووی نے فرمایا کہ یہاں "صلوۃ" بمعنی دُعا ہے، اور یہ کہنا کہ جیسے میت کے لئے "صلوۃ" پڑھتے ہیں، تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس طرح دُعا کی جس طرح موتی کے لئے دُعا کرنے کی آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی۔

امام ابوزرعہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ان المراد بها الدعاء وليس المراد بها صلوة الجنازة المعهودة، قال النووی: أي دعا لهم بدعاء صلاة الميت (طرح التثريب في شرح التقريب ۳/۲۹۵)

یہاں "صلوۃ" سے مراد دُعا ہے نہ کہ نمازِ جنازہ اور امام نووی نے فرمایا کہ ان کے لئے میت والی دُعا مانگی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ لا مذہبوں، غیر مقلدین کے پاس اس کی کوئی صحیح، صریح، مرفوع حدیث

نہیں ہے بلکہ اگر ضعیف بھی ہوتی تو ضرور پیش کرتے۔

سوال نمبر ﴿۴﴾

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز جنازہ میں امام دعائیں بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں۔

جواب : نماز جنازہ سراپڑھانا بھی درست ہے اور جہراپڑھانا بھی صحیح ہے جہاں تک دعائیں سراپڑھنے کا ذکر ہے وہ تو گوشہ آپ کو معلوم ہے البتہ اگر نہیں معلوم تو وہ بلند آواز سے دعائیں پڑھنے کا گوشہ ہے لیجئے اس وقت ایک روایت بطور دلیل پیش کی جاتی ہے شاید سید الکونین ﷺ کا عمل آپ پر بھی اثر کر جائے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی تو میں نے آپ ﷺ کی وہ تمام دعائیں یاد کر لیں جو آپ نے اس موقعہ پر پڑھی تھیں اور وہ یہ تھیں:

" **اللھم اغفر له وارحمه** ---- الخ (صحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ المصابیح کتاب الجنائز)

وضاحت: صحابی رسول ﷺ کا آپ کی دعاؤں کو یاد کرنا تبھی ہوسکتا ہے جب آپ ﷺ نے بلند آواز سے پڑھی ہوں، سراپڑھنے سے تو سنائی نہیں دیتیں یاد کرنا کیسے ممکن تھا۔

باقی رہا آپ کے پیچھے صحابہ کرام کا آمین آمین کہنا تو جب رسول اللہ ﷺ نماز میں دعائیں پڑھتے تو صحابہ کرام پیچھے آمین آمین کہا کرتے تھے، جیسا کہ ابھی اگلے سوال کے جواب میں وضاحت سے بیان ہوگا۔

اقول : نمازِ جنازہ سراپڑھنا ہی سنت ہے جہرانہ آپ ﷺ نے پڑھا اور نہ ہی اس کا حکم فرمایا ہے اور نہ ہی تا قیامت کوئی لامذہب اس کو مذکورہ شرائط کے مطابق ثابت کر سکتا ہے،

آپ کی مستدل روایت کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں:

"واما الدعا فیسر به بلا خلاف وحينئذ يتاول هذا الحديث على ان قوله حفظت من دعائه أي علمنيه بعد الصلوة فحفظت۔

(شرح مسلم للنووي ۳۱۱/۱)

اور جنازہ میں دُعا بالاتفاق سراپڑھی جائے گی، تو اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ صحابی کا فرمانا کہ میں نے دُعا حفظ کر لی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ کے بعد مجھ کو دُعا سکھلائی تو میں نے اس کو حفظ کر لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام نووی کے دَور تک کوئی قوم جنازہ میں دُعائیں بلند آواز سے پڑھنے والی نہیں تھی، یہ بعد کی پیداوار ہے۔

مولوی محمد عبدہ فیروز آبادی لا مذہب نے لکھا ہے: "جمہور علماء سری کے قائل ہیں امام شوکانی لکھتے ہیں" و ذهب الجمهور الى انه لا يستحب الجهر في صلاة الجنازة۔

(نیل الاوطار ۴/ ٦٦)

اور حضرت ابن عباس والی حدیث کا جواب ظاہر ہے وہ خود فرمار ہے ہیں: "لم اقرأ أي جهرا الا لتعلموا أنه سنة"۔

اور پھر حضرت ابوامامہ بن سہل سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے بتایا نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ آہستہ پڑھی جائے۔(احکام الجنائز ۱۸۷۔۱۸۸)

تنبیہ: حدیث کے الفاظ "میں نے آپ سے یہ دعا یاد کر لی" سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت یہ ادعیہ بآواز بلند پڑھتے تھے لیکن ملا علی قاری اس کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ اسرار بالدعا کی مندوبیت کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں جھرا (اگر ثابت ہو تب)

پڑھنا محض تعلیم کے لئے تھا۔ (احکام الجنائز ۱۹۱)

مولوی عبدالرؤف لامذہب نے لکھا:

''مگر اس حدیث سے حجت لینا محل نظر ہے کیونکہ مسند احمد (۶/۲۳) میں عوف رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں ''ففهمت من مهلاته عليه اللّٰهم اغفرله''یعنی میں آپ کی نماز سے یہ کلمات سمجھا۔۔۔۔ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھیمی آواز میں دعا پڑھی ہوگی اور عوف بن مالک آپ کے قریب کھڑے ہوں گے تو انہوں نے یہ دعا سن لی نماز جنازہ کی دعاؤں کے بارے میں جو دوسری روایات ہیں ان سے بھی دعاؤں کو جھرا پڑھنے پر استدلال کیا جاتا ہے ان روایات سے بھی استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے جو پچھلی حدیث کی نوعیت ہے۔ (صلاۃ الرسول ۴۸۳۔۴۸۴)

الحاصل: نماز جنازہ میں قرات سرا پڑھنی چاہیے اس بارے میں نص موجود ہے۔
(صلاۃ الرسول ۴۸۴)

پس ثابت ہوا کہ جب سرے سے نمازِ جنازہ بلند آواز سے پڑھنی ہی سنت کے خلاف ہے تو آمین آمین والا مسئلہ خود بخود بدعت ٹھہرے گا۔

حافظ محمد گوندلوی لامذہب نے لکھا:

''نماز جنازہ میں مقتدی اپنی جگہ دعا کرے صرف آمین کا کہیں ذکر نہیں ہے۔
(فتاوی علمائے حدیث ۵/۱۵۴)

ایک اور لامذہب لکھتا ہے:

''نماز جنازہ کی دعاؤں پر مقتدیوں کے آمین کہنے کا ثبوت جہاں تک راقم کو معلوم ہے آنحضرت اور عہد صحابہ و تابعین میں نہیں ملتا بنا بریں اس عمل کو خلاف سنت کہا جائے گا۔

(فتاوی علمائے حدیث ۵/۱۹۱)

مقولہ لا مذہب : ''اس کا ایکِ عام فائدہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اکثر لوگوں کو جنازے کی دعائیں یاد نہیں ہوتیں، حالانکہ جنازہ کا مقصد دعا ہے آمین کی وجہ سے ہر ایک کی شرکت ہو جاتی ہے۔''

اقول : کیا ایسی توجیہات کسی اور کو بھی کرنے کی اجازت ہے کہ نہیں؟

اگر ہم کہیں کہ آج کل لوگ بڑے مصروف ہیں اس لئے اذان کے بعد تثویب کہہ لی جائے تاکہ لوگوں کو بروقت جماعت کا پتہ چل جائے تو کیا آپ اس کی اجازت دیں گے؟

اگر ہم کہیں کہ ایصال ثواب تو ہر وقت ہو سکتا ہے، اپنی اور دیگر عزیزوں کی آسانی کے لئے مرنے والے کے تین یا دس یا چالیس دن کے بعد ایصال ثواب کے لئے اکٹھے ہو جائیں تو دین کی کوئی بنیاد قائم رہے گی یا کہ نہیں؟۔

آپ دوسرے سے ہر بات پر صریح، مرفوع احادیث یا نصوص قطعیہ کا مطالبہ کرتے تھکتے نہیں اور ذرا ذرا سی بات پر بدعت وضلالت کا گولہ تھوپ دیتے ہیں لیکن جب اپنی باری آئی تو کہہ دیا کہ ''تو اس کا عام فائدہ یہ ہے۔

کیا یہ فائدہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں نہ آیا، صحابہ کرام کو اس فائدے کا پتہ نہ چلا، یہ فائدہ چودھویں صدی کے لا مذہبوں کو ہی نظر آیا؟۔

سوال نمبر ﴿۵﴾

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نمازِ وتر میں رکوع کے بعد امام بلند آواز سے دُعائے قنوت پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں۔

جـــواب : ''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ مسلسل پانچوں نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد دعا قنوت پڑھی جس میں بنی سلیم ،رعل، ذکوان ،عصیہ قبائل (جنہوں نے قراء کوشہید کر دیا تھا) پر اونچی آواز میں بدعا کی اور مقتدی آمین آمین پکارتے رہے۔ (قیام اللیل للمروزی ۲۳۵)

اقول : **سبحان اللہ العظیم !** سوال ہے وتروں کا، جواب ہے فرض نمازوں کا،سوال ہے دُعائے قنوت کا، جواب ہے قنوت نازلہ کا، اسی کو کہتے ہیں تحقیق ۔ یہ واقعی ''سوال گندم جواب چنا'' والامحاورہ بن گیا ہے۔

مقولـه لا مذهب : قنوتِ وتر بھی قنوت نازلہ کی طرح دُعائیہ کلمات پر مشتمل ہے دونوں نماز کی آخری رکعت میں ہی کئے جاتے ہیں اس حدیث کی روشنی میں جماعت کی صورت میں اگر اونچی آواز سے امام قرات کرے گا تو مقتدی باآواز بلند ہی آمین آمین کہیں گے۔

اقول : کیا تشہد میں پڑھی جانے والی ادعیہ مبارکہ دُعا نہیں ہیں؟ کیا وہ تمام ہر مقتدی کو یاد ہیں؟ اگر نہیں تو پھر ان کو بھی بلند آواز سے پڑھیں تا کہ لوگ آمین کہہ کر ان تمام ادعیہ ماثورہ کی فضیلت کا ثواب حاصل کرسکیں۔

پہلے تو آپ رسول پاک ﷺ سے دعائے قنوت في الوتر بلند آواز سے ثابت کریں، وہ آپ قیامت تک نہیں کرسکتے اور پھر اس کے بعد مقتدیوں کا آمین کہنے پر قیاس بھی کرلیں۔ آپ کے کہنے کے مطابق ہمیں تو تقلید حق قبول کرنے سے روکتی ہے، میں پوچھتا ہوں کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ نے ساری عمر اس طرح قنوت نہیں پڑھی تو اب آپ کے لئے حق قبول کرنے میں کونسی چیز مانع ہے؟

ہم اگر سال میں ایک بار میلاد منائیں تو بدعتی، آپ پورے سال میں تمام بدعتیں کرنے پر بھی اہل حدیث وموحد، کیا ہی انصاف ہے؟

ہم میلاد کے ثبوت دیں پھر بھی بدعتی، آپ اس کا ثبوت بھی نہ دیں قیاس مع الفارق کریں پھر بھی اہل حدیث؟ قال اللّٰہ تعالی: ﴿اعدلوا ھو أقرب للتقوی﴾

سوال نمبر ﴿۲﴾

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھے جائیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے تھے؟

جواب: رسول اللہ کا نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا یہ ایسی واضح حقیقت ہے جس کو کئی ایک روایات کی تائید حاصل ہے جگہ کی کمی کی وجہ سے صرف ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تو میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینہ کے اوپر رکھا ہوا تھا۔ (صحیح ابن خزیمہ ا/۲۴۳)

اقول: جناب وہ کئی ایک روایات کہاں ہیں؟ جگہ کی کمی سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ فرض تھا کہ اس پمفلٹ کے صفحات ۱۶ سے بڑھ نہیں سکتے تھے؟۔

ویسے ہمیں کئی ایک روایات کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی ہمارا مطالبہ ہے، ہمارا مطالبہ تو صرف ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث کا ہے، یقیناً ان کئی ایک میں سے جو حدیث آپ نے پیش کی ہے سب سے زیادہ صحیح سمجھ کر ہی پیش کی ہے۔

اگر میں آپ کو قسم دُوں کہ خود ہی بتائیں کہ کیا آپ کی مستدل روایت صحیح ہے تو آپ کیا جواب دیں گے؟۔

قیامت کے دن ان وہابی عوام نے آپ کے گریبان کو پکڑا ہوگا کہ آپ تو کہتے تھے کہ ہم وہی کچھ کرتے ہیں جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا لیکن یہ کیا؟ آپ اس وقت ان لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟ ہم پھر کہتے ہیں کہ پوری دنیا کے لا مذہب اکٹھے ہو جائیں اور پورے ذخیرۂ حدیث سے ایک صحیح، صریح، مرفوع، غیر محتمل حدیث پیش کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ پر ہاتھ باندھے تھے تو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

لیکن یاد رکھو!

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار تم سے   یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

آپ کی مستدل مذکورہ حدیث کی سند امام ابن خزیمہ نے اس طرح نقل کی ہے:

" أخبرنا أبو طاهر ، نا أبو بكر ،نا أبو موسى ،نا مؤمل ، نا سفيان عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل بن حجر قال ---الخ -

اس سند میں ایک راوی مومل بن اسماعیل ہے، جو کہ ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

" قال أبو حاتم صدوق شديد في السنة كثير الخطاء وقال البخاري منكر الحديث --- وقال غيره د فن كتبه فكان يحدث من حفظه فكثر خطاء ، قلت :قال ابن حبان في الثقات ربما أخطاء---وقال يعقوب ابن سفيان مؤمل أبو عبدالرحمن شيخ جليل سني سمعت سليمان بن حرب يحسن الثناء كان مشيختنا يوصون به الا ان حديثه لا يشبه حديث أصحابه وقد يجب على أهل العلم أن يقفوا عن حديثه فانه يروي المناكير عن الضعفاء--- وقال الساجي صدوق كثير الخطاء وله أوهام --وقال ابن

سعد ثقة كثير الغلط وقال ابن قانع صالح يخطیء ، وقال الدارقطنی ثقة کثير الخطاء ۔۔۔وقال محمد بن نصر المروزی المؤمل اذا انفرد بحدیث وجب أن يتوقف ويثبت فيه لأنه كان سیء الحفظ کثير الغلط ۔۔۔

(تہذیب التہذیب ج ١٠ص ٢٨٠،ص ٢٨١، المکتبۃ الاثریہ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور۔الطبعۃ الاولی)

ابوحاتم نے کہا کہ صدوق ہے،سنت کے معاملہ میں سخت اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے،اور امام بخاری نے کہا: منکر الحدیث ہے۔دیگر آئمہ نے کہا کہ اپنی کتابیں دفن کر دی تھیں اور حدیث حافظہ سے بیان کرتا تو بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا،ابن حبان نے کتاب الثقات میں کہا کہ غلطی کرتا ہے۔یعقوب بن سفیان نے کہا کہ سنی شیخ ہے،سلیمان بن حرب اس کی تعریف کرتے،مگر ان کے بقول اس کی احادیث اس وقت کے دیگر محدثین کے مشابہ نہیں ہوتی تھیں،اور اہل علم پر واجب ہے کہ وہ اس کی روایت پر عمل نہ کریں کیونکہ یہ ضعفاء سے منکر احادیث روایت کرتا ہے،امام ساجی نے کہا: صدوق مگر زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے اور اسکی احادیث میں اوھام ہیں۔ابن سعد نے کہا کہ ثقہ کثیر الغلط یعنی بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے،امام ابن قانع نے کہا: صالح ہے لیکن خطاء کرتا ہے ،دار قطنی نے کہا کہ ثقہ کثیر الخطاء ہے محمد بن نصر مروزی نے کہا کہ جب مؤمل اکیلا روایت کرے تو اس کی حدیث پر عمل کرنے سے رُک جانا ضروری ہے اور اس میں یہ چیزیں ثابت ہیں کیونکہ وہ رڈی حافظے والا اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے۔

اور محدثین نے فرمایا کہ جس کو امام بخاری منکر الحدیث کہہ دیں اس سے روایت لینی جائز نہیں ملاحظہ فرمائیں،میزان الاعتدال وغیرہ۔

لہذا ثابت ہوا کہ یہ روایت بالکل ضعیف ہے اور ہمارا سوال ابھی تک قائم ہے۔

سوال نمبر ﴿۷﴾

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کہنی پر رکھا تھا؟۔

جواب :''حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یوں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے، قبلہ کی طرف منہ کیا تکبیر تحریمہ کہی اور کانوں تک ہاتھ اٹھائے پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی اور گھٹ اور کلائی (ساعد) پر رکھا۔ (ابوداود مع العون ۱/ ۲۶۵)

اقول : الحق یعلو ولا یعلی الحمد للہ رب العالمین! مجیب نے یہ حدیث نقل کر کے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلک حق اہل سنت و جماعت ہی صحیح ہیں اس حدیث کے مطابق ہاتھ باندھنے کا طریقہ اہل سنت و جماعت احناف کا ہے۔

اس مسئلہ میں مجیب واضح طور پر شکست خوردہ نظر آتا ہے اور ثابت ہو گیا کہ آج کل لامذہبوں کی اکثریت جس طرح بازو پر بازو باندھتی ہے یہ بالکل سنت کے خلاف ہے۔

مقولہ لا مذہب : ''وضاحت: ہم جب بھی نماز نبوی کو بیان کرتے اور مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں تو اس مذکورہ حدیث کی روشنی میں ہی وضاحت کرتے ہیں کہ دائیں ہاتھ کو بائیں کی ہتھیلی اور گھٹ اور کلائی پر رکھ کر سینے پر رکھا جائے۔

اقول : یہی تو ہمارا سوال ہے کہ سینے پہ کیوں رکھے جائیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ پر ہاتھ باندھے ہیں؟ جو حدیث آپ نے بطور دلیل پیش کی ہے وہ تو ضعیف و مردود ہے پھر سینہ پر ہاتھ کیوں باندھے جائیں؟

اصل میں وہابی سارے کے سارے غیر مجتہد و غیر مقلد ہیں اس لئے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تلقین کی ضرورت نہیں ہے، وہ شتر بے مہار ہیں جہاں جس کا جو جی چاہے کرتا پھرتا ہے، ہر

گھر کا علیحدہ دین ہے۔

ہم وہابی عوام سے کہتے ہیں کہ یہ مولوی تو اس جہان میں آپ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں آخرت میں تو بالکل ہی منکر ہو کر کہیں گے کہ یہ وہابیوں کی اپنی غفلتیں تھیں ہم نے ان کو کوئی ایسی بات نہیں بتائی تھی۔

سوال نمبر ﴿۸﴾

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ آپ ﷺ نے پورا سال تہجد کی اذان کا حکم فرمایا ہو وہ اذان رمضان شریف میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو بلکہ پورا سال تہجد کے لئے ہو۔

جواب: ''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں فجر کے وقت ہر روز دو اذانیں ہی ہوا کرتے تھیں''

اقول: ''ہر روز دو اذانیں دینے کی کیا دلیل ہے؟

حدیث شریف کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رمضان شریف میں ہوتی تھیں۔

جب کہ حضرت علامہ امام ابو الحسن بن محمد الحافظ ابن القطان الفاسی م ۶۲۸ھ فرماتے ہیں:

''والحديث المذكور لا يعارضه لأنه في رمضان خاصة أمام سائر العام فما كان يؤذن الا بعد الفجر۔

(بيان الوهم والايهام الواقعين في كتاب الاحكام لابن القطان ۳/۲۷٤)

اور حدیث مذکور اس حدیث کے متعارض نہیں کیونکہ یہ اذان رمضان کے ساتھ خاص ہے اور تمام سال اذان طلوع فجر کے بعد ہی ہوتی تھی، اگر یہ تہجد کے لئے ہو جیسا کہ لامذہبوں کا دعوی ہے تو پھر یہ اذان ہی ایک ایسی اذان ہوگی جو نماز کا وقت ختم ہونے پر دی جائے، حالانکہ اذان تو پہلے دی جاتی ہے، لیکن اس میں ہے کہ تہجد پڑھنے والا اب تہجد ختم کر کے سحری کے لئے گھر چلا جائے۔ اور پھر کسی نفل نماز کے لئے اذان ثابت نہیں ہے۔

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

"قال ابن عبد البر وفي اجماع المسلمين على أن النافلة بالليل والنهار لا أذان لها ما يدل على أن أذان بلال بالليل انما كان لصلاة الصبح۔

(طرح التثريب لأبي زرعة العراقي ۲/۲۰۷)

امام ابن عبدالبر نے فرمایا کہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نفلی نمازیں، چاہے دن کی ہوں یا رات کی، ان کے لئے اذان نہیں، تو یہ دلالت کرتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کی اذان رات کو صبح کی نماز کے لئے تھی۔

علامہ عراقی مزید فرماتے ہیں:" فيجعل الجمع بين الحديثين بحمل أحدهما على رمضان والآخر على غيره۔ (طرح التثريب لأبي زرعة العراقي ۲/۲۱۰)

ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق (جمع) اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک اذان رمضان شریف میں اور دوسری سارا سال۔

اور مولوی ابوالبرکات لامذہب نے لکھا:

سوال: بعض مساجد میں تہجد کی اذان ہوتی ہے ہم ان سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جب حضرت بلال اذان کہیں تو تم کھاؤ پیو اور جب عبداللہ بن مکتوم اذان دیں تو تم کھانے پینے سے رک جاؤ اس میں وقت کی تعین نہیں، لہذا اسے تہجد کی اذان کہنا درست ہے۔

جواب:" اس حدیث سے استدلال غلط ہے کیونکہ بلال کی اذان فجر کی تھی کیونکہ فجر کے وقت نیند کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے فجر سے چند منٹ پہلے بلال کی اذان ہوتی تھی اگر یہ اذان سحری یا تہجد کی ہوتی تو فجر سے تقریبا گھنٹہ پہلے ہونی چاہیے تھی، لیکن ام المومنین عائشہ

صدیقہ سے بخاری و مسلم وغیرہ کتب احادیث میں روایت موجود ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں اذانوں کے درمیان صرف اتنا فرق تھا کہ بلال اذان کہہ کر اترتے تھے اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم چڑھ کر اذان کہہ دیتے تھے اتنے فاصلے میں تہجد کیا پڑھی جاتی ہے اور سحری کا کھانا کیسے کھایا جاتا ہے۔

کسی محدث نے آج تک کتب احادیث میں تہجد یا سحری کی اذان کا باب نہیں باندھا معلوم ہوا کہ اس قسم کی اذان شریعت میں ہے ہی نہیں ۔۔۔۔ (فتاوی برکاتیہ ص ۲۴)

اسی طرح کا فتوی مولوی عبداللہ روپڑی کا بھی فتاوی علمائے حدیث ۲/۱۶۲۔۱۶۳) پر موجود ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ یہ اذان بہر حال تہجد کے لئے نہ تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ پورا سال چلتی تھی، تو ایسی روایت اگر کوئی ہے تو اس کو پیش کیا جانا چاہیے تھا۔

مذکورہ حدیث میں سحری کا ذکر ہے اور سحری مشہور تو رمضان شریف میں ہی ہے جو کہ پورے اہتمام سے ہوتی ہے نہ کہ نفلی روزوں کی کیونکہ نفلی روزوں کی سحری کا اتنا اہتمام نہیں کیا جاتا بلکہ بعض اوقات بغیر سحری کھائے روزہ رکھا جاتا تھا، جس کی نیت طلوع شمس کے بعد کی جاتی تھی، جہاں بھی دو اذانوں کا ذکر ہے وہاں سحری کا ذکر بھی ضرور ہے اور اگر بغیر سحری کے ذکر کے کوئی باسند صحیح حدیث ہے تو لامذہبوں کو چاہیے کہ وہ پیش کریں۔

مقولہ لا مذہب: ''یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان روایتوں کے تحت فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ دو اذانیں سارا سال ہوتی تھیں''۔

اقول: حافظ ابن حجر کی کون سی عبارت کا یہ ترجمہ ہے؟ آپ نے صرف ''**و فیہ نظر**'' فرمایا ہے اور اپنی طرف سے کوئی دلیل نہیں دی، جس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ ابن القطان

کا قول راجح ہے، اور پھر اگر بالفرض محال یہ سارا سال بھی ثابت ہو تو تب بھی تہجد کے لئے تو نہیں ہو سکتی کیونکہ دونوں اذانوں کے درمیان بالکل تھوڑا وقفہ ہوتا تھا، اتنا وقفہ ہرگز ہرگز نہیں ہوتا تھا جتنا آج کل لامذہبوں کی مسجد میں ہوتا ہے، وقفہ کے متعلق مولوی ابوالبرکات کا فتوی گزر چکا ہے۔

مقولہ لا مذہب: ''ثانیاً ایک ہی روایت میں دونوں اذانوں کا ذکر ہے اگر دوسری اذان آپ کے نزدیک سارا سال تھی تو پہلی اذان سارا سال کیوں تسلیم نہیں کی جاتی۔ دونوں میں فرق کرنے کی کوئی علت وشہادت نہیں ملتی۔''

اقول: اسے کہتے ہیں اجتہاد، کل کو کوئی ایسا لامذہب کہے گا کہ ایک ہی آیت میں نماز وزکوۃ کا ذکر ہے تو نماز ہر روز پانچ مرتبہ اور زکوۃ سال میں صرف ایک دفعہ کیوں؟

جناب عالی! پہلی اذان کی علت سحری کھانے کا وقت اور تہجد والے کی واپسی کا اعلان بیان کی جارہی ہے جب کہ دوسری اذان کا مقصد نماز ہے جو کہ سارا سال ہوتی ہے جب کہ سحری بالاہتمام صرف رمضان شریف میں ہوتی ہے۔

سوال نمبر ﴿۹﴾

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز با جماعت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا ہو یا خود پڑھی ہو۔

جواب: نماز میں فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھنا بھی درست ہے اور بلند آواز میں بھی صحیح ہے آہستہ پڑھنے والی روایت آپ کو معلوم ہے اونچی پڑھنے والی روایت سنیے۔

جناب نعیم بن مجمر نے کہا میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی پھر ام القرآن (سورۃ فاتحہ) پڑھی جب غیــــر

المغضوب علیهم والا الضالین تک پہنچے تو آمین کہی لوگوں نے بھی آمین کہی۔۔۔ جب سلام پھیرا تو کہا مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری نماز، تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہے (سنن نسائی)

وضاحت: اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی نماز کا بیان ہے جس میں انہوں نے سورہ فاتحہ کی طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھی، نعیم بن مجمر سن کر ہی بیان کر رہے ہیں پھر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز قرار دیا

اقول: پہلے نمبر پر بات یہ ہے کہ یہ روایت صریح، مرفوع نہیں ہے جب کہ ہمارا مطالبہ صحیح، صریح، مرفوع اور غیر محتمل کا ہے، اور پھر یہ غیر محتمل بھی نہیں اس میں تشبیہ ہے جب کہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہوتی، اگر من کل الوجوہ ہے تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہی روایت ہے

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن ان أبا هريرة كان يكبر فی كل صلوة من المكتوبة وغيرها۔۔ فيكبر حين يقوم ۔ ثم يكبر حين يركع ثم يقول :سمع اللّٰه لمن حمده ، ربنا ولك الحمد ثم يقول :اللّٰه اكبر حين يهوى سا جدا ثم يكبر حين يرفع رأسه من السجود ثم يكبر حين ۔۔۔ يقوم من الجلوس فی الاثنتين ، ويفعل ذلك فی كل ركعة حتىٰ يفرغ من الصلوة ثم يقول حين ينصرف :والذی نفسی بيده انی لاقربكم شبها بالصلوة رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ان كانت هذه الصلاة حتىٰ فارق الدنيا

(بخاری ۸۰۳)

اب اس حدیث شریف میں ربنا و لك الحمد کا ذکر ہے تو اس کو بلند آواز سے پڑھا

جائے گا؟ جب کہ حدیث کے آخر میں وہی الفاظ ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کی مستدل روایت میں کہے تھے کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری نماز تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہے۔

اور پھر یہ روایت ویسے بھی معلول ہے جیسا کہ علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

"والجو اب عنه من الوجوه احد ها انه حديث معلول ، فا ن ذكر البسملة فيه مما تفرد به نعيم المجمر من بين اصحاب ابى هريرة (رضى الله عنه) وهم ثما نمائة ما بين صاحب و تا بع، ولا يثبت عن ثقة من اصحاب ابى هريرة (رضى الله عنه) انه حدث عن ابى هريرة انه عليه السلام كا ن يجهر با لبسملة فى الصلو ة - (نصب الراية ١/٣٣٦)

اوراس حدیث کا کئی وجوہ سے جواب دیا گیا ہے، یہ کہ یہ حدیث معلول ہے۔(یعنی اس میں کئی خفیہ علتیں ہیں جو کہ اس کو ضعیف قرار دیتی ہیں) اور اس میں بسم اللہ کا ذکر سوائے نعیم المجمر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کسی بھی شاگرد نے نہیں کیا، اور آپ کے شاگردوں کی تعداد صحابہ اور تابعین میں سے آٹھ سو کے قریب ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے کسی ثقہ راوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نہیں کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ جہر سے پڑھتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"ومما يدل على ثبوت اصل البسملة فى اول القرأة فى الصلاة مارواه النسائى وابن خزيمة وابن حبان فى صحيحهما وغيرهم من رواية نعيم المجمر قال صليت خلف ابى هريرة .... والذى نفسى بيده انى لا

شبهکم صلاة برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم .... ففی هذارد علی من نفاها البتة وتائید لتا ویل الشافعی رضی الله عنه ۔لکنه غیر صحیح فی ثبوت الجهر لا حتمال ان یکون سماع نعیم لها من ابی هریرة رضی اللّٰه عنه حال مخا فتته لقربه منه فبهذه تتفق الروایات کلها ۔

(النکت علی کتاب ابن الصلاح ۲/ ۷۷۰)

اوروہ جواصل بسم اللہ کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے نماز میں قرأة سے پہلے وہ جو کہ روایت کیا نسائی اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نعیم المجمر کی روایت سے، انہوں نے کہا کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی....نماز کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں تم سب سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہوں، پس یہ اس شخص پر رد ہے جس نے نماز میں بسم اللہ کی مطلقاً نفی کی ہے اور امام شافعی کی تاویل کی تائید میں ہے۔لیکن جہر کے ثبوت میں صحیح نہیں ہے، اس میں یہ احتمال ہے کہ نعیم المجمر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قریب ہونے کی بنا پر ان کے خفیہ پڑھنے کے باوجود سن لیا ہو، پس اس طرح تمام روایات متفق ہو گئیں۔

اور یہ اصول ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ۔

امام ابوبکر احمد الرازی م ۳۷۰ فرماتے ہیں:

" اما حدیث نعیم المجمر عن أبي هریرة دلالة فیه علی الجهر بها لانه ذکر انه قراها و لم یقل انه یجهر بها و جائز ان لا یکون جهر بها و ان قراها و کان علم الراوی بقراتها اما من جهة أبي هریرة باخباره ایاه بذلك او من جهة انه سمعها لقربه منه و ان لم یجهر بها۔ (احکام القرآن للجصاص ۱/ ۱۶)

حدیث نعیم المجمر عن ابی ہریرہ ،تو اس میں جہر پر کوئی دلالت نہیں ، کیونکہ راوی نے کہا کہ انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھا۔ یہ نہیں کہا کہ بلند آواز سے پڑھا، اور یہ جائز ہے کہ انہوں نے بلند آواز سے نہ پڑھا ہوا گرچہ بسم اللہ کو پڑھا ہو، اور راوی کو اس کے پڑھنے کا علم یا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خبر دینے سے ہوا ہو، یا اس طرح کہ وہ قریب کھڑے ہوں تو انہوں نے سن لیا ہو، اگر چہ انہوں نے بلند آواز سے نہ پڑھا ہو۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں:

" فجوابه ان جميع احاديثكم ضعفاف و اثبتها حديث نعيم ولا حجة فيه لانه حكى ان ابا هريرة قرأها و لم يقل جهر بها فجائز أن يكون سمعها في مخافتته لقربه منه ۔ (التحقیق لابن الجوزي ١/٣٥٥)

تمہاری پیش کردہ ساری کی ساری حدیثیں ضعیف ہیں اور ان میں ثابت صرف نعیم المجمر والی روایت ہے لیکن وہ جہر میں صریح نہیں ہے، وہ حجت نہیں بن سکتی کیونکہ راوی نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھا، یہ نہیں کہا کہ بلند آواز سے پڑھا، ہوسکتا ہے اس نے قریب ہونے کی وجہ سے سرا پڑھتے ہوئے سن لیا ہو۔

اور اگر یہ حدیث بسم اللہ بالجهر میں صحیح وصریح ہوتی تو اُمت کے اکثر محدثین یہ نہ فرماتے کہ جہر بسم اللہ میں کوئی بھی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔

ابن تیمیہ مؤسس اول مذہب وہابیہ نے لکھا کہ:

"وقد اتفق أهل المعرفة على انه ليس في الجهر حديث صحيح و لم يرو أهل سنن من ذلك شيئا ۔

اور اس پر حدیث کی سمجھ رکھنے والے سب متفق ہیں کہ جہر بسم اللہ میں کوئی بھی حدیث صحیح

ثابت نہیں اور اہل سنن نے جہر بسم اللہ میں کچھ بھی روایت نہیں کیا۔

(مختصر الفتاوى المصرية ص ٤٢)

پیشوائے وہابیہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ:

" فصحيح تلك الأحاديث غير صريح و صريحها غير صحيح ـ

(زاد المعاد في هدي خير العباد ١/١٥٥)

ان احادیث میں جو صحیح ہیں وہ جہر میں صریح نہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں۔

امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" كل ما روى عن النبي ﷺ في الجهر فليس بصحيح ـ

(فتح القدیر ا/۲۵۴، والتحقیق لابن الجوزی ا/۳۵۷)

جہر میں جو کچھ بھی نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے پس وہ صحیح نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ:

" لا يصح في الجهر شيء كما نقل عن الدار قطني (الدراية ١/١٠٥)

جہر بسم اللہ میں کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں، جیسا کہ امام دار قطنی سے نقل کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے نماز میں پڑھنا بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عن ابن عبد اللّٰه بن مغفل قال سمعنى ابى و انا فى الصلو ة اقول بسم اللّٰه الرحمن الرحيم فقال لى اى بنى محدث اياك و الحدث قال ولم اراحد امن اصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان ابغض اليه الحدث فى الاسلام يعنى منه و قال و قد صليت مع النبى صلى اللّٰه عليه وسلم ومع

ابی بکر و عمر ومع عثمان فلم اسمع احد منهم یقولها فلا تقلهااذا انت صلیت فقل الحمد للّٰہ رب العالمین ۔

یعنی مجھے میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے سنا تو فرمایا: اے میرے بیٹے! بدعت سے بچ ۔فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ان سے زیادہ کسی کو اسلام میں نئی بات نکالنے کا دشمن نہیں دیکھا۔انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر صدیق وعمر فاروق وعثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی لیکن کسی کو بھی بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا،اس لئے تم بھی اسے بلند آواز سے نہ پڑھو۔جب نماز پڑھوتو الحمدللہ رب العالمین سے شروع کرو ۔

(أخرجه الترمذي في الجامع ص ٣٣ ج١ لفظ له ، و ابن ماجه في السنن ٥٩ و أحمد في مسنده ج٤ ص٨٥ ـ(١٦٩٠٩)ـوج ٥ص ٥٤ ـ(٢٠٨١٩)و ص ٥٥ (٢٠٨٣٣) و عبد الرزاق في المصنف ج٢ ص٨٨، وابن ابی شيبة فی المصنف ج١ ص٤٤٧ ـ ملتان)

تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں بسم اللہ کو جہر کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے کیونکہ اس کو بدعت کہنے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابی حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بدعتی کون لوگ ہیں۔افسوس ہے ان لوگوں کی عقل پر جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل اور کام کو تو بدعت کہہ کر ٹھکرادیتے ہیں اور جن امور کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بدعت کہا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔

الٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ نجد   دیں کو پامال کرتے ہیں وقار کیلئے

عن ابراهيم قال جهر الامام ببسم اللّٰہ الرحمن الرحیم بدعة ۔

(ابن ابی شیبه فی المصنف ج۱ ص۴٤۸ ـ ملتان)

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام کا بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا بدعت ہے

وقال بعض التا بعين الجهر بدعة ـ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص۵۳۰ ج ۱)

اور بعض تابعین نے کہا ہے کہ بسم اللہ شریف کا جہر کرنا بدعت ہے۔

عن ابن عباس قال الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم قراء ة الاعراب۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنی گنواروں کی قرأت ہے۔

(أخرجه ابن أبي شيبة في المصنف ج۱ ص٤٤۸، وعبد الرزاق في المصنف ص٤۱۱ ج۱ والطحاوی في شرح معاني الآثار ص۱٤۰ ج۱، و ابن عبد البر في التمهيد ج۱۹ ص ۲۰۹، وفي الاستذكار ج۱ ص٤۵۸)

ان ابن عباس سئل عن الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم فقال كنا نقول هی قرأة الاعراب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نماز میں بسم اللہ کے بلند آواز سے پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ہم کہتے ہیں کہ یہ گنواروں کی قرأت ہے۔

(أخرجه البزار في مسنده كما قال الهيثمي في المجمع الزوائد ص۲۸۰ ج ۲)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: " **سئل عن الجهر بالبسملة فقال انما يفعل ذلك الاعراب۔** یعنی جہر بسم اللہ کا حکم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ گنواروں کا کام ہے۔ (أحكام القرآن للجصاص ۱۷/۱)

پس ثابت ہوا کہ ہمارا یہ سوال ابھی تک لا مذہبوں کی گردنوں پر بھاری پتھر کی طرح پڑا ہوا

ہے۔

سوال نمبر 〈۱۰〉

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات تک رفع الیدین عند الرکوع وبعد الرکوع کیا تھا؟

جواب: اگر ہر عمل میں شرط لگا دی جائے کہ حدیث میں صراحتا ہو کہ آپ ﷺ نے وہ عمل تا وفات کیا ہو تو یہ ایک ایسی شرط ہے جس کی وجہ سے بہت سے اعمال نبویہ کا تعلق ہماری زندگی سے ختم ہو جائے گا بلکہ دین اسلام کی اصلی شکل مسخ ہو کر رہ جائے گی۔

اقول: ہم ہر عمل کے لئے یہ شرط نہیں لگاتے، یہ شرط صرف وہاں لگائی جاتی ہے جہاں کسی عمل کے منسوخ ہونے میں اختلاف پیدا ہو جائے، چونکہ اس مسئلہ میں ہمارا دعوی ہے کہ رفع الیدین بعد الافتتاح منسوخ ہے اور آپ حضرات کہتے ہیں کہ یہ منسوخ نہیں۔ لہذا یہ قید اس واسطے ہے کہ چونکہ نماز تو آپ ﷺ نے تمام عمر پڑھی ہے، لہذا اگر یہ رفع الیدین منسوخ نہیں تو پھر جب تک نماز ہے اس وقت تک رفع الیدین کا ثبوت بھی ہونا چاہئے، اگر آپ ایسی روایات باسند صحیح، صریح، مرفوع، غیر محتمل پیش کر دیں تو ہمارا دعوی خود بخود ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر آپ ایسی روایت پیش نہ کر سکیں اور یقیناً نہیں پیش کر سکیں گے تو پھر ہمارا دعوی ثابت ہو جائے گا۔

مقولہ لا مذہب: ''دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے سوال میں ''وفات تک'' کے کلمات بتا رہے ہیں کہ آپ بریلوی ہو کر وفات رسول کے قائل ہیں کیا خیال ہے؟

اقول: ہم آپ ﷺ پر وفات کے وقوع کے قائل ہیں لیکن اب قبر میں آپ ﷺ کو حقیقی زندگی کے ساتھ زندہ مانتے ہیں وفات کے واقع ہونے کا کوئی سنی بھی منکر نہیں۔

ہماری کتب میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن آپ لوگوں کی گستاخی یہ ہے کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں زندہ تسلیم نہیں کرتے بعداز وفات آپ کی زندگی کا منکر گمراہ ہے۔

مقولہ لا مذہب: تیسری بات یہ ہے کہ رفع الیدین کی احادیث کو روایت کرنے والے صحابہ میں سے ایک صحابی وائل بن حجر بھی ہیں، ان کی روایت صحیح مسلم میں موجود ہے، یہ صحابی ۹ ہجری کو مسلمان ہوئے حضور علیہ السلام سے تربیت لے کر اپنے علاقے کی طرف واپس چلے جاتے ہیں ایک سال بعد یعنی دس ہجری کو پھر مدینہ منورہ آتے ہیں تو صحابہ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع الیدین عند الرکوع وغیرہ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں (دیکھئے ابوداود)۔

گیارہ ہجری کے تقریباً ابتدائی ماہ بارہ ربیع الاول میں آپ کی وفات ہو جاتی ہے، بتایئے وہ کون سی مرفوع صحیح روایت ہے جس نے اسے منسوخ کر دیا؟۔

اقول: یہ حدیث بھی غیر مقلدین پر حجت ہے، یہ حدیث پوری نقل نہیں کی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں بھی رفع الیدین بین السجدتین کا ذکر ہے، اگر مان لیا جائے کہ یہ حدیث نبی اکرم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نمازوں کے بارے میں ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ سجدوں میں رفع الیدین بھی ایسے ہی سنت ہے، جیسے کہ رفع الیدین عند الرکوع و بعد الرکوع سنت ہے، لیکن غیر مقلدین سجدوں میں رفع الیدین کے منکر ہیں اور اکثر اپنی کتابوں میں احادیث کانٹ چھانٹ کر پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

جب آپ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ دین کی تکمیل اسی نماز پر ہوئی اور اس کے بعد کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا تو سجدوں میں رفع الیدین کے منسوخ ہونے کا حکم کب نازل ہوا جو آپ لوگ اس کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

اس روایت میں رفع الیدین بین السجدتین کا ثبوت

ابوداود میں اس روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

" واذا رفع رأسه من السجود أيضا رفع يديه۔۔۔" (سنن ابو داود ۱۱۸۱(۸۲۲)

اور جب سجدوں سے سر مبارک اُٹھاتے تو بھی رفع الیدین کرتے۔

اور مسند احمد میں الفاظ اس طرح ہیں:

"قال: رأيت رسول الله ﷺ يرفع يديه مع التكبير" (مسند احمد ٣١٦/٤)

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

اور سنن دارمی میں یہ الفاظ درج ہیں:

عن وائل الحضرمي، أنه صلى مع رسول الله ﷺ فكان يكبر اذا خفض واذا رفع ،و يرفع يديه عند التكبير ۔ (سنن الدارمي ۱ /۲۲۹، ملتان)

حضرت وائل حضرمی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، پس آپ ﷺ ہر اُونچ نیچ میں تکبیر کہتے اور ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

اور دارقطنی میں یہ الفاظ درج ہیں: " انه رأى رسول الله ﷺ يرفع يديه حين يفتتح الصلوة و اذا ركع و اذا سجد"۔ (سنن الدارقطني ۱/۲۹۱)

یعنی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ رفع الیدین کرتے نماز کے شروع میں اور جب رکوع کرتے اور جب سجدۃ کرتے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب "جزء رفع الیدین" میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ:

" كان يرفع يديه اذا ركع و اذا سجد"۔ (جزء رفع الیدین ص ۵۱ مترجم)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدوں میں رفع الیدین کرتے تھے۔

اور "سنن الکبری للبیهقی" میں اس طرح ہے:

"قال: صليت خلف رسول الله ﷺ فلما كبر رفع يديه مع التكبير واذا ركع واذا رفع أو قال سجد۔ (سنن الكبرى ١/١٢٦)

یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، پس جب آپ تکبیر کہتے تو تکبیر کے ساتھ ہی رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے یا کہا جب سجدہ کرتے۔

مقوله لا مذهب: صاحب ہدایہ نے ابتدائی رفع الیدین کے لئے "واظب عليه" کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں یعنی اس رفع الیدین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشگی فرمائی۔

علامہ زیلعی حنفی نے اس روایت کو واضح کر دیا جس کی طرف بطور دلیل صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا تو وہ روایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی ہی تھی جس میں رفع الیدین عندالرکوع والرفع منہ کا بھی ذکر تھا۔

اقول: علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مقامات میں رفع الیدین والی احادیث نقل کر کے یہ ثابت فرمایا ہے کہ بعض روایات میں عندالرکوع اور بعدالرکوع کا اثبات ہے۔

جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت اور بعض احادیث میں سجدوں میں رفع الیدین کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ وائل بن حجر اور مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث اور بعض روایات میں رفع الیدین فی السجود کی نفی اور بعض میں بعد از افتتاح کے تمام جگہوں میں رفع الیدین کی نفی۔

لیکن تمام روایات میں رفع الیدین عندالافتتاح کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع الیدین عندالافتتاح پر مواظبت فرمائی ہے، لیکن غیر مقلد ایسی باتیں کیسے سمجھ سکتا ہے۔ اس نے صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی روایت ہی دیکھی ہے اور علامہ زیلعی پر اعتراض کر دیا۔

مقولہ لا مذہب: تعجب ہے کہ ایک ہی روایت میں تین جگہ رفع الیدین بیان ہوا وہ روایت پہلے رفع الیدین کے لئے ہمیشگی کی دلیل بن گئی اور دوسرے مقامات کے رفع الیدین منسوخ پا گئے۔ انصاف کا تقاضا تھا کہ یا تو تینوں مقامات کے رفع الیدین منسوخ قرار پاتے یا تینوں مقامات کے رفع الیدین ہمیشہ کے لئے ثابت ہو جاتے کیونکہ روایت ایک ہی ہے۔

اقول: اب لامذہب ذہن پر یہ شعر فٹ ہوتا ہے کہ

تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے ۔۔۔ نکتہ توحید سمجھ میں آ تو سکتا ہے

سوال نمبر (۱۱)

ایک صحیح، صریح، مرفوع، غیر محتمل حدیث پیش کریں کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم حدیث میں ہو۔

جواب: صحتِ نماز کے لئے سر پر کپڑا باندھ کر رکھنے کی شرط میں نہ کوئی قرآنی آیت ہے اور نہ ہی صراحتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے، نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ جس حال میں ہوتے نماز ادا کر لیتے، یہی وجہ ہے کہ احادیث شریفہ میں آپ کا ننگے سر نماز ادا کرنا بھی آیا ہے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ ایک ہی کپڑا اوڑھے ہوئے تھے جس کے دونوں کنارے آپ

کے کندھوں پر تھے (بخاری ومسلم)

اقــول : جوحدیث آپ نے پیش کی، اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تہبند شریف کا بھی خصوصی اہتمام نہیں فرماتے تھے بلکہ ایک ہی چادر کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے، لہٰذا لا مذہبوں کو چاہئے کہ وہ بھی نماز میں تہبند وشلوار کا خصوصی اہتمام نہ کیا کریں۔

مقوله لا مذهب : "حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا میں شکار کے لئے نکلتا ہوں تو ایک ہی قمیص میں نماز پڑھ لیا کروں تو آپ ﷺ نے فرمایاہاں البتہ قمیص کو آگے سے بند کرلیا کرو۔ (ابوداود)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی۔

اقول : مذکورہ احادیث سے جو نصیحت ومسئلہ دریافت ہوتا ہے اس پر تو لامذہبوں کا عمل نہیں اور جو ثابت نہیں ہوتا اس پر زور ہے یعنی تینوں احادیث میں صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز ہے جس پر وہابیوں کا عمل نہیں نماز پڑھتے ہوئے یہ لوگ شلوار، قمیص، بنیان، جرابیں وغیرہ کئی کپڑے پہنے ہوتے ہیں، ہم نے آج تک کسی لامذہب وہابی کو نہیں دیکھا کہ وہ شلوار اُتار کر صرف قمیص میں یا قمیص وشلوار اُتار کر صرف ایک چادر کو لپیٹ کر نماز پڑھ یا پڑھا رہا ہو۔ حالانکہ مذکورہ بالا احادیث اس میں واضح ہیں اور ان میں ننگے سر کا ذکر نہیں لیکن اس پر لامذہبوں کا بڑا زور وشور ہوتا ہے، ویسے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا حکم و معمول منسوخ ہے۔

تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

ننگے سر نماز پڑھنا

مولوی محمد اسماعیل سلفی (لامذہب) غیر مقلد کا فتوی

سوال: بدن پر کپڑے ہوتے ہوئے سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دینی اور کوئی عذر بھی نہ ہو اور ہمیشہ اس طرح نماز پڑھنا اگر چہ فرض نماز با جماعت مسجد میں ہو اس کا شرعا کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح نبی علیہ الصلوۃ والسلام یا صحابہ سے ثبوت ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے تو عبارت مع صفحہ تحریر فرمادیں۔

(۲) ننگے سر نماز پڑھنی افضل ہے یا سر ڈھانک کر، اگر سر ڈھانک کر نماز پڑھنی افضل ہے تو اس کی دلیل پیش فرمایئے گا؟۔ (عبداللہ خطیب جامع مسجد اہل حدیث ڈیرہ غازی خان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: وباللہ التوفیق! متذکرہ صدر سوال پر تین وجوہ سے غور کیا جاسکتا ہے۔

(۱) مطلق جواز اور اباحت کے لحاظ سے

(۲) افضلیت یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عام عمل کے لحاظ سے۔

(۳) حرمت اور عدم جواز کے لحاظ سے۔

نماز میں ستر مغلظ (شرمگاہ) کا ڈھانپنا بالاتفاق ضروری ہے ان میں سے اگر کوئی حصہ ننگا ہو تو نماز نہیں ہوگی اور ان اعضاء کو ننگا رکھنا شرعا حرام ہے بہز بن حکیم سے مروی ہے:

" احفظ عورتك الا مَن زوجتك او ما ملكت يمينك ۔ (رواہ الخمسۃ الا النسائی)

بیوی اور مملوکہ کے سوا اعضاء ستر دیکھنے کا کسی کو موقع نہ دے۔

شوکانی فرماتے ہیں: " والحق وجوب ستر العورة في جميع الأوقات الا وقت قضاء الحاجة واقضاء الرجل الى أهله ۔ اھ (نیل الاوطار ج۲ ص۶۴)

حد ستر میں اہل علم مختلف ہیں جمہور ناف سے گھٹنہ تک ڈھکنا ضروری سمجھتے ہیں بعض صرف ران ڈھانپنا واجب سمجھتے ہیں ۔امام احمد اور امام مالک سے ایک روایت میں آیا ہے

" العورة القبل والدبر"(نیل الاوطار ج۲ ص۶۴) غرض ستر کی جو حد بھی اہل علم کے نزدیک ہے اگر اسے ننگا رکھا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ اعضاء ستر کو ویسے بھی ننگا رکھنا درست نہیں۔ نماز میں تو قطعاً حرام و ناجائز ہوگا۔ سر چونکہ بالاتفاق اعضاء ستر میں نہیں اس لئے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالاتفاق جائز ہوگی۔ اس کے لئے نہ بحث کی ضرورت ہے نہ احادیث کی ٹٹول کی ضرورت۔ جس طرح کوئی پنڈلی، پیٹ، پشت وغیرہ اعضاء ننگے ہوں تو نماز جائز ہے۔ سر ننگے بھی درست ہے۔ لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہیے امام اگر نماز کے بعد پاؤں آسمان کی طرف کرے یا مقتدی کوئی ایسی حرکت کریں، حدیث میں اس سے رکاوٹ ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن عقل مند ایسا کرنے سے پرہیز کرے گا۔ ننگے سر کی عادت بھی قریباً اسی نوعیت کی ہے۔ جو اس کے باوجود ایسی عادات عقل وفہم کے خلاف ہیں۔ عقلمند اور متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آنحضرت، صحابہ کرام اور اہل علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے۔ کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو، خصوصاً باجماعت فرائض میں، بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔

امام بخاری فرماتے ہیں: **باب وجوب الصلوة في الثياب وقول الله تعالى خذو زينتكم عند كل مسجد و من صلى ملتحفا في ثوب واحد و يذكر عن سلمة بن الأكوع ان النبي ﷺ قال بزك و لو بشركة في اسناده نظر الخ۔**

(صحیح بخاری مع فتح مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۳۱۸)

امام بخاری کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زینت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اعضاء ستر

ڈھانپنے کے علاوہ اچھے کپڑوں میں ادا کی جائے۔ عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے۔ کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کی جائے تو سر ننگا رہے گا۔ حالاں کہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جا سکتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث ام ہانی، ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ، سلمہ بن اکوع، عمر بن ابی سلمہ، طلق بن علی وغیرہ سے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد وغیرہ دواوین سنت میں موجود ہیں لیکن کسی میں سر ننگا رکھنے کا ذکر نہیں۔ خصوصاً جس میں عادت اور کثرت عمل ثابت ہو، پھر احادیث میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت یا تو صرف اظہار جواز کے لئے ہے۔ یا کپڑوں کی کم یابی کی وجہ سے۔ ان حالات سے جواز یا اباحت تو ثابت ہو سکتی ہے۔ سنت یا استحباب ظاہر نہیں ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے: ''او لکلکم ثوبان (ابوداؤد ص ۲۴۰) طلق کی روایت میں ہے: ''او لکلکم یجد ثوبین'' (ابوداؤد مع عون ج ۱ ص ۲۴۱) کیا سب کو دو کپڑے میسر آ سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اثر میں مزید تفصیل ملتی ہے، حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں:

ام رجل الی النبي ﷺ فسئله عن الصلوة في الثوب الواحد فقال او کلکم یجد ثوبین ثم سئل عمر فقال اذا وسع اللّٰه فاوسعوا جمع رجل علیه ثیابه صلی رجل في ازار و رداء في ازار وقمیص في ازار وقباء في سراویل و رداء في سراویل وقمیص في سراویل وقباء في تبان وقباء في تبان وقمیص قال و احسبه في تبان ورداء۔ (صحیح بخاری ص ۲۶۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک آدمی نے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق دریافت کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ وسعت دے تو نماز میں بھی وسعت سے کام لینا چاہیے

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حسب استطاعت نماز میں لباس کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا۔ حضرت عمر کا ارشاد حکم ہو یا صرف خبر اس میں کپڑوں کی قلت اور عدم استطاعت صراحۃ سمجھ میں آتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پورے کپڑے میسر ہو سکیں اور کوئی مانع نہ ہو تو تکلف سے مسکنت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

ابن منیر فرماتے ہیں:" الصحيح انه كلام في معنى الشرط كانه قال ان جمع رجل عليه ثيابه فحسن اھ (فتح ج ا ص ٣٢٤)

اگر ایک سے زائد کپڑے نماز میں استعمال کرے تو بہتر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وفي هذ الحديث دليل على وجوب الصلوة في الثياب لما فيه من ان الاقتصار على الثوب الواحد كان لضيق الحال وفيه ان الصلوة في الثونين افضل من الثوب الواحد وصرح القاضى عياض بنفى الخلاف في ذلك اھ۔ (فتح الباری ا ص ۳۲۴)

اس حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ (مستطیع کے لئے) زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ کیوں کہ ایک کپڑے کی اجازت صرف ضیق کی وجہ سے تھی اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نماز میں دو کپڑے استعمال کرنا افضل ہے۔ غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کو عادت اختیار کرنا ثابت نہیں، محض بے عملی یا بدعملی یا کس کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے۔ بلکہ جہلاء تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اس کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے ابن عمرؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر فرماتے ہیں

اذا صلى احدكم فلياتزر وليرته ۔ ا ه ۔ (سنن کبرے ج ۲ ص ۲۳۵)

نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر مرفوعاً فرماتے ہیں: اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیه فان اللّٰه عزوجل احق ان یرین له' الخ (سنن کبرے)

نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر نے مرفوعاً فرمایا نماز دو کپڑوں میں پڑھو۔ اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ نافع فرماتے ہیں میں ایک دن اونٹوں کی گھاس کے سلسلہ میں نماز سے پیچھے رہ گیا، عبداللہ بن عمر آئے تو میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا حضرت عبداللہ نے فرمایا کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں؟ میں نے عرض کیا، دو ہی موجود ہیں آپ نے فرمایا: ''أرئیت لو بعثتك الی بعض أهل المدینة أكنت تذهب في ثوب واحد؟ قلت لا قال فاللّٰه أحق ان یتجمل له؟ الخ (بیہقی سنن اص ۲۳۶) اگر میں مدینہ میں کسی کے پاس تمہیں بھیجتا تو تم ایک کپڑے میں جاتے؟ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔

ان احادیث میں سر ڈھانپنے کی صراحت نہیں لیکن دو کپڑوں سے سر ڈھانپنے کا زیادہ امکان ہو جاتا ہے۔ کپڑا موجود ہو تو سر ننگے نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلت عقل سے۔ نیز یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔ آیت خذوا زینتکم کے مضمون سے بھی اسی سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

ابوداود میں ایک اثر ہے جس سے شاید کوئی کم سواد آدمی استدلال کرے۔ حدثنا عبد اللّٰه بن محمد الزهری ثنا سفیان بن عیینة قال رات شریکا صلی بنا فی جنازة العصر فوضع قلنسوته بین یدیه یعنی فی فریضة۔ (ابوداؤد ج اص ۲۵۶ مع عون)

یعنی شریک نے فرضوں کی نماز بوقت عصر ٹوپی اُتار کر پڑھی اور ٹوپی اپنے سامنے رکھی۔ اھ

اول تو یہ نہ مرفوع حدیث ہے۔ نہ کسی صحابی کا اثر۔ دوم معلوم نہیں، یہ شریک کون بزرگ ہیں

شریک بن عبداللہ نخعی تبع تابعی ہیں یا شریک بن عبداللہ بن ابی نمر تابعی۔
ان دونوں میں کم وبیش ضعف ہے۔ لیکن یہ ان کا عمل ہے جو کسی طرح بھی قابل حجت نہیں۔
سوم امام ابوداؤد نے اسے باب الخط اذا لم یجد عصا میں ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہاں ضرورتاً سر ننگا رکھا گیا ہے کیوں کہ جب انہیں سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو انہوں نے سترہ کا کام ٹوپی سے لے لیا۔ ضرورت اور عذر سے سر ننگا رکھا جائے تو اس میں بحث نہیں، بحث اس میں ہے کہ فیشن اور عادت کے طور پر نماز میں سر ننگا رکھنا کہاں تک درست ہے؟ حافظ عینی نے شرح بخاری میں مختلف مذاہب کے ذکر میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ ایک کپڑے میں درست ہے لیکن جب وسعت ہو کپڑے میسر آسکیں تو پھر ایک پر اقتصار مستحسن نہیں۔
حافظ ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں الفصل الثانی في فضيلة وهو ان يصلی في ثوبين او اكثر فانه اذا بلغ فی الستر يروى عن عمرؓ انه قال اذا وسع الله فاوسعوا ۔ اھ (ص۶۲۱) مغنی ابن قدامہ مع الشرح یعنی فضیلت اس میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں نماز ادا کرے کیوں کہ اس میں ستر اور پردہ زیادہ ہوگا۔ حضرت عمر کا ارشاد ہے۔ جب اللہ مال میں وسعت فرمائیں تو آدمی کو وسعت سے کام لینا چاہیے اس کے بعد تمیمی کا قول ذکر فرمایا ہے۔ الثوب الواحد يجزی والثوبان احسن والاربع اكمل قميص و سراويل و عمامة و ازارٌ اھ۔ (ابن قدامہ اص۶۲۱) ایک کپڑا جواز نماز کے لئے کافی ہے دو کپڑے بہتر ہیں چار ہوں تو نماز اور کامل ہوگی۔ قمیص، پاجامہ، پگڑی اور ازار۔
ان تمام گزارشات سے مقصد یہ ہے کہ سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلا وجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں

یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ اور بھی نامناسب ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پگڑی کے متعلق تحنیک کا رواج تھا یعنی پگڑی کا ایک لپیٹ گردن کے نیچے سے باندھتے تھے آج کی عربی پگڑیاں اور ہماری پگڑیاں اس وقت کی پگڑیوں سے وضع میں مختلف ہیں ایسی پگڑی کا اتارنا اور بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ وللتفصیل وقت اخر۔ ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل وفراست سے متعلق ہے اگر اس جنس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو، تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔ والسلام (فتاوی علماء حدیث ج ۴ ص ۲۸۶ تا ۲۸۹)
ایک اور بہت بڑے لامذہب مولوی محبّ الدین راشدی سندھی نے لکھا ہے
"بعض حضرات اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں یہ وارد ہے کہ اللہ تعالی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اور اس میں ٹوپی وغیرہ بھی داخل ہے یعنی بغیر سر ڈھانپے نماز پڑھی۔
اولا: یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی تنگی تھی اور اتنی فروانی نہ ہوتی تھی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ پر ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہم میں سے ہر ایک کے پاس دو تین کپڑے نہ تھے۔ اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟
اس سے جو بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔
ثانیا: میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے جواز کے ثبوت سے اس کا نزلہ یہ حضرات صرف ٹوپی پر ہی کیوں گرانے پر مصر ہیں۔ اگر ننگے سر نماز پڑھنے کے

مسنون ہونے کا مدار آپ حضرات ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث پر ہی رکھتے ہیں تو بسم اللہ آپ گھر سے ہی کریں اور اس طرح نماز بھی پڑھ لیں۔ یہ اچھی ستم ظریفی ہے کہ گھر سے تو قمیص، شلوار، کوٹ وغیرہ پہن کر آتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد صرف پگڑی یا ٹوپی اتار کر نماز پڑھنے شروع کر دی۔ کیا آپ حضرات کے نزدیک اس کا معنی و مطلب یہ ہے کہ اور تو سب کپڑے پہنے ہونے چاہئیں صرف ٹوپی وغیرہ کو اتار دیا جائے لیکن یہ مطلب سراسر غلط ہے۔

شاید کچھ لوگ کہنے لگیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی کا حکم ہے کہ مسجد میں زینت پکڑو یعنی لباس پہنو اور جب آج کپڑوں کی فراوانی ہے تو ہم یہ سارا لباس زیب تن کرتے ہیں لیکن سر کو ننگا رکھتے ہیں۔ لوگوں کی خدمت میں بادب عرض ہے کہ اگر دوسرے کپڑے زینت میں داخل ہیں تو ٹوپی وغیرہ کو آپ کس دلیل سے اس زمرہ میں سے نکال باہر کر رہے ہیں۔ اوپر صفحات میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا اکثر و بیشتر معمول سر کو ڈھانپنا تھا لہذا میں ٹوپی وغیرہ سے سر ڈھانپنے کے زینت ہونے پر اور کیا مضبوط ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالی کے رسول ﷺ کا پسندیدہ معمول اعلی درجہ کی زینت بھی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالی کے ہاں پسندیدہ بھی۔

بہر حال ان وجوہات کی بناء پر مجھے تو نماز کی حالت میں اور عام حالت میں سر ڈھانپنا ہر حال میں بہتر و اولی اور مستحب و مندوب نظر آتا ہے۔ اگر کسی اہل علم نے اس پر تعاقب فرمایا کہ میری اس کاوش کو غیر صحیح ثابت کر دیا اور بات سمجھ میں آ گئی تو انشاء اللہ تعالی رجوع بھی کر لوں گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا سوال ابھی تک لاجواب ہے۔

سوال نمبر ﴿۱۲﴾

ایک صحیح ،صریح ،مرفوع حدیث پیش کریں جس میں نماز میں دو، دوفٹ کھلے پاؤں کر کے کھڑے ہونے کا حکم ہے؟

جواب : یہ محض مبالغہ ہے۔ہم نے کبھی بھی ایسا نہیں کہااور بیان کیا۔کوئی شخص بے خبری میں ایسا کرتا ہے تو درست نہیں کرتا۔۔۔البتہ ہم تو اپنے مقتدیوں کو یوں کہتے ہیں کہ دو قدموں کے درمیاں اس قدر فاصلہ رکھو کہ ساتھ والے نمازی سے کندھا بھی مل جائے کیونکہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے پیچھے یوں ہی نماز کے لئے صف بندی کرتے اور کھڑے ہوتے تھے۔

الحمدللہ ہمارے نمازی اس طرح یعنی حدیث کے مطابق کھڑے ہوتے ہیں، مقلدین کی طرح نہیں کہ جماعت میں کھڑے ہوکر بھی اس طرح دور دور رہتے ہیں جیسے ایک دوسرے کے دشمن مجبورا کھڑے ہوں۔

باقی رہا اکیلا نمازی تو اس کے لئے شرعا کوئی پابندی نہیں کہ وہ دوقدموں کے مابین کتنا فاصلہ رکھے۔اگر آپ کے پاس کوئی مرفوع، صحیح ،صریح روایت ہوتو پیش کریں؟

اقول : الحمدللہ ربّ العالمین! یہاں پر بھی لا مذہب غیر مقلد نے شکست تسلیم کرلی اور واضح طور پر تسلیم کرلیا کہ ہم نے وہابیوں کو اس کا حکم نہیں کیا بلکہ وہ جاہل خود ہی اس پر عمل کر کے اپنی عاقبت خراب کررہے ہیں۔

جہاں تک مبالغہ کا تعلق ہے تو ہم عرض کریں گے کہ آپ لوگ تجربہ کر کے دیکھ لیں، بعض نہیں بلکہ اکثر وہابی اتنے ہی چوڑے پاؤں کر کے کھڑے ہوتے ہیں جتنے ہم نے سوال میں بیان کیا ہے۔

اللہ کے فضل وکرم سے ہمارے سارے سوالات ابھی تک جواب طلب ہیں اور ہمارا اب بھی یہ دعوی ہے کہ کوئی لا مذہب غیر مقلد وہابی ان کے جوابات صحیح ،صریح ،مرفوع حدیث سے پیش نہیں کر سکا اور نہ ہی کبھی کر سکے گا۔

اب آخر میں ،ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ مجیب غیر مقلد نے جو سوالات اہل سنت احناف پر وارد کئے ہیں صرف ہمارے اُصول سے ناواقفیت کی وجہ سے کئے ہیں۔

پہلے وہ کتبِ اصولِ فقہ کو پڑھے اور احناف کے اصول دیکھ کر سوال کرے ،ہم ان شاء اللہ اس کی تشفی فرمادیں گے۔

〈نوٹ〉

دین اسلام میں چار مذاہب اسلاف واخلاف میں مشہور ومعروف ہیں حنفی ،مالکی ، شافعی ، حنبلی ۔ چونکہ موجودہ دور کے غیر مقلدین ان میں سے کسی مذہب کے ساتھ نہ صرف یہ کہ تعلق نہیں رکھتے بلکہ اس تعلق کو بدعت وشرک کہتے ہیں اس لئے اہل عرب ان کو ''لا مذہب'' کہتے ہیں ،لہٰذا میں نے بھی ان کو اسی نام سے لکھا ہے۔

خاکپائے علمائے اہل سنت وجماعت:

محمد عباس رضوی

واہنڈو ، تحصیل کامونکی ، ضلع گوجرانوالہ۔

(حصہ اول)

زبیر علیزئی لامذہب کے جواب میں

از قلم

ڈاکٹر قاری **ابو احمد محمد ارشد مسعود اشرف** چشتی رضوی

بانی و ناظم اعلیٰ: دار القلم اسلامک ریسرچ سنٹر پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم الأمین ، أما بعد :

۱۰ شوال ۱۴۳۱ھ بمطابق ۱۱ ستمبر ۲۰۱۰ء کو بعض ناعاقبت اَندیش لوگوں میں سے ایک دُشنام طراز نے اپنے ماہانہ رسالہ ''الحدیث'' حضرو، شمارہ نمبر ۷۸ میں ایک مضمون شائع کیا جس کا عُنوان رکھا ''عبّاس رضوی صاحب کہاں ہیں؟ جواب دیں!'' اس میں قبلہ حضور مفتی محمد عباس رضوی صاحب زاداللہ عزہ وشرفہ الی یوم المعاد کی طرف سے آج سے تقریباً ۱۳ سال قبل لامذہبوں پر کیئے گئے ۱۲ سوالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''عباس رضوی نامی ایک رضاخانی بریلوی نے اہل حدیث یعنی اہل سنت سے (۱۲) سوالات کئے تھے اور یہ سوالات وصول ہونے کے بعد راقم الحروف نے ۱۳/ رمضان ۱۴۲۹ھ (۱۴/ ستمبر ۲۰۰۸ء) کو ان کے دندان شکن جوابات مع اہل حدیث (اہل سنت) کے بارہ سوالات لکھے تھے پھر یہ سوال و جواب ماہنامہ الحدیث حضرو (محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری ۲۰۰۹ء) عدد ۵۶ میں شائع کر دیئے گئے تھے۔ اب ایک سال سے کافی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، مگر کہیں سے بھی عباس رضوی کی طرف سے ہمارے سوالات کا جواب ہمارے علم میں نہیں آیا''

اوّلاً : اے نومولود مُفتری! محمد عباس رضوی صاحب کوئی مجہول شخص نہیں بلکہ ایک معروف و مشہور اہل سنت عالم دین ہیں جن کے سامنے سے تو اور تیرا مناظر طالب ---یوں غائب ہوئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

ثانیًا: اے مفرورِ گوجرانوالہ! یہ آج کل اہل ھوا لوگوں کے سروں پر اہلِ سنت میں شامل ہونے کا کیوں بُھوت سوار ہو چکا ہے؟ میرے خیال میں یہ صرف اس لئے ہے کہ تم جیسے لا مذہبوں، ناعاقبت اندیشوں، نابکاروں کو یہ تو علم ہے ہی کہ اللہ والوں کی گستاخیاں اور اہل

اللہ پر کذب وافتراء باندھنے کی وجہ سے آخرت میں ہمارا کوئی حصہ نہیں لیکن اس دنیا میں لوگوں کو دجل وفریب دے کر اپنے آپ کو اہل حق کے نام سے منسوب کرلیں، تاکہ دنیا میں تو پردہ پڑا رہے۔

سر محشر جو تم اہل خبیثوں کی گستاخیوں اور بے ادبیوں کی وجہ سے رسوائی ہوگی وہ احادیث کی روشنی میں تم پر بھی آشکارا ہے۔

ثالثًا: اے مراقی! اپنے ہمنواؤں سے خبر لے لینی تھی کہ یہ سوالات کب سے ہم لامذہبوں پر قرض ہیں اور ہم میں سے کتنے ان لاجواب سوالوں کے جواب دیتے دیتے اپنے ترکش خالی کر چکے ہیں؟ اور کتنوں کی امید بر آئی ہے، جو ان سے ٹکرا کے پاش پاش ہوئے؟ گر تم عقل کے ناخن لیتے تو تمہیں تیرے ہمنوا ہی بتا دیتے کہ اس معاملہ میں ہماری اُمیدیں اُٹھ چکی ہیں۔

رابعًا: اے غیر مقلدین میں اجتہاد و قیاس کے مبدع! ہم نے تو تمہاری طرف سے دیے جانے والے جوابات کو کوئی اہمیت اس لئے نہ دی کہ تمہارے ہمنوا یہی تیر پہلے آزما چکے تھے اور ان کے لایعنی دلائل کی حقیقت ہم نے واضح کر دی تھی، اور تیری طرف سے لکھے گئے جوابات میں بھی کوئی خاص نئی دلیل نہ تھی جس کی وجہ سے ہم نے ان کی اشاعت کے بعد ان کے تفصیلی جواب کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

ہاں! ہم نے ان کے ملنے کے بعد ۲۰۰۹-۰۹-۰۶ کو مختصراً ان بے سرو پا اعتراضات کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح کر کے چند اوراق عزیزم فیصل خان کو بھجوا دیے تھے، جن کو وہ کچھ مصروفیات کی وجہ سے شائع نہ کروا سکے۔ اب وہی چند صفحات تھوڑے سے اضافہ کے بعد جو کہ تیری طبیعت کی ناسازی کے پیش نظر کیا گیا ہے مع مقدمہ، اور

''ڈھول کا پول'' جو کہ تیرے ہمنواؤں کے جواب میں شائع کیا گیا تھا شائع کروا رہے ہیں۔
پس ہمارے سوالوں کے ہماری بیان کردہ شرائط ، جو درحقیقت تمہارے بڑوں کے بیان کردہ اُصول ہی ہیں کہ ''اہل حدیث کے دو اصول کتاب اللہ اور سنت رسول'' کے مطابق جواب دو۔ ان کے مذکور شرائط کے مطابق جوابات کے بعد پھر ہم پر سوال کرو گے تو ہم ان کا جواب دیں گے ، ان شاء اللہ ، لیکن پہلے ہمارے اصول وضوابط سے بے خبری کو دُور کر لینا۔

خامسًا : دس گیارہ سال بعد تجھے جو لایعنی اور غیر متعلق جواب دینے کا شوق چرایا تو صرف اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں اپنے حواریوں میں ہی تمہاری ہوا اُکھڑ جائے ، لہذا یہ سوچا کہ اس بارے میں کچھ ورق سیاہ کر دینے چاہئیں۔ باقی رہا یہ جوابات جن کو جناب دندان شکن جوابات کہہ رہے ہیں ، یہ بات جناب کے رفیقوں میں تو تمہاری ناک اونچی کر سکتی ہے لیکن میدانِ تحقیق میں یہ تیری ناک قلم کروانے کا باعث بننے کے علاوہ تجھے ذلیل و رسوا کر کے چھوڑے گی ، اوران جوابات سے علیزئی کی علمی لیاقت و دیانت کا بھی بھرم کھل گیا اور آنے والی سطور میں مزید عیاں ہو جائے گا۔

آگے لا مذہب لکھتا ہے کہ: ''اگر عباس رضوی صاحب کسی کونے کھدرے میں زندہ موجود ہیں تو پھر ہمت کر کے ان سوالات کے جوابات پیش کریں اور اگر وہ مر کر آنجہانی ہو چکے ہیں تو پھر نام نہاد نوریوں اور ناریوں سے مطالبہ ہے کہ وہ ہمارے سوالات مکمل (بغیر کسی تبدیلی کے) نقل کر کے ان کے جوابات بھیجیں تا کہ عوام کی معلومات میں اضافہ ہو اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے؟ صرف سوالات کر کے بھاگ جانا مردوں کا کام نہیں اور نہ اس میں عوام کا فائدہ ہے''۔

اولًا :الحمد للّٰہ ! حضرت علامہ مولانا محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی تو زندہ و

حیات ہیں اور خدا تعالی کی توفیق کے ساتھ اتنی جرأت وہمت رکھتے ہیں کہ تم جیسے گوجرانوالہ کے مفروروں کو، ایک گھنٹہ تو بہت زیادہ وقت ہوتا ہے اس سے بھی کم وقت میں، نہ صرف زیر کر دیتے ہیں بلکہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے یوں بچھاڑتے ہیں کہ دُم دبا کے بھاگتے ہوئے نظر بھی نہیں آتے ہو۔

ثانیاً: جناب جیسے ہزاروں نام نہاد اور خود ساختہ قسم کے فضیلۃ الشیخ ومحدث جو تار عنکبوت سے دیواریں کھڑی کرتے ہیں ان کو تو وہ نظر میں بھی نہیں لاتے چہ جائیکہ کہ جناب جیسے خالی خولی بڑھکیں ماریں اور ان سے مقابلہ کی سوچیں۔ باقی رہے وہ جوابات جو جناب نے ہمارے سوالات کے جواب میں دینے کی کوشش کی ہے ان کا حال ستیاناس آئندہ اوراق میں کھل کر سامنے آرہا ہے جس سے یہ واضح ہوگا کہ علیزئی نے کس طرح اپنے لامذہب گروہ کا ستیاناس کیا ہے، اور یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ جناب ایک بھی سوال کا جواب نہیں دے سکے اور نہ ہی قیامت تک کوئی لامذہب اپنی لامذہبیت کی دلدل میں پھنسے رہ کر جواب دینے کی ہمت وجرأت رکھتا ہے۔

ثالثاً: الحمد لله ! نوری تو یہ جانتے ہیں کہ لامذہب ایک بھی سوال کا جواب نہیں دے سکا، پس پہلے ہی نوریوں کا تمہارے اُوپر اور تمام دوسرے لامذہبوں پر قرض موجود ہے۔ جب پہلا قرض ادا کرلو گے تو پھر دیکھنا کہ نوری کیسے تجھ جیسے نابکار جاہل مطلق اور تیرے ہمنوا ناریوں کو تحت الثری تک پہنچاتے ہیں۔

رابعاً: ایک لامذہب وبے اُصول انسان کی باتوں میں تبدیلی کا تو وہ سوچیں جن کے پاس کوئی مذہب واصول نہ ہو، الحمد للہ ہم تو مذہب واصول والے ہیں، اپنے مذہب واصول کی پاسبانی کرنے کی خدائے بزرگ وبرتر نے توفیق وہمت عطا فرمائی ہے، جو کسی کے اُصول

سے واقف ہی نہ ہو، اور بے بنیاد اٹکل پچو لگانے میں ہی مصروف رہتا ہو، اس کی باتوں کی طرف توجہ کرنا کوئی دانائی نہیں۔ اگر جناب کو ہمارے سوالات کے جوابات دینے کا اتنا ہی شوق ہے تو پہلے ہمارے اُصول پڑھ، پھر ہم سے سوال کر، پھر دیکھ تجھے کیسے جواب ملتے ہیں۔ ہم نے تو تمہارے بنائے ہوئے اُصولوں کے مطابق سوالات کئے تھے جن کے جواب ابھی تک ان شرائط کے مطابق نہیں دیے جاسکے جو سوالات کے ساتھ مذکور ہیں اور قیامت تک نہیں دیے جاسکیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

خامسًا: ''ڈھول کا پول'' کی اشاعت کے بعد عوام کو یہ واضح ہو گیا تھا کہ لامذہب کبھی بھی اپنے قائم کردہ اُصولوں کے تحت ان سوالوں کے جوابات نہیں دے سکتے، ہاں ادھر ادھر کی ٹامک ٹوئیاں مارنے کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چارۂ کار نہیں، لیکن کیا کریں بے ہنگم و بے بنیاد شور نہ مچائیں تو بات نہیں بنتی، لہذا انہوں نے یہ سبق اچھی طرح یاد کر لیا ہے کہ چور مچائے شور چور چور چور۔ یہی کام آپ جناب نے سرانجام دیا کہ کوئی جواب تو بن نہ سکا لیکن چند ورق سیاہ کر کے اپنے شور کو وہابی ریکارڈ پر ریکارڈ کروا دیا۔

آگے علیزئی نے لکھا کہ: ''عباس رضوی صاحب سے مطالبہ ہے کہ بزدلی چھوڑ دیں، مرد میدان بنیں اور جس طرح بیت العنکبوت میں بیٹھ کر سوالات داغے تھے، اسی طرح بیت العنکبوت میں بیٹھ کر ہمارے سوالات وصول کریں اور ان کے جوابات پیش کریں''۔

اولًا: سبحان اللہ! علیزئی صاحب! آپ جناب جیسے جنم جنم کے ڈرپوک گیڈر شیروں کو بہادری وشجاعت کا درس دے رہے ہیں۔

اے مختل الحواس! کیا گوجرانوالہ کی سرزمین سے دُم دبا کر اپنی ننھی سی جان بچانا بُھول گئے کہ اب مردِ میدان بننے کی باتیں جناب کو یاد آگئیں؟۔

ثانیا: ہمارا تو پہلے بھی تمام لامذہب محققین اور نام نہاد خود ساختہ محدثین کو چیلنج تھا کہ کوئی لا مذہب ہماری طرف سے کئے جانے والے سوالات کے عائد کردہ شرائط کے مطابق جواب دینے کے لئے ہمارے سامنے آئے، مگر نہ جانے لامذہبوں نے کس طرح ایک بے چارے طالب۔۔شاہ کو تیار کر کے سامنے لانے کی سعی لاحاصل کی جو چوتھے سوال تک مقابلہ کی تاب نہ لاسکا اور بالآخر اس نے بھی دُم دبا کر بھاگنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی، اور مجھے یقین کامل ہے کہ اس کے بعد آج تک دوبارہ ان سوالات کے جوابات دینے کا اس نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ اگر جناب میں کوئی دم خم اور سکت ہے تو آیئے ہم پھر دعوتِ مبارزت دیتے ہیں کہ مردِ میدان بنیں اور عورتوں کی طرح چھپ کر مقابلہ کی بجائے سامنے تشریف لائیں۔ ہاں! یہ ذہن نشین رہے کہ کسی ایرے غیرے سے بات نہیں ہوگی بلکہ آپ جناب جو بزعم خویش علمی میدان کے بڑے شہسوار بنے پھرتے ہیں سے بات ہوگی۔ باقی سب کچھ اس کہاوت کی طرح سمجھا جائے گا کہ ''شیر شاہ کی داڑھی بڑی یا سلیم شاہ کی؟'' سمجھ تو گئے ہوں گے؟

ثالثا: جناب کے بقول، یہ سوالات بیت العنکبوت میں بیٹھ کر داغے گئے تھے، اس کے باوجود یہ عالم ہے کہ ۱۲ سال میں تین نام نہاد محققین اور مناظرین نے ہمت کی لیکن انہیں بھی منہ کی کھانی پڑی۔ اب آپ جناب کے سر پر وہابی بھوت سوار ہوا ہے تو آیئے ہم آپ کو کھلم کھلا دعوتِ مبارزت دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتے چلیں کہ اگر بیت العنکبوت میں بیٹھ کر داغے جانے والے سُنّی میزائل اتنے تکلیف دہ اور تباہ کن ثابت ہوئے ہیں تو جب بیت السلاح سے داغے جائیں گے تو لامذہبیت ونجدیت کا کیا حال ہوگا۔

رابعًا: ہم ان کے علاوہ بھی ہر سوال کا جواب دینے کے لئے چشم براہ ہیں لیکن پہلے ہمارے

سوالوں کے جوابات تو دیں۔ کسی اعتراض کا صحیح جواب تو بن سکا نہیں اور آگے سے سوال کرنے بیٹھ گئے۔ خیر ہم پھر بھی تیار ہیں لیکن جناب پہلے یہ تو تسلیم کرلیں اور اپنے رسالہ میں شائع کردیں کہ اُن شرائط کے مطابق، جو جناب ہی کے بڑوں کے قائم کردہ اصول ہیں، ہم ان سوالوں کے جوابات نہیں دے سکتے، لہذا ہمارے سوالوں کے جوابات دیئے جائیں۔

خامسًا: آگے جناب علیزئی نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ایک تہمت وافتراء لگاتے ہوئے لکھا کہ اس کا جواب دیں، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد انہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میرے باقی سوالات تو فضول ہیں صرف یہ ایک سوال ہے جو شاید ان کے لئے بہت بھاری ہے اور اس کا جواب نہیں بن پڑے گا۔

علیزئی صاحب نے لکھا ہے کہ: ''احمد رضا خان بریلوی نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا، جس کا باحوالہ ذکر اہل حدیث سوال نمبر ۸ میں موجود ہے اس کا جواب دیں اور اپنے نومولود رضا خانی فرقے کے امام کو کذب وافتراء کی جرح سے بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ اگر زندہ ہیں تو جواب دیں! (۱رشوال ۱۴۳۱ھ، ۱۱ر ستمبر ۲۰۱۰ء)

اوّلًا: ﴿ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ﴾ اے کذاب ومفتری! کیا علیزئی صاحب جناب جانتے نہیں کہ کسی انسان پر تہمت لگانا کتنا بڑا جرم ہے؟۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو اللہ رب العزت پر کوئی جھوٹ بولا ہے اور نہ ہی ان کا یہ بیان کرنا ذاتی ہے، بلکہ آپ نے تو جمادات ونباتات میں اطاعت ومعصیت کے مادہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جمادات ونباتات میں بھی معصیت کا مادہ پایا جاتا ہے، اور اس پر آپ نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے جو کہ نہ تو جھوٹ ہے اور نہ ہی آپ کا ذاتی بیان، جیسا کہ آگے اس کے بارے میں ذکر ہوگا، ان شاء اللہ العزیز۔

ثــانیــا : اگراس بات کا جواب کُتُبِ تفاسیر واحادیث اور کتبِ اسلاف سے مل جائے تو پھراعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر تیرا افتراء ثابت ہو جائے گا، اسی لئے میں نے تیرے بارے میں کذاب ومفتری کے الفاظ استعمال کئے ہیں کیوں کہ وہ بات جس کو تو اللہ عزوجل پر جھوٹ بولنے سے تعبیر کررہا ہے وہ احادیثِ مبارکہ میں ثابت ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے، ان شاء اللہ العزیز۔

ثــالثًا : الحمد للّٰه ! ہم اہل سنت وہ ہیں جن کے بارے میں تیرے بڑے بھی لکھ گئے ہیں کہ جو جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں موجود تھی، اور جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت تھی، وہ اہل سنت ہی تھی۔

جیسا کہ تمہارے ہی بڑے ''صادق سیالکوٹی'' نے لکھا کہ: "ان الناس كانوا في حياة النبي صلى الله عليه وسلم أهل السنة"۔ (كنز العمّال برحاشيه مسند أحمد)

''بے شک لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اہل سنت تھے''۔ (سبیل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۶۸)

رابعًا : نومولود کون ہیں؟ اس کے متعلق بھی جناب اپنے ہی بڑے کی زبانی سن لیں۔

آپ ہی کا بڑا عبدالمجید سوہدروی، محمد حسین بٹالوی کا تذکرہ کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھتا ہے کہ:

''آپ کا وطن بٹالہ تھا۔ مگر قیام زیادہ تر لاہور ہی میں رہا پہلے بھاٹی گیٹ کی مسجد میں اقامت اختیار فرمائی، پھر چینیانوالی مسجد میں آگئے۔ لاہور میں آٹھ تراویح کی ترویج آپ ہی سے ہوئی۔ ''اشاعۃ السنۃ'' کے ذریعہ اہلحدیث کی بہت خدمت کی لفظ وہابی آپ ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔ (سیرت ثنائی حاشیہ صفحہ ۴۵۲۔۴۵۳)

محمد حسین بٹالوی ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء میں اپنی موت آپ مرا اور ۸۵ سال عمر پائی۔
اس طرح ۱۸۳۵ء اس کی تاریخ پیدائش ٹھہری اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بٹالوی نے پیدا ہوتے ہی کوششیں شروع کر دی تھیں کہ وہابیوں نجدیوں کو اہلِ حدیث کا نام الاٹ ہو جائے تب بھی تمہارے اہلحدیث بننے کی عمر زیادہ سے زیادہ پونے دوسو سال (۱۷۵) بنتی ہے۔
اب تو جناب علیزئی صاحب آپ کو علم ہو گیا ہو گا کہ نومولود فرقہ کون سا ہے؟۔
ہاں کُتبِ احادیث و سیر و تاریخ میں کہیں سے بھی نکال کر اہلِ حدیث کے لفظ کو جناب اپنے اُوپر فٹ مت کر لیا کرو کیونکہ جناب ہی کا بڑا مولوی، اسماعیل سلفی، لکھتا ہے کہ:
''وہابیوں نے بھی اہلحدیث کا مذہب ہندوستان ہی سے لیا ہے'' (الانطلاق الفکری ص ۱۱۸)
اس وقت ہم ان عبارات پر نہ تو تبصرہ کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی مزید وضاحت کرتے ہیں، اگر جناب کو اوور ڈوز کی ضرورت محسوس ہوئی تو پھر ان شاء اللہ پوری خوراک دے دیں گے۔
خامسًا: قارئین کرام! اب ملاحظہ ہو اس مفتری و کذاب کا وہ سوال جس کی اس نے بات کی ہے: ''اہل حدیث کا سوال نمبر ۸: نماز کے سوالات سے ہٹ کر عرض ہے کہ احمد رضا خاں نے کہا: ''غزوہ احزاب کا واقعہ ہے رب عزوجل نے مدد فرمانی چاہی اپنے حبیب کی شمالی ہوا کو حکم ہوا جا اور کافروں کو نیست و نابود کر دے۔ اس نے کہا'' **الحلائل لا يخرجن بالليل**'' بیبیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں **فأعقمها الله تعالى** تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بانجھ کر دیا اسی وجہ سے شمالی ہوا سے کبھی پانی نہیں برستا''
(ملفوظات حصہ ۴ ص ۴۱۹ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، ۳۸۔ اردو بازار لاہور)
ہوا کا اللہ کے حکم سے انکار کر دینا کون سی صحیح حدیث میں لکھا ہوا ہے؟ با حوالہ اور تصحیح سند جواب دیں اور یہ مسئلہ بھی سمجھا دیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہوا کو حکم دے تو ہوا اس پر عمل کرنے سے

انکار کر دیتی ہے۔ کن فیکون کا کیا مطلب ہے؟۔

الجواب : جناب کے امام محمد بن علی بن محمد شوکانی اپنی تفسیر ''فتح القدیر'' میں ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم کی الکنی، ابوالشیخ، ابن مردویہ اور ابونعیم کی دلائل النبوۃ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

عن ابن عباس قال :لما كان ليلة الأحزاب جاء ت الشمال الى الجنوب ، فقالت :انطلقي فانصري الله ورسوله ، فقالت الجنوب :ان الحرة لا تسري بالليل ، فغضب الله عليها وجعلها عقيما ، فأرسل عليهم الصبا ، فأطفأت نيرانهم وقطعت أطنابهم فقال رسول الله ﷺ :نصرت بالصبا و أهلكت عاد بالدبور ، فذلك قوله ﴿فأرسلنا عليهم ريحا وجنودا لم تروها﴾۔ (فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير ٢/٤٠٤)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، فرمایا کہ جب غزوۂ احزاب کی رات آئی تو (ہوا) شمال کی طرف سے جنوب کی طرف چلی، پس فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کے لئے چل، تو جنوب کی (ہوا) نے کہا: گرمی رات کو نہیں چلتی، پس اللہ عزوجل اس پر ناراض ہوا اور اس کو بانجھ بنا دیا۔ پھر ان پر صبا کو بھیجا تو اس نے ان کی آگ کو بجھا دیا اور ان کے خیموں کی رسیوں کو توڑ دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری صبا سے مدد کی گئی ہے، عاد کو دبور سے ہلاک کیا گیا، یہ ارشادِ خُداوندی ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اسی بارے میں ہے۔

کیا جناب کے یہ امام اللہ عزوجل پر جھوٹ باندھنے والے ہیں؟۔

کیا جن کے حوالہ سے شوکانی صاحب نے بیان کیا وہ تمام بھی اللہ عزوجل پر جھوٹ باندھنے

والے ہیں ؟۔ کیا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اللہ عزوجل پر جھوٹ باندھنے والے ہیں؟ معاذ اللّٰہ من ذلك۔

ہوسکتا ہے کہ آپ جناب اپنی عادت کے مطابق اپنے اس امام کو بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا لکھ دیں لیکن یاد رکھنا کہ ایک یہی نہیں بلکہ ساتھ ابن کثیر بھی شامل ہیں کیونکہ انہوں نے بھی پہلے ابن جریر کے حوالہ سے اسے عکرمہ سے بیان کیا، پھر کہا کہ ابن ابی حاتم نے ''ابی سعید الاشج، عن حفص بن غیاث، عن داود، عن عکرمہ عن ابن عباس'' بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۶/۳۸۵)

اسی طرح امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ والی روایت کو اپنی تفسیر '' معالم التنزیل ۶/۳۲۱۔۳۲۲ ''پر۔ امام دینوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''المجالسة وجواهر العلم ۱۹۹(۱۱٤٠)'' میں۔

اسی طرح عکرمہ کی روایت کو ابن عادل حنبلی نے اپنی تفسیر '' اللباب ''ابن جریر نے اپنی تفسیر ''جامع البيان '' اور ثعلبی نے اپنی تفسیر ''الكشف والبيان '' اور محمد شربینی الخطیب نے اپنی تفسیر ''السراج المنير ''اور خازن نے اپنی تفسیر '' لباب التأويل '' میں سورت احزاب کی تفسیر میں اس روایت کو بیان اور نقل کیا ہے۔

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے '' الدر المنثور ٦/٥٧٣'' میں اور ''الخصائص الكبرى ١/٣٨٠ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

اور دوسرے کئی علماء مثل (مدارج النبوت ۲/۳/۱۷) شاہ عبد الحق محدث دہلوی وغیرہ نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی شرح ''فتح الباری'' میں لکھا ہے

کہ:

”وروى ابن مردويه في التفسير من طريق أخرى عن ابن عباس أيضا :قالت الصبا للشمال :اذهبي بنا ننصر رسول الله ﷺ فقالت :ان الحرائر لا تهب بالليل، فغضب الله عليها فجعلها عقيما۔

(فتح البارى ، كتاب المغازى ٢/١٨١٧،وفي نسخة ٧/٤٠٢)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس روایت کو امام بزار نے اپنی مسند میں ایسی سند کے ساتھ، جس کے تمام راوی ثقہ ہیں، روایت کیا ہے۔

ملاحظہ ہو سند مع متن حدیث:

حدثنا عبد الله بن سعيد ،قال:حدثنا حفص بن غياث عن داود ، عن عكرمة ، عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما ،قال :أتت الصبا الشمال فقالت:مري حتى ننصر رسول الله ﷺ فقالت الشمال :ان الحرة لا تسري بالليل فكانت الريح التي نصر بها رسول الله ﷺ الصبا۔

(مسند البزار ٢/١٦٢(٤٧٢١)

اس روایت کے پہلے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی بھی ہیں۔

دوسرے راوی: حضرت ابوعبداللہ، عکرمہ مولیٰ ابن عباس ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

” ثقة ثبت عالم بالتفسير ، لم يثبت تكذيبه عن ابن عمر ،ولا تثبت عنه بدعة ، من الثالثة “۔(تقريب التهذيب ٤٣٧(٤٦٧٣)

تیسرے راوی: ابوبکراوابومحمد، داود بن ابی ھندالقشیر ی ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"ثقة متقن كان يهم بأخرة"۔(تقریب التهذیب ۱۸۷(۱۸۱۷)

چوتھے روای: ابو عمر، حفص بن غیاث بن طلق ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"ثقة فقيه تغير حفظه قليلا في الآخرة"۔ (تقریب التهذیب ۱۵۷(۱٤۳۰)

پانچویں راوی: ابوسعید، عبداللہ بن سعید بن حصین ہیں، جن کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: "ثقة"۔ (تقریب التهذیب ۳۲۰(۳۳۵٤)

چھٹے راوی: صاحبِ مسند امام بزار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

جبکہ امام ابوالشیخ کی "العظمة ٤/١٣٤٦" میں ان کے متابع امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم ،عمر بن عبداللہ اور امام ابن الجارود ہیں جبکہ امام ابن ابی الدنیا نے بھی عبداللہ بن سعید سے "المطر والرعد والبرق ١٣٩ (١٣٤)" میں اس کو روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن سعید سے "كتاب الفتن، باب: خروج النار" میں روایت لی ہے، اور حفص بن غیاث سے تقریباً ۸۵ روایات لی ہیں ،جبکہ امام مسلم نے عبداللہ بن سعید عن حفص بن غیاث کی سند سے اپنی صحیح میں "كتاب المساجد ومواضع الصلاة ،باب: من أحق بالامامة "ص ٣١٥(١٥٣٧)" وغیرہ مقامات پر روایات لی ہیں، اور داود بن ابی ہند سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تقریباً پانچ (۵) روایات، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں تقریباً چونتیس (۳۴) روایات بیان کی ہیں، جبکہ عکرمہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تقریباً دوسوبیس (۲۲۰) اور

امام مسلم نے اپنی صحیح میں دو (۲) روایات کا اخراج کیا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے تقریبا چھ سو بیس (۶۲۰) اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں تقریبا دو سو چھتیس (۲۳۶) روایات لی ہیں۔

اسی لئے امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ " مجمع الزوائد "میں اس روایت کوامام بزار کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:"رواه البزار ورجاله رجال الصحيح "۔

(مجمع الزوائد، باب نصره بالريح والرعب، ٦/١٢٨(١٠١٥٨) وفي نسخة: ٦/٣٤(٩٩٣٦)

اورمحمد بن يوسف الصالحي الشامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب " سبل الهدى والرشاد ٤/٣٧٦، و ١٠/٣١٦ '' میں فرماتے ہیں کہ:" وروى ابن أبي حاتم و أبو نعيم والبزار برجال الصحيح عن ابن عباس "اوردوسرے مقام پر "روى البزار برجال الصحيح "۔

یہی لا مذہب علیزئی کئی مقامات پر کسی راوی کی توثیق ثابت کرنے کے لئے امام ترمذی ،نسائی اور ابن خزیمہ وغیرہما کی جامع ،سنن یا صحیح میں بغیر کسی جرح کے بیان ہونے والی روایات کے راویوں کواُن کے نزدیک ثقہ تسلیم کرتا اور لکھتا ہے۔

پس آیئے اس لحاظ سے اس روایت کے بارے میں کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

عن داود بن أبي هند عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما کی سند:

امام ترمذي رحمۃ اللہ علیہ اپنی "الجامع "میں "كتاب التفسير ،سورة بني اسرائيل " صفحه ٨٧٠ (٣١٥٢) "میں اس سند سے ایک روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه "۔

اوراسی طرح "سورة العلق ﴿ اقرأ باسم ربك الذي خلق ﴾ ص ٩٣١ (٣٣٦٠) "

کی تفسیر میں اسی سند سے ایک روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:"هذا حديث حسن غريب صحيح"۔

اورعبداللہ بن سعید عن حفص بن غیاث کی سند سے اپنی "الجامع" میں "كتاب الطهارة ٦٧ (١٤٦)" میں ایک روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ: "هذا حديث حسن صحيح"، اور "كتاب الأحكام ٤١٩ (١٣٦٦)" میں ایک روایت کے بارے میں کہا کہ :"حديث البراء حديث حسن غريب"،اور "كتاب الأضاحي ٤٦٢(١٥٠٠)" میں کہا کہ :"هذا حديث حسن صحيح غريب" یونہی کہیں تحسین اور کہیں تصحیح فرمائی ہے۔

اسی طرح امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے اپنی "صحيح" میں اسی سند سے ایک روایت "باب :اباحة الزيادة على التلبية في الموقف بعرفة بأن الخير خير الآخرة ،ج٢ ص١٣٣٥(٢٨٣١)" میں روایت کی ہے۔

اورعبداللہ بن سعید عن حفص بن غیاث کی سند سے اپنی "صحيح" میں "باب: الزجر عن لبس الأقبية في الاحرام ،ج٢ ص ١٢٣٥(٢٥٩٨)"،اور "باب : اباحة الوقوف حيث شاء الحاج من المزدلفة اذ جميع المزدلفة موقف ،ج٢ ص ١٣٤٦(٢٨٥٨)"، اور "باب : الرخصة في النحر والذبح أين شاء المرء من منى ،ج ٢ص١٣٥٩(٢٨٩٠)" وغیرہم مقامات پر روایات لی ہیں۔

یونہی امام ابن حبان اپنی" صحيح" میں "كتاب الطهارة ،ج٣ص ٤١١ (١١٢٩)، وكتاب النكاح ،ج٩ ص ٤٣٧(٤١٢٩) وغیرہما مقامات پر روایات لائے ہیں۔اور دوسرے کئی مقامات پر عبداللہ بن سعید اور حفص بن غیاث کی روایات بیان کی ہیں۔

لہذا ثابت ہوا کہ علیزئی کے اصول کے مطابق اس روایت کے تمام راوی امام ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہیں اور ان کی یہ روایت صحیح ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المستدرك على الصحيحين" میں ایک روایت مندرجہ ذیل سند کے ساتھ بیان کی: "حفص بن غياث عن داود بن أبي هند، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما۔۔۔الخ ۔ اور فرمایا کہ: "هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه"۔ (مستدرك ٤٨٢/٢ (٢٦٧٥)

اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "تلخيص" میں لکھا کہ "صحيح"۔

پس امام حاکم اور ذہبی کے نزدیک حفص بن غیاث سے لے کر حضرت ابن عباس تک ساری سند صحیح ہے، اور امام حاکم نے عبداللہ بن سعید کی بھی کئی روایات کی تصحیح فرمائی ہے۔

حفص بن غیاث کا آخری عمر میں تھوڑے اختلاط کا شکار ہو جانا، یہ بھی اس روایت میں نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ اسی لا مذہب علیزئی نے سماک بن حرب کے اختلاط کی بحث میں لکھا ہے کہ:

"ابن الصلاح الشہر زوری نے کہا:

"واعلم أن من كان من هذا القبيل محتجا بروايته في الصحيحين أو أحدهما فانا نعرف على الجملة أن ذلك مما تميز وكان ماخوذا عنه قبل الاختلاط والله أعلم" (علوم الحديث مع التقييد والايضاح ص ٤٦٦ نوع ٦٢)

یعنی مختلطین کی صحیحین میں بطور حجت روایات کا مطلب یہ ہے کہ وہ اختلاط سے پہلے کی ہیں، یہ قول دوسرے قرائن کی روشنی میں بالکل صحیح ہے۔ (مقالات ج ۱ ص ۴۳۵)

لہٰذا حفص بن غیاث کا آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو جانا بھی اس روایت کے لئے اسی لا

مذہب علیزئی کے بیان کردہ قانون کے تحت مُضر نہیں۔

جبکہ امام ابوالشیخ اپنی کتاب " العظمة "میں مندرجہ ذیل سند ومتن کے ساتھ بھی اسے روایت کرتے ہیں:

" حدثنا عبد الرحمن بن الحسن حدثنا يحيى بن ورد حدثنا أبي حدثنا عدي بن الفضل عن داود عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال :لما كانت ليلة الأحزاب جا ء ت الشمال الى الجنوب فقالت :انطلقي فانصري الله ورسوله فقالت الجنوب :الحرة لا تسري بالليل، فأرسل الله الصبا ، فأطفأت نيرانهم وقطعت أطنابهم فقال رسول الله ﷺ نصرت بالصبا ، وأهلكت عاد بالدبور ۔ (العظمة ٤/١٣٤٨(٨٦٦٧٠)

اس روایت کی سند کے تمام راویوں کی توثیق کی گئی ہے،سوائے عدی بن فضل کے،اس کو امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن اکثریت نے اس کی تضعیف کی ہے۔

اور اس روایت کی شاہد وہ مرسل روایت بھی ہے،جس کو دوسرے محدثین کے علاوہ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت عکرمہ سے مندرجہ ذیل سند ومتن کے ساتھ روایت کیا ہے:

"حدثنا محمد بن المثنىٰ ،قال :عبد الأعلى ،قال ثنا داود عن عكرمة قال: قالت الجنوب للشمال ليلة الأحزاب :انطلقي ننصر رسول الله ﷺ ، فقالت الشمال ، ان الحرة لا تسري بالليل ، قال :فكانت الريح التي أرسلت عليهم الصبا"۔ (أخرجه الطبري في تفسيره ١٠/٢٦٣(٢٨٣٥٩)

پہلے راوی: امام ابن جریر طبری جو کہ مشہور ومعروف محدث ومفسر ہیں۔

دوسرے راوی: محمد بن مثنیٰ بن عبید بن دینار، جن کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ

علیہ لکھتے ہیں کہ :"ثقة ثبت "۔ (تقریب ٥٦٢)

تیسرے راوی: عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلی، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :"ثقہ" (تقریب ٣٥١)

پھران کے متابع بھی موجود ہیں جیسا کہ "المجالسة وجواهر العلم ٣/٥٢٤" اور "الأسامي والكنى ٣/٨٨" اور" علل الترمذي الكبير ٢/٤٣٨" وغیرہم میں بشر بن مفضل ہے، اوراس سے روایت کرنے والے دوسرے لوگ بھی ہیں۔

اور داود عن عکرمہ کے متعلق پیچھے ذکر ہو چکا۔

اسی طرح اس روایت کو امام ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب "المطر والرعد والبرق(١٣٢)" میں روایت کیا ہے جو کہ:"عن قتادة أو داود بن أبي هند موقوف" ہے۔

اب ہم کذاب ومفتری علیزئی اوراس کے وہ ہمنوا جنہوں نے اس سے قبل اس بات کی وجہ سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کئے ہیں اُن سے پوچھتے ہیں کہ:

کیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما جنہوں نے اس کو بیان کیا اور وہ تمام تابعین اور تبع تابعین جنہوں نے بیان کیا، اور وہ تمام آئمہ اسلام جنہوں نے اس بات کو روایت یا نقل کیا تمہارے نزدیک کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ کیا وہ اللہ رب العزت پر جھوٹ گھڑنے والے کذاب ہیں؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

قسم بخدا! وہ لوگ نہ تو اللہ عزوجل پر جھوٹ بولنے والے اور نہ ہی کذاب ہیں، بلکہ ان پراس وجہ سے اعتراضات کرنے والے تم لوگ تعلیماتِ اسلامیہ سے جاہل ہو۔ تمہیں چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنی جہالت پر ماتم کرتے لیکن نہ جانے تم لوگ عوام الناس کے

سامنے اپنے آپ کو عالم منوانے کے لئے کیوں اہلِ اسلام اور بزرگانِ دین پر تہمت وافتراء باندھ کر اپنی عاقبت کو خراب کرنے کے در پے ہو گئے ہو، جس کی وجہ سے تمہارا انجام تو جو ہوگا سو ہوگا ہی لیکن نہ جانے تم لوگ کتنے سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانے کا بھی ذریعہ بن رہے ہو ،مگر یاد رکھنا کہ ان کا وبال روزِ قیامت تمہارے سروں پر ہوگا۔

اے الزام تراشو! ہوش کے ناخن لو، اور ذہن میں رکھو کہ اللہ تعالی کا فرمانِ عالی شان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّلَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب :٥٧-٥٨]

جس کو صادق ومصدّق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کی "کتاب الرقاق" میں روایت فرمایا ہے کہ:

" ان اللّٰه قال من عادى لي وليا فقد أذنته بالحرب ---الخ -

(صحيح البخاري جزء٨ ص١٠٥ (٦٥٠٢)

ناعاقبت اندیشو! سوچو اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی مول لے کر کس کو اپنا ولی ومددگار بناؤ گے؟۔

کیوں جناب! اب تو کن فیکون کی سمجھ آ گئی یا ابھی بھی جناب مہمل ومختل کلام سے اوراق کو سیاہ کرنے کی سعی لاحاصل کریں گے؟۔

اگر جناب مخموریت میں قلم کو حرکت دیں تو ہمیں ان شاء اللہ العزیز اپنی طبع آزمائی کے لئے تیار پائیں گے۔

محمد ارشد مسعود 2010/12/09

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین۔

امابعد:

آج سے تقریباً بارہ (۱۲) سال قبل اہل سنت وجماعت کی طرف سے مناظرِ اسلام حضرت علامہ مولانا محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی نے غیر مقلدین پر بارہ (۱۲) سوال قائم کیے جن کی تشہیر تقریراً وتحریراً اور بذریعہ اشتہارات اور انٹرنیٹ پر بھی خوب کی گئی۔ آج بھی کئی ویب سائٹس اور (you tube) پر ہمارے سوالات موجود ہیں۔

پہلے گوجرنوالہ کے ایک لا مذہب فاروق صارم نے ان کے جوابات دینے کی ناکام کوشش کی، جس کا جواب ''ڈھول کا پول'' نامی رسالہ میں دے دیا گیا۔

اس کے بعد انہی سوالات پر پروفیسر طالب ۔۔۔ آف راولپنڈی، ایک لا مذہب وجاہل مناظر، سے انٹرنیٹ پر بعض دوستوں نے مناظرے کا اہتمام کیا، جس میں پہلے چار سوالوں پر گفتگو ہوئی تو اس نے تسلیم کیا کہ ان مسائل میں ہمارے پاس مذکورہ شرائط کے مطابق دلائل نہیں ہیں۔

بقیہ سوالات کے جوابات دینے کے لئے آئندہ مناظرے کا وقت متعین کرنے اور وعدہ کر لینے کے باوجود اس نے نہ آنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ یہ مناظرہ اب بھی مختلف ویب سائٹس پر موجود ہے۔

اب کافی عرصہ بعد ان سوالات کا جواب (مشہور لا مذہب) زبیر علیزئی کی طرف سے آیا ہے۔ یہ جوابات پڑھ کر افسوس ہوا کہ جو شخص محدثین پر اعتراضات کرتے ہوئے، ان کے

اقوال کو باطل ومردود کہتے ہوئے اور فقہاءِ امت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے نہ تھکتا ہو، اس کا اپنا مبلغ علم یہ ہے۔

سب سے پہلے یہ عرض کرتے چلیں کہ لامذہبوں (غیر مقلدین) کا یہ نام نہاد محقق ومحدث ایسا پیدا ہوا ہے کہ اس نے لا مذہبوں کے بنائے ہوئے اُصولوں کی ہی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔

ان لامذہبوں (وہابیوں) کے بڑے تو خود کہتے اور لکھتے رہے کہ:

''بحمد للہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلد، وہابی، لامذہب) صرف انہیں دو چیزوں پر عامل اور قائم ہے نہ تیسری چیز کی ضرورت دین میں تھی نہ انہیں محسوس ہوئی، نہ انہوں نے تیسری ہستی ٹٹولی''۔ (توحید محمدی ۹۱، مکتبہ محمدی R-7/ چیچہ وطنی، ساہیوال)

اور یہی جونا گڑھی ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ:

''۔۔۔ایک مٹھی میں قرآن لو دوسری میں حدیث لو جب تیسرا ہاتھ پیدا ہو تب تیسری چیز بھی پیدا کر لینا اب تو قرآن حدیث بس ہے باقی سب ہوس ہے۔۔۔''۔ (شمع محمدی ۲۷، مکتبہ محمدی R-7/ چیچہ وطنی، ساہیوال)

اور یہی جونا گڑھی اسی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

''ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ جو قرآن حدیث میں جس طرح ہے وہی اسی طرح اسلام ہے جو اس میں نہیں وہ اسلام میں نہیں''۔ (شمع محمدی ۱۴۰، مکتبہ محمدی R-7/ چیچہ وطنی، ساہیوال)

سنو اور غور سے سنو! یہی تمہارا بڑا جونا گڑھی لکھتا ہے کہ:

''سنئے جناب! بزرگوں کی، مجتہدوں اور اماموں کی رائے قیاس اجتہاد واستنباط اور ان کے اقوال تو کہاں؟ شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے بغیر وحی

کے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں" (طریق محمدی ص ۵۷، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)
یہی جونا گڑھی اسی کتاب میں لکھتا ہے کہ:
"تعجب ہے کہ جس دین میں نبی کی رائے حجت نہ ہو اس دین والے آج ایک امتی کی رائے کو دلیل سمجھنے لگے"۔ (طریق محمدی ص ۵۹، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)
اسی جونا گڑھی نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ:
"جب اللہ کے پیغمبر کو یہ اجازت نہ تھی کہ اللہ کے دین میں اپنی طرف سے کچھ کہہ دیں پھر اماموں اور مجتہدوں کو یہ منصب اور یہ رتبہ کیسے مل گیا؟۔
(طریق محمدی ص ۶۱، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال))

اور مناظرہ حافظ آباد (فاتحہ خلف الامام) میں تو لا مذہبوں کے مشہور مناظرین عبد الرشید ارشد، یحییٰ گوندلوی وغیرہما نے تحریراً یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہمارے نزدیک اجتہاد، قیاس حجت شرعیہ نہیں ہے۔ یہ دعوی آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہے اور ویڈیو کیسٹ میں بھی پڑھ کر سنا دیا گیا تھا۔

مگر یہ لا مذہب وقت پڑنے پر اجماع، اجتہاد اور قیاس کو بھی دلیل تسلیم کرتا ہے۔
وہابیو! دیکھنا کہیں یہ تم میں "آدھا تیتر آدھا بٹیر" تو پیدا نہیں ہو گیا؟۔
اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا کوئی مذہب نہیں ہے، ان کے بڑے کچھ کہتے اور لکھتے رہے، یہ آج کچھ اور کہہ اور لکھ رہے ہیں۔ مگر یہ بات قابل افسوس نہیں، کیوں کہ یہ وہ گروہ ہے جو شہر بدلنے سے اپنا مسلک بدل لیتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو ملک بدلنے سے، زمانہ بدلنے سے، حکومت بدلنے سے نظریات تبدیل کر لیتے ہیں۔
مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:

مولوی عبداللہ خانپوری نے ایک کتاب ''تذکرہ علمائے خانپور'' لکھی جس میں اس نے اپنے لا مذہب مولویوں کے تذکرے لکھے ہیں، اس میں وہ قاضی عبدالاحد بن قاضی محمد حسن م ۱۹۲۸ء کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ:

(قاضی عبدالاحد) ''شہر کی مختلف مساجد میں نماز کے لئے جاتے اور جو کچھ وہاں دیکھتے وہاں کے امام سے چند سوالات کر کے اسے راہ پر لے آتے، اس غرض کے لئے مساجد احناف میں وہ آمین بالجہر اور رفع الیدین بھی نہ کرتے تھے''۔

(تذکرہ علمائے خانپور ۳۸، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور)

آمدم بر سر مطلب:

ہمارا سوال نمبر ﴿۱﴾

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ وتر میں بعد از رکوع عام دُعا کی طرح ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے؟

جواب علیزئی لا مذہب:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے (۷۰) صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جب شہید ہو گئے تو آپ نے ایک مہینہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا تھا جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (کتاب المغازی باب ۲۹ ح ۴۰۹۰)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **فقد رأيت رسول الله ﷺ كلما صلى الغداة رفع يديه يدعو عليهم** '' پس یقیناً میں نے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے، دونوں ہاتھ اٹھاتے، ان (کافروں) پر (ہلاکت وتباہی) کی دعا فرماتے۔

(صحیح ابی عوانہ ج ۵ ص ۱۴۱، دوسرا نسخہ ج ۴ ص ۲۷ ح ۵۹۱۳ وسندہ صحیح)

اس حدیث سے قنوت میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا ثابت ہے لہذا جو اہل حدیث قنوت وتر میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، اس حدیث اور آثار کی بنا پر اٹھاتے ہیں۔

امام اہل سنت امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ دونوں قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کے قائل تھے۔

دیکھئے مسائل ابی داود (ص ٦٦) اور مسائل احمد واسحاق (روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج ۱/۲۱۱ ت ۴۶۵)

اقول:

سوال گندم جواب چنا، یعنی سوال ہے نمازِ وتر کا اور جواب ہے نمازِ فجر کا، سوال ہے دعائے قنوت کا اور جواب ہے قنوتِ نازلہ کا، ماشاء اللہ، کیا ہی محدثانہ تحقیق ہے؟

اولًا: سوال ہے ہمیشہ کا اور جواب ہے ایک مہینہ کا۔

کیا علیزئی صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہینہ کیا ہو اور اللہ عزوجل کے حکم سے اس کو ترک کر دیا ہو اُس پر ساری عمر عمل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے یا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت؟۔

ارشاد رب العالمین ہے:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾

[آل عمران :۱۲۸]

اس آیت مبارکہ کا شانِ نزول ملاحظہ فرمائیں:

امام بخاری اپنی صحیح اور امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں (امام مسلم کے الفاظ یہ ہیں)

"**كان رسول الله ﷺ يقول حين يفرغ من صلاة الفجر من القراء ة و**

يكبر و يرفع رأسه سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ثم يقول :و هو قائم اللّٰهم أنج الولیذ بن الولید و سلمة بن هشام و عیاش بن أبي ربیعة والمستضعفین من المؤمنین اللّٰهم اشدد وطأتك علی مضر واجعلها علیهم کسني یوسف اللّٰهم العن لحیان ورعلا وذکوان وعصیة عصت اللّٰه ورسوله ثم بلغنا أنه ترك ذلك لما أنزل ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ (أخرجه مسلم في الصحیح،في الصلاة، (٦٧٥) و البخاري في الصحیح ،في التفسیر(٤٢٨٤)وغیرهما)

علیزئی صاحب! اپنے گروہ کو یہ بھی بتادینا تھا کہ یہ جو ہمارا کام ہے اور جس پر ہم لامذہب کار بند ہیں یہ اللہ تعالی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے کرنے سے منع کردیا تھا۔

لیکن یہ جناب نہیں بتائیں گے کیونکہ اس سے جناب کے حواری جناب سے ناراض ہوکر آج سے پہلے ساری زندگی میں جو کیا ہے اس کا سوال کریں گے، جس کی وجہ سے جناب کو ندامت اُٹھانا پڑے گی، لیکن علیزئی صاحب ہمارا آپ کو مشورہ ہے کہ اس فانی دنیا کی چندروزہ زندگی کو اُخروی دائمی زندگی پر ترجیح مت دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو لیک ماہ ایک عمل کریں اور اللہ تبارک وتعالی کے حکم کے تحت اس کو ہمیشہ کے لئے ترک کردیں اور جناب اپنے حواریون کو ساری زندگی کرنے کے دلائل فراہم کریں ، کیا یہی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے؟

یہ فعل ترک کرنا حکم ربانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، جس پر الحمدللہ اہل سنت وجماعت کاربند ہیں۔

جناب نے لکھا ہے کہ: "عباس رضوی نامی ایک بریلوی نے اہل حدیث (اہل سنت) سے

بارہ سوالات کئے ہیں"

جناب من! ویسے جناب کا یہ لکھنا عجیب سا لگا ہے۔

جیسا کہ آپ اس نام اور شخصیت سے بالکل ہی ناواقف ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے جناب کی یاد دہانی کے لئے عرض ہے کہ سر زمین گوجرانوالہ میں جناب اپنی جماعت کے مناظر طالب ۔۔۔شاہ کے ساتھ جب اپنی تحقیق ظاہر کرنے تشریف لائے تھے تو یہی شخصیت تھی جس نے جناب کو کہا تھا کہ پیچھے سے مشورہ دینے کی بجائے خود مناظر بن کر سامنے آیئے، مگر اس وقت جناب کو کیا ہوا تھا؟ شاید جناب کو سانپ سونگ گیا تھا۔ ویسے حاضرین تو جناب کے چہرے کی رنگت کے بدل جانے سے ہی جان گئے تھے۔ یہ وہی شخصیت تھی جن کے سوالوں کے جوابات نہ بن پڑنے پر جنابِ من اور جناب کی جماعت کے مناظر مع معاونین، اس شخصیت کے نماز پڑھنے کے دوران۔۔۔ دُم دبا کر بھاگ گئے تھے۔

اگر یادداشت ساتھ نہ دے تو آج بھی مناظرۂ وسیلہ کے کیسٹ منگوا کر یادداشت کو تازہ کر لیجئے۔

ویسے آپ کے بڑے تو اپنے آپ کو وہابی، اہلحدیث ہی لکھتے رہے اور اپنے مدمقابل احناف کو اہل سنت لیکن آج کل یہ آپ کے لامذہب گروہ پر کیا بھوت سوار ہوا ہے کہ اپنے آپ کو اہل سنت میں شامل کرنے کے لئے کبھی "اصلی اہل سنت" اور کبھی "اہل سنت" لکھنا شروع کر دیا ہے اور عمل یہ کہ جس کو بحکم ربانی رسول اللہ ﷺ نے ترک کیا اس پر دوام؟ فیا للعجب۔

ثانیا: اب آیئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی طرف، اس روایت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں کئی ایک مقامات پر بیان فرمایا ہے، کہیں مختصر اور کہیں

تفصیلا۔

حضرت قتادہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ:

" قنت رسول الله ﷺ شهرا بعد الركوع يدعوا على أحياء من العرب "

(صحيح البخارى، كتاب المغازي)

مذکورہ بالا حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی بیان کردہ حدیث مبارکہ میں بعد از رکوع قنوت پڑھنے کا ذکر ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی موجود ہے کہ " قنت رسول الله ﷺ شهرا بعد الركوع" یعنی رکوع کے بعد جو قنوت (نازلہ) پڑھی گئی وہ ایک ماہ تھی۔

اب صحیح بخاری میں ہی حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی بیان کردہ مفصل روایت کو ملاحظہ فرمائیں حضرت عاصم فرماتے ہیں:

" سألت أنس بن مالك عن القنوت فقال :قد كان القنوت،قلت :قبل الركوع أو بعده ؟ قال:قبله ،قال :فان فلانا أخبرني عنك قلت بعد الركوع فقال : كُذب انما قنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شهرا أراه كان بعَث قوما يقال لهم القراء زهاء سبعين رجلا الى قوم من المشركين دون أولئك و كان بينهم و بين رسول الله ﷺ عهد فقنت رسول الله ﷺ شهرا يدعوا عليهم ۔ (أخرجه البخاري في الصحيح ، في الوتر،ح١٠٠٢)

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ ایک ماہ کے علاوہ بعد از رکوع دعائے قنوت کو جو حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے بیان کرتا ہے وہ بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ کذاب ہے۔

ایک ماہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد از رکوع قنوتِ نازلہ پڑھنا ثابت، لیکن ساتھ ہی اس کا منسوخ ہونا حکمِ ربانی اوراس کا ترک کردینا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

پس اب جوکوئی اس ایک ماہ کے بعد بھی، رکوع کے بعد وتروں میں قنوت پڑھنے کوسنت قرار دیتا ہے یاعمل کرتا ہےاس کے بارے میں کیاحکم ہے، یہ علیزئی بتائے؟۔

کیالامذہب اس عمل کوامت کے لئے سنت سمجھتے ہیں جورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کردیا؟۔

عبد الرؤف لا مذہب نے وتروں میں پڑھی جانے والی قنوت کے بارے میں مختلف روایات کے جوابات دینے کے بعد لکھا کہ: ''خلاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور صحابہ کے عمل سے قنوت قبل الرکوع ہی ثابت ہے''۔ (صلوۃ الرسول ۴۰۱)

اب واضح ہوگیا کہ ہمارا سوال کہ ''کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ وتر میں بعد از رکوع۔۔۔الخ'' ابھی تک علیزئی اور پوری لامذہبوں کی ذُرّیت کی گردنوں پر باقی ہے جس کووہ تاقیامِ قیامت اُتارنہیں سکیں گے،ان شاء اللّٰہ العزیز۔

ثالثًا: علیزئی صاحب کا یہ لکھنا کہ:

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**فقد رأیت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما صلی الغداۃ رفع یدیہ یدعو علیھم**'' پس یقیناً میں نے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے، دونوں ہاتھ اٹھاتے، ان (کافروں) پر (ہلاکت وتباہی) کی دعا فرماتے۔

(صحیح ابی عوانہ ج ۵ ص ۱۴۱، دوسرا نسخہ ج ۴ ص ۲۷ ح ۵۹۱۳ وسندہ صحیح)

جواس کے اپنے جواب کی ہی تکذیب کررہا ہے، اور یہ روایت نقل کر کے علیزئی نے ثابت کردیا کہ اس مسئلہ میں وہ بیچارہ لاجواب ہی نہیں بلکہ بے بس بھی ہے۔

علیزئی کی بیان کردہ روایت میں نمازِ وتر کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں صبح کی نماز کا

ذکر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لا مذہبوں کے اس محقق و ذہی ء زمان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس روایت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کب ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے تھے، جیسا کہ علیزئی کے ترجمہ سے ہی ظاہر ہے، اس میں نہ تو قبل از رکوع کا ذکر ہے اور نہ ہی بعد از رکوع کا۔

لہٰذا ہمارا سوال ہے کہ "۔۔۔ نماز وتر میں بعد از رکوع عام دُعا کی طرح ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی ہے یا آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے؟" ابھی تک اپنی جگہ قائم ہے جس کا علیزئی اور لا مذہبوں کے پاس کوئی جواب نہیں، ان شاء اللہ۔

رابعًا: علیزئی کا یہ لکھنا کہ "اس حدیث سے قنوت میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا ثابت ہے، لہذا جو اہل حدیث قنوت وتر میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، اس حدیث اور آثار کی بنا پر اٹھاتے ہیں"

سبحان اللہ ! علیزئی صاحب اور تمام لا مذہبوں کو مبارک ہو کہ ان کا عمل نہ تو کسی صحیح، صریح، مرفوع حدیث سے ثابت ہو سکا اور نہ ہی وہ اس کو ایڑی چھوٹی کا زور لگانے کے باوجود سنت ثابت کر سکے، بلکہ صرف اپنی لنگڑی لولی سوچ و عقل پر انحصار کر کے قنوت نازلہ جو کہ ایک ماہ پڑھی گئی تھی اس کو دلیل بنا کر قنوتِ وتر میں ہاتھ اُٹھانا ثابت کرنے لگے۔

انہی کے ایک لا مذہب نے لکھا کہ "ناظرین! وتر کی دعائے قنوت میں بھی صرف آداب دعا کی وجہ سے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں ورنہ حدیث میں اس کا کوئی ثبوت ذکر نہیں ہوا۔ لہذا دعا میں ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں شامل ہے ورنہ وتروں میں بھی نہ اٹھائے جائیں۔

(بشیر الرحمٰن سلفی، روح عبادت الدعا ص ۱۸)

ع   اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

بشیر الرحمٰن سلفی لا مذہب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ نمازِ وتر کی دعائے قنوت میں ہاتھ اُٹھانا

ثابت نہیں، لہذا ہمارا سوال ابھی تک قائم ودائم ہے، بلکہ انہی کے گھر کی تائید رکھتا ہے۔

خامسًا: علیزئی کا یہ لکھنا کہ ’’امام اہل سنت امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ دونوں قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کے قائل تھے۔ دیکھئے مسائل ابی داود (ص ۶۶) اور مسائل احمد و اسحاق (روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج ۱/ ۲۱۱ ت ۴۶۵)‘‘

سبحان اللہ !علیزئی صاحب! کیا یہ بات یعنی دونوں آئمہ کا فعل آپ کے نزدیک حجت ہے؟۔

جب کہ اس سے پہلے مذکورہ بالا سوال کے جواب میں نہ تو آپ کوئی صریح دلیل پیش کر سکے ہیں اور نہ ہی کر سکتے ہیں پھر ان دونوں آئمہ کے فعل کو کیا آپ نے حجت تسلیم کر لیا ہے، اگر کہیں کہ تائید کے طور پر تو تائید کے طور پر تب پیش کرتے جب پہلے کوئی صحیح، صریح دلیل قائم کرتے، جب کہ وہ تو آپ کر نہ سکے۔

پس ان دونوں اماموں کا فعل آپ کو فائدہ مند نہیں جب تک کوئی صریح، صحیح، مرفوع حدیث پیش نہیں کر سکتے، اور وہ جناب کر نہیں سکیں گے ان شاء اللہ العزیز۔

ہمارا سوال نمبر ﴿۲﴾

کیا نبی اکرم ﷺ نمازِ جنازہ کی تمام تکبیرات میں رفع الیدین کرنے کا حکم فرماتے یا آپ ﷺ نے خود نمازِ جنازہ کی تمام تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین فرمایا ہے؟۔

جواب علیزئی لا مذہب :

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: ’’**أن النبي ﷺ كان اذا صلى على جنازة رفع يديه في كل تكبيرة واذا انصرف سلم۔**‘‘

بے شک نبی ﷺ جب نماز جنازہ پڑھتے تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے اور جب

پھرتے تو سلام کہتے تھے۔ (العلل للدارقطني ج ۱۳ ص ۲۲ مسئلة :۲۹۰۸ وسندہ صحیح وزیادة الثقة مقبولة)
اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بھی) جنازے کی ہر تکبیر پر رفع یدین کرتے تھے۔ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۹۶ ح ۱۱۳۸۰، وسندہ صحیح)"

اقول:

جنابِ من، نہ صرف من بلکہ دومن! اتنی بھی بے انصافی اچھی نہیں ہوتی۔
اگر جناب نے امام دارقطنی کی علل سے ہی یہ روایت نقل کی ہے تو اس کا متن ذکر کرنے کے ساتھ جو امام دارقطنی کا اپنا فیصلہ تھا اس کو بھی ذکر کر دینا تھا، لیکن شاید وہ جناب کی طبیعت کے موافق نہیں تھا اور اس کو نقل کرنے سے جناب کا بھرم ٹوٹ جانا تھا اس لئے جناب نے اس کو ذکر نہ کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی، لیکن لیجئے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت ہم نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

"وسئل عن حديث نافع، عن ابن عمر :أن النبي ﷺ كان اذا صلى على جنازة ــــ الحديث ـ فقال :يرويه يحيى بن سعيد الأنصاري، واختلف عنه : رواه [عمر] بن شبة ، عن يزيد بن هارون ، عن يحيى بن سعيد ، عن نافع ، عن ابن عمر ، عن النبي ﷺ ـ وخالفه جماعة ، رووه عن يزيد بن هارون موقوفا ـ وكذالك رواه عبد الرحمن بن اليمان شيخ يروي عنه الأوزاعي ، و أبو شهاب الحناط ، وغيرهما عن نافع عن ابن عمر موقوفا ـ وهو الصواب ـ (العلل ۱۳/۲۱-۲۲)

جناب نے امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہضم کیا تو آخر کیوں؟
یہ روایت مرفوع، صحیح نہیں ہے بلکہ یہ موقوف ہے۔ موقوف تو جناب کے ہاں قابل حجت ہی

نہیں۔

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ہماری شرائط کے مطابق جناب سے کوئی جواب نہیں بن پڑا، پس ہمارا سوال ابھی تک علیزئی و دیگر لا مذہبوں پر اسی طرح برقرار ہے۔

ہمارا سوال نمبر ﴿۳﴾

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کس صحابی کی شہادت پر غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی تھی؟۔

جواب علیزئی لا مذہب :

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: " صلی رسول اللہ ﷺ علی قتلی أحد بعد ثماني سنين " الخ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر آٹھ سال کے بعد نماز جنازہ پڑھی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد ح ۴۰۴۲)

اس کا جواب صارم کے جواب الجواب سے ہی پیش ہے:

اقول: سبحان اللہ!

تحقیق ہو تو ایسی، بات ہو رہی ہے شہید کے غائبانہ نماز جنازہ کی اور دلیل دی جا رہی ہے مطلق نماز جنازہ کی۔

مجیبِ ثانی یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد شریف جا کر پڑھائی تھی، جب کہ مجیبِ اول اس کو غائبانہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ مدینہ شریف میں پڑھائی تھی۔

پھر اس حدیث کی تفہیم میں بھی کافی اختلاف ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" قال النووی المراد بالصلوة هنا الدعاء، وأما كونه مثل الذي على الميت فمعناه أنه دعا لهم بمثل الدعاء الذي كانت عادته أن يدعو به للموتى۔

(فتح الباری ۳/۱٦٤، وفي نسخة ۱٤۰۱)

امام نووی نے فرمایا کہ یہاں ''صلوۃ'' بمعنی دُعا ہے اور یہ کہنا کہ جیسے میت کے لئے صلوۃ پڑھتے ہیں، تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس طرح دُعا کی جس طرح مرنے والوں کے لئے دُعا کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی۔

امام ابوزرعہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ان المراد بها الدعاء وليس المراد بها صلوة الجنازة المعهودة، قال النووی: أي دعا لهم بدعاء صلاة الميت (طرح التثريب في شرح التقريب ۳/۲۹۵)

یہاں ''صلوۃ'' سے مراد دُعا ہے نہ کہ نمازِ جنازہ، اور امام نووی نے فرمایا کہ ان کے لئے میت والی دُعا مانگی۔

پس ثابت ہوا کہ لا مذہبوں، غیر مقلدوں کے پاس اس کی کوئی صحیح، صریح، مرفوع حدیث دلیل میں پیش کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ اگر ضعیف بھی ہوتی تو ضرور پیش کرتے۔

سوال نمبر ﴿۴﴾

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نمازِ جنازہ میں امام دُعائیں بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں؟۔

جواب علیزئی لا مذہب:

سیدنا عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ''سمعت النبي صلی اللہ علیہ وسلم وصلى على جنازة يقول: اللهم اغفر له وارحمه'' الخ۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنازے پر نماز پڑھتے ہوئے سنا آپ فرمارہے تھے: ((اللهم اغفر له وارحمه۔)) الخ۔ (صحیح مسلم ۸۵/۹٦۳، ترقیم دارالسلام: ۲۲۳۴)

جو دعا بلند آواز سے پڑھی جائے وہی سنی جاتی ہے، لہذا اس صحیح حدیث سے بلند آواز سے دعا پڑھنا ثابت ہوا۔

اس کا جواب بھی صارم کے جواب الجواب سے پیش کیا جاتا ہے لیکن علیزئی صاحب کی طبیعت کے مطابق کچھ اضافہ وتصرف کے ساتھ:

اقول:

نمازِ جنازہ سراً پڑھنا ہی سنت ہے، جہراً نہ آپ ﷺ نے پڑھا اور نہ ہی اس کا حکم فرمایا ہے، اور نہ ہی تا قیامت کوئی لا مذہب اس کو مذکورہ شرائط کے مطابق ثابت کر سکتا ہے۔

پس علیزئی کی مستدل روایت کو پڑھنے کے بعد میں یہی کہوں گا کہ "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کوئی صحیح، صریح، مرفوع دلیل مل نہیں سکی، پس علیزئی صاحب مذکورہ بالا روایت کا سہارا لے کر اپنے حواریوں وانصاریوں اور لیلیٰ نجد کے اسیروں کو خوش کرنے کے لئے اپنی سوچ بروئے کار لاتے ہوئے اور نجد تک دُور کی سوجھتے ہوئے لکھ مارا کہ "جو دعا بلند آواز سے پڑھی جائے وہی سنی جاتی ہے"۔

علیزئی صاحب! امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"واما الدعاء فیسر به بلا خلاف وحینئذ یتاول هذا الحدیث علی ان قوله حفظت من دعائه أي علمنیه بعد الصلوة فحفظته (شرح مسلم للنووی ۱/۳۱۱)

اور جنازہ میں دُعا بالاتفاق سراً پڑھی جائے گی پس اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ صحابی کا فرمانا کہ میں نے دُعا حفظ کر لی یعنی آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ کے بعد مجھ کو دُعا سکھلائی تو میں نے اس کو حفظ کر لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام نووی کے دَور تک کوئی قوم جنازہ میں دُعائیں بلند آواز سے پڑھنے

والی نہیں تھی، یہ بعد کے دَور کی پیداوار ہے۔

علیزئی صاحب! جناب کا ہی ایک بھائی، مولوی عبدالرؤف لکھتا ہے:

''مگر اس حدیث سے حجت لینا محل نظر ہے کیونکہ مسند احمد (۶/۲۳) میں عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ ہیں" ففهمت من صلوته عليه اللهم اغفرله ---" یعنی میں آپ کی نماز سے یہ کلمات سمجھا۔ بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھیمی آواز میں دعاء پڑھی ہوگی اور عوف بن مالک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہوں گے لہذا تو انہوں نے یہ دعاء سن لی۔ واللہ اعلم

نماز جنازہ کی دعاؤں کے بارے میں، جو دوسری روایات ہیں ان سے بھی دعاؤں کو جھرًا پڑھنے پر استدلال کیا جاتا ہے ان روایات سے بھی استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے جو عوف بن مالک سے استدلال کی نوعیت ہے -----۔ الحاصل: نماز جنازہ میں قرات سرا پڑھنی چاہیئے کیونکہ اس بارے میں نص موجود ہے۔ (صلاۃ الرسول ۴۸۳۔۴۸۴)

تو ثابت ہوا کہ جب سرے سے نمازِ جنازہ بلند آواز سے پڑھنی ہی سنت کے خلاف ہے تو آمین آمین والا مسئلہ خود بخود بدعت ٹھہرے گا۔

مولوی محمد عبدہ فیروز آبادی لامذہب نے لکھا ہے:

''جمہور علماء سری کے قائل ہیں امام شوکانی لکھتے ہیں:''و ذهب الجمهور الى انه لا يستحب الجهر في صلاة الجنازة"۔ (نيل الاوطار ٤/٦٦) اور حضرت ابن عباس والی حدیث کا جواب ظاہر ہے وہ خود فرما رہے ہیں: ''لم اقرأ أي جهرا الا لتعلموا أنه سنة"۔

اور پھر حضرت ابوامامہ بن سہل سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک

شخص نے بتایا نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ آہستہ پڑھی جائے۔ (احکام الجنائز ۱۸۷۔۱۸۸)

تنبیہ: حدیث کے الفاظ ''میں نے آپ سے یہ دعا یاد کر لی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ آنخضرت یہ ادعیہ باآواز بلند پڑھتے تھے، لیکن ملا علی قاری اس کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ اسرار بالدعا کی مندوبیت کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں جھرا (اگر ثابت ہو تب) پڑھنا محض تعلیم کے لئے تھا۔ (احکام الجنائز:۱۹۱)

حافظ محمد گوندلوی لامذہب نے لکھا:

''نماز جنازہ میں نمازی اپنی جگہ دعا کرے، صرف آمین کا کہیں ذکر نہیں ہے۔
(فتاوی علمائے حدیث ۵/۱۵۳)

ایک اور لامذہب جس کا تعلق ''الاعتصام'' والے لامذہبوں سے ہے، لکھتا ہے:

''نماز جنازہ کی دعاؤں پر مقتدیوں کے آمین کہنے کا ثبوت جہاں تک راقم کو معلوم ہے آنخضرت اور عہد صحابہ وتابعین میں نہیں ملتا بنابریں اس امر کو خلاف سنت کہا جائے گا۔
(فتاوی علمائے حدیث ۵/۱۹۱)

علیزئی کا لکھنا کہ:

''ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ قنوت (دعائے قنوت) پڑھتے تھے اور لوگ آپ کے پیچھے آمین کہتے تھے۔ (سنن ابی داود، الوتر باب القنوت فی الصلوة ح ١٤٤٣، و سنده حسن و صححه ابن خزیمه :٦١٨، والحاکم علی شرط البخاری ١/٢٢٥ووافقه الذهبی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر دعا جہری ہو تو مقتدی آمین کہیں گے۔''

اقول: اولًا: سبحان اللہ!

علیزئی صاحب! پوری روایت نقل کرنے سے جناب نے احتراز کیوں کیا؟

خیر یہ تو آپ کا معاملہ تھا، آیئے ہم پوری روایت نقل کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

' عن ابن عباس قال :قنت رسول الله ﷺ شهرا متتابعا في الظهر والعصر ولمغرب والعشاء وصلاة الصبح في دبر كل صلاة اذا قال :سمع الله لمن حمده من الركعة الآخرة يدعو على احياء من بني سليم على رعل و ذكوان و عصية و يؤمن من خلفه ۔ (سنن أبي داود)

علیزئی صاحب! یہ کرشمہ ہے لامذہبیت کا کہ بات تھی نمازِ جنازہ کی دُعاؤں کی اور جواب میں دلیل پیش کی جارہی ہے قنوتِ نازلہ کی۔ کیا ہی جواب ہے لامذہب کا۔

علیزئی صاحب! قنوتِ نازلہ کی بجائے "قنوت (دعائے قنوت)" کے الفاظ لکھ کر اور حقیقت کو چھپا کر کیا ثابت کرنے لگے تھے؟۔

یہ نمازِ وتر کی قنوت کی بات بھی نہیں ہے یہ قنوتِ نازلہ کی بات ہے جو کہ صرف ایک مہینہ پڑھی گئی تھی۔ آپ نے تو بڑی چالاکی سے اگلے پچھلے الفاظ کو جمع کر کے حدیث مبارکہ کے اصل مفہوم کو ہی بدل دیا کہ جو خاص تھی قنوتِ نازلہ سے اس کو یوں ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ قنوتِ وتر محسوس ہو، ورنہ ایک مہینہ کے الفاظ لکھتے۔

علیزئی صاحب! اتنا ہیر پھیر کہ حدیث مبارکہ کے پہلے لفظ " قنت رسول الله ﷺ " لے کر اگلے سارے الفاظ چھوڑ کر پھر " ويؤمن من خلفه " کے الفاظ لے رہے ہیں، کیا خیال تھا کہ شاید پردہ رہ جائے؟

جناب یہ قنوت (نازلہ) ہی ہے جو کہ صرف ایک ماہ پڑھی گئی جس کو بعد میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ترک کر دیا گیا جیسا کہ پیچھے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے تحت ذکر ہو چکا۔

ثانیًا : یہی روایت جس کو علیزئی صاحب نے مذکورہ بالا حوالوں کے ساتھ نقل کیا ہے اسی کو صارم نے " **قیام اللیل للمروزی** " کے حوالے سے نقل کیا تھا جس کا جواب صارم کے جواب الجواب کے تحت آرہا ہے۔

ہمارا سوال نمبر ﴿۵﴾

ایک صحیح ، صریح ، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نمازِ وتر میں رکوع کے بعد امام بلند آواز سے دعائے قنوت پڑھے اور مقتدی آمین آمین پکاریں؟۔

جواب علیزئی لا مذہب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ ظہر، عصر، مغرب عشاء اور صبح کی نمازوں میں قنوت پڑھا تھا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے آمین آمین کہتے تھے۔

دیکھئے سنن ابی داود (ح ۱۴۴۳، وسندہ حسن) اور الجواب نمبر ۴۔ اس حدیث سے امام کا بلند آواز سے قنوت پڑھنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا، دونوں مسئلے ثابت ہیں۔ والحمد للہ

اقول:

اولًا : واہ رے لا مذہبوں کے محقق تیری تحقیق کے قربان! سوال نمازِ وتر میں قنوت کا ہے اور جواب ظہر، عصر، مغرب عشاء اور صبح کی نمازوں میں پڑھی جانے والی قنوتِ نازلہ سے۔

ثانیًا : علیزئی صاحب نے " **وسندہ حسن** "، لکھ کر یہ تسلیم کرلیا کہ اس مسئلہ میں جیسی بھی غیر صریح ہمارے پاس دلیلیں ہیں ان میں کوئی بھی صحیح نہیں ہے، ورنہ صحیح کو پیش کرتے۔

علیزئی صاحب! کیا یہ سب کچھ جناب نے اپنے حواریوں کو خوش کرنے کے لئے ہی لکھا ہے؟، حقیقت میں تو جناب نے چُن چُن کر بے محل دلیلیں نقل کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہنے دی، کوئی دلیل تو شرائط کے مطابق بیان کردیتے۔

اللہ کے بندے! سوال وتروں کی قنوت کا ہے اور جناب نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں والی روایت ذکر کر دی، پہلے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائے قنوت في الوتر بلند آواز سے ثابت کرو، مگر وہ آپ قیامت تک نہیں کر سکتے۔

چلیے ہو ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں پڑھی جانے والی قنوتِ نازلہ میں کہی جانے والی آمین کو قنوت في الوتر پر قیاس کرنے۔

ہمارا سوال نمبر 〈۲〉

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھے جائیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز میں سینے پر ہاتھ باندھے تھے؟

جواب علیزئی لا مذہب:

سیدنا سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ''کان الناس یؤمرون أن یضع الرجل یدہ الیمنی علی ذراعه الیسری فی الصلوۃ'' لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ ہر شخص نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ذراع پر رکھے۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۱۰۲ ح ۷۴۰)

کہنی کے سرے سے لے کر درمیانی انگلی کے سرے تک کو ذراع کہتے ہیں۔ دیکھئے القاموس الوحید (۵۶۸) اگر دایاں ہاتھ پوری ذراع پر رکھا جائے تو خود بخود سینے پر آجاتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا چاہئے۔ سیدنا ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''یضع هذه علی صدره'' آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

(مسند احمد ج۵ ص۲۲۶، وسندہ حسن)

اقول:

اولاً: علیزئی نے صحیح بخاری کی حدیث لکھ کر اپنے مذہب کا جنازہ ہی نکال دیا ہے اور پھر اس

پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کسر رہ گئی تھی وہ بھی بالکل ہی نکال دی ہے۔

علیزئی صاحب! ہاتھ باندھنا یا چھوڑنا اس میں اختلاف کی بات نہیں ہے۔ آپ شروع سے غیر متعلق دلائل ڈھونڈ ڈھونڈ کر نقل کر رہے ہیں، خیر تو ہے؟ حقیقت میں جناب کے پاس کوئی صحیح، صریح، مرفوع دلیل ہو تو پیش کریں لیکن وہ تو ہے نہیں پھر ایسا ہی کرنا ہے۔

جناب کا لکھنا کہ ''اگر دایاں ہاتھ پوری بائیں ذراع پر رکھا جائے تو خود بخود سینے پر آجاتا ہے''

یہ پوری ''ذراع'' پر رکھنے کا جناب نے کہاں سے مطلب لے لیا اور یہ کس محدث نے شرح کی ہے۔ جب ''ذراع'' کے ساتھ ''ید'' کا لفظ استعمال ہو تو پھر ہاتھ گٹ تک شمار ہوگا یعنی دائیں ہاتھ کو بائیں کلائی یعنی گٹ پر باندھا جائے، یا تو دائیں کلائی کو بائیں کلائی پر رکھنے کے لفظ ہوتے پھر جناب یہ طریقہ بیان کرتے تو کوئی اسے صحیح کہتا عقل مند محسوس ہوتا۔

''ذراع'' اور ''ید'' کے الفاظ جدا جدا ہونے کی وجہ سے یہاں آپ کا مطلب ہرگز نہیں نکلتا۔ حدیث مبارکہ میں ذراع پر ذراع نہیں بلکہ ذراع پر ید (ہاتھ) رکھنے کا ذکر ہے ہاتھ تو پوری ذراع پر آ نہیں سکتا کیونکہ اگر گٹ پر گٹ رکھ کر بھی جناب دیکھیں گے تو بھی ذراع کا کچھ حصہ ہاتھ سے باہر رہے گا اور اگر جناب کی بیان کردہ تعریف کے مطابق کہنی کے سرے پر ہاتھ کی انگلیوں کے پورے رکھے جائیں تو ذراع پر ذراع آئے گی، نہ کہ ذراع پر ید، اور مذکورہ حدیث مبارکہ میں ذراع پر ذراع نہیں بلکہ ذراع پر ید کا ذکر ہے۔

آپ حضرات نہ جانے کس دلیل کے ساتھ بازو پر بازو رکھتے ہیں، یہ حدیث تو آپ کی دلیل ہرگز ہرگز نہیں بن سکی، بلکہ جناب نے اپنے ہمنوا مناظر طالب ۔۔۔ شاہ سے پوچھنا تھا کہ مری میں لامذہبوں کی جامع مسجد میں تقریباً تیس (۳۰) آدمیوں کی موجودگی میں

(جس میں اکثریت لامذہبوں اور دیوبندیوں کی تھی) سجاد نامی لامذہب نے جناب کے استدلال جو جناب کے مناظر صاحب نے اسی طرح پیش کیا تھا اس کا تجرباتی طور پر کس شاندار طریقہ سے رد کیا تھا؟

اور شاہ جی کے ذراع پر ذراع رکھنے کو یہ کہہ کر کہ لوگوں کو ذراع پر ذراع نہیں، بلکہ ذراع پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا جاتا تھا اور ہاتھ باندھ کر دکھائے تھے اور کہا تھا کہ شاہ جی اس حدیث کے مطابق ہاتھ کو جب ذراع پر رکھیں گے تو ہاتھ زیر ناف آسانی سے جاتے ہیں نہ کہ سینہ پر۔

ثانیا: علیزئی صاحب! یہ حدیث مبارکہ جو کہ آپ نے دلیل کے طور پر پیش کی ہے یہ صحیح بخاری کی حدیث مبارکہ ہے جیسا کہ جناب نے بھی حوالہ ذکر کیا اور صحیح بخاری کوئی ایسی کتاب نہیں کہ جس کو چودہ سو سال تک کسی نے نہ پڑھا ہو یا اس کی شرح نہ کی گئی ہو؟

بلکہ یہ وہ کتاب ہے جس کی تقریبا تمام کتبِ احادیث سے زیادہ شروحات ہیں۔ لیکن چودھویں صدی ہجری سے پہلے تو کسی نے اس حدیث مبارکہ سے یہ مطلب نہیں نکالا تھا جو اب لامذہبوں نے نکالنا شروع کر دیا ہے، بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے شارح نے بھی لکھا کہ:"

قوله: (عَلى زراعه) أبهم موضعه مَن الذراع، وفي حديث وائل عند أبي داود والنسائي ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والرسغ من الساعد، وصححه ابن خزيمة وغيره، وأصله في صحيح مسلم بدون الزيادة، والرسغ بضم الراء وسكون السين المهملة بعدها معجمة هو المفصل بين الساعد والكف۔۔۔۔(فتح البا ری ۲/۱۷۸، احیاء التراث العربی)

آپ کے ایک مایہ ناز محقق یعنی ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام المبارکپوری غیر مقلد اس

حدیث بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں:

"أبهم سهل بن سعد موضعه من الذراع۔۔۔ والمراد انه وضع يده اليمنى بحيث صار وسط كفه اليمنى على الرسغ ، ويلزم منه ان يكون بعضها على الكف اليسرى والبعض على الساعد ۔۔۔ واعلم انه لم يرو فى رواية وضع الذراع على الذراع ، فما يفعله بعض العوام من وضع الذراع على الذراع بحيث انهم يضعون الكف اليمنى على مرفق اليد اليسرى او قريباً منه ثم ياخذونه باصابع اليد اليمنى هو مما لا اصل له ۔۔۔

(المرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ۲/۲۹۹،۲۹۸)

سہل بن سعد نے بازو کے حصہ میں ابہام رکھا ہے۔اور اس سے مراد یہ ہے کہ دائیں ہاتھ اس حیثیت سے رکھے کہ دائیں ہتھیلی بائیں گٹ کے اوپر آجائے اور لازم ہے کہ کچھ حصہ دائیں ہاتھ کا بائیں ہتھیلی پر اور کچھ حصہ بازو پر آئے۔اور جاننا چاہئے کہ کسی روایت میں بھی یہ الفاظ مروی نہیں ہیں کہ بازو پر بازو باندھا جائے اور بعض (جاہل) عوام جو یہ کرتے ہیں کہ بازو پر بازو اس طرح رکھتے ہیں کہ دائیں ہتھیلی بائیں کہنی تک یا اس کے قریب پہنچ جائے پھر دائیں انگلیوں سے اس کو پکڑتے ہیں، یہ وہ عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

جناب علیزئی صاحب! غور کیجئے گا یہ آپ کے محدث صاحب کیا کہہ رہے ہیں، یہ طعنہ کس کو دیا جارہا ہے، آپ سمجھ تو گئے ہوں گے ۔۔۔؟ کہیں ان جاہلوں کے قائد اور پیشوا آپ ہی تو نہیں ہیں؟۔

پس ثابت ہوا کہ بازو کو بازو پر نہیں باندھنا بلکہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے گٹ پر رکھنا ہے، اور اس طرح ہاتھ سینہ پر نہیں بلکہ آسانی کے ساتھ زیر ناف آتے ہیں، جو طریقہ

الحمدللہ اہل سنت کا ہے۔

ثـالثـاً : علیزئی صاحب کا لکھنا کہ ”سیدنا ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”یضع ھذہ علی صدرہ“ آپ (ﷺ) یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

(مسند احمد ج۵ص۲۲۶وسندہ حسن)

اقــول :جناب کا یہ لکھنا آپ کی بے بسی کا واضح آئینہ دار ہے کیونکہ لا مذہب اس مسئلہ میں کوئی صحیح ،صریح ،مرفوع حدیث پیش نہیں کر سکتے تبھی تو ”وسندہ حسن“ لکھا۔

علیزئی صاحب! کیا سوال میں ”حسن“ روایت کا مطالبہ کیا گیا تھا جو آپ نے نقل کرنے کے بعد لکھا کہ ”وسندہ حسن“ اور اپنی طرف سے سوال کا جواب دے دیا۔ہم مانتے ہیں کہ جناب ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود اس مسئلہ پر بھی کوئی صحیح ،صریح ،مرفوع حدیث تلاش کرنے اور سوال کا جواب دینے سے قاصر ہیں تو کوئی بات نہیں تھی صاف لکھ دیتے کہ اس بارے میں بھی کوئی صحیح ،صریح ،مرفوع روایت تو ہمارے پاس نہیں ،لیکن میں حسن کا سہارا لے کر اس کا جواب دینے لگا ہوں ،مگر ستیاناس ہو خود غرضی اور خود پسندی کا جس نے جناب کو اس لئے اس سے باز رکھا کہ کہیں بھرم کھل نہ جائے۔

لیکن آیئے جناب کی نقل کردہ روایت کی سند و متن ہم نقل کرتے ہیں:

حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا يحيى بن سعيد عن سفيان حدثنى سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال :رأيت النبي ﷺ ينصرف عن يميينه و عن يساره و رأيته قال :يضع هذه على صدره ،وصف يحيى اليمنى على اليسرى فوق المفصل ۔ ۔ (مسند أحمد٥/٢٢٦(٢٢٠١٧)

اولاً: جناب علیزئی صاحب! پہلے اپنی نقل کردہ دلیل کے الفاظ دیکھیں

"رأيت النبي ﷺ ينصرف عن يمينه وعن يساره "

لامذہب جی! کیانماز میں کبھی دائیں اور بائیں پھرا جاتا ہے؟۔

جناب کی بیان کردہ روایت میں تو پہلے پھرنے کا ذکر ہے اور سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر بعد میں ہے جو ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات نماز کے بعد کی ہو رہی ہے تو جناب سوال یہ تو نہیں تھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مبارکہ میں یا بعد از نماز سینہ پر ہاتھ رکھے یا نہیں، سوال تو تھا کہ " کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھے جائیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز میں سینے پر ہاتھ باندھے تھے؟۔"

ہاں! اب جناب اگلی روایت کا سہارا لیں گے تو جناب ہم پہلے سے بتا دیں کہ اس میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر نہیں اور حضرت ہلب الطائی سے جتنی بھی مسند احمد میں اس بارے میں روایات ہیں ان میں سے اگر کسی میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے تو " في الصلوة " کے الفاظ نہیں اور جس میں "في الصلوة" کے لفظ ہیں اس میں سینہ پر رکھنے کا ذکر نہیں۔ پس یہ روایت نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے میں صریح نہیں ہے جو آپ کی دلیل بن سکے۔

ثانیا: پہلی روایت کے تحت علیزئی صاحب کا لکھنا کہ " اگر دایاں ہاتھ پوری بائیں ذراع پر رکھا جائے تو خود بخود سینے پر آجاتا ہے"۔ خود انہی کی پیش کردہ دلیل سے غلط ثابت ہو گیا کیونکہ اس میں " **فوق المفصل** " یعنی جوڑ کے اوپر" ہے۔

پس دونوں روایتوں میں سے ایک لامذہب کی تکذیب کرتی ہے کیونکہ وہ پہلی بیان کرنے کے بعد اپنی مجتہدانہ صلاحیت سے بیان کر چکے ہیں کہ جب " اگر دایاں ہاتھ پوری ذراع پر رکھا جائے تو خود بخود سینے پر آجاتا ہے" جبکہ دوسری میں واضح موجود ہے کہ ذراع پر ذراع

نہیں بلکہ ہاتھ کو جوڑ پر رکھنا ہے۔ پس جب ہاتھ گٹ پر باندھا جائے تو بآسانی زیرناف یا ناف پر آتا ہے، سینہ پر نہیں اور سینہ پر رکھنے والوں کو نماز میں بھی اکڑنا پڑے گا تب سینہ پر آئیں گے، جبکہ اسلام میں تو عام حالات میں بھی اکڑنے سے منع کیا گیا ہے چہ جائیکہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت آکڑ خان بنتے پھرو۔

ثالثًا: اس روایت کی سند میں ایک راوی " **قبیصہ بن ھلب** " ہے،اس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:"**قبيصة بن هلب عن أبيه ، قال ابن المديني مجهول،لم يرو عنه غير سماك**"۔ (میزان الاعتدال ص ۳۸۴ ج ۳)

قبیصہ بن ہلب اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، ابن المدینی نے کہا کہ یہ مجہول ہے، اس سے سوائے سماک کے کوئی روایت نہیں کرتا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:"**وقال النسائي :مجهول**"۔ اور امام نسائی نے کہا کہ مجہول ہے۔ (تھذیب التھذیب ۸/۳۵۰)

مجہول کی روایت کے بارے میں علیزئی صاحب جنابِ من نے کئی مقامات پر لکھا ہے کہ: مجہول کی روایت ضعیف ومردود ہوتی ہے۔

رابعًا: اس روایت کی سند میں ایک اور راوی "سماک بن حرب" ہے، جس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:"**روى ابن المبارك عن سفيان :أنه ضعيف۔ وقال جرير الضبي :أتيت سماكا فرأيته يبول قائما فرجعت ولم أسأله ، فقلت :خرف ... كان شعبة يضعفه ... وقال أحمد :سماك مضطرب الحديث ... وقال صالح جزرة :يضعف۔وقال النسائي:اذا انفرد بأصل لم يكن بحجة ، لأنه كان يلقن فيتلقن ...قال ابن عمار :كان**

يغلط ، ويختلفون فی حدیثه۔ وقال العجلی بجا ئز الحدیث ،کان الثوری یضعفه قلیلا ۔وقال ابن المدینی :روا یته عن عکرمه مضطربة . . .

(میزا ن الا عتدا ل ۲/۲۳۲۔۲۳۳)

عبداللہ بن مبارک سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ سماک ضعیف ہے۔ جریر الضبی نے کہا کہ میں سماک کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کھڑے ہوکر پیشاب کررہا ہے،تو میں واپس چلا آیا اور اس سے سوال نہ کیا اور میں نے کہا کہ یہ بے عقل ہے۔شعبہ اس کی تضعیف کرتے تھے اور امام احمد نے فرمایا کہ سماک مضطرب الحدیث ہے اور صالح جزرہ نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔امام نسائی نے کہا کہ جب وہ منفرد ہو تو بالکل حجت نہیں ہے کیونکہ وہ تلقین قبول کرتا تھا۔ابن عمار نے کہا کہ وہ غلطیاں کرتا تھا اور اس کی حدیث میں محدثین اختلاف کرتے ہیں،اور عجلی نے کہا کہ وہ جائز الحدیث ہے اور سفیان ثوری اس کو ضعیف کہتے تھے۔ابن المدینی نے کہا کہ اس کی عکرمہ سے روایت مضطرب ہے۔

نـــوٹ: علیزئی نے سماک بن حرب کی توثیق کے متعلق ایک مضمون بنام "نصر الرب فی توثیق سماک بن حرب" لکھا جس میں اس نے امام شعبہ،سفیان ثوری،صالح بن محمد بغدادی ،ابن خراش،ابن حبان اور ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال کے بارے میں کہیں مردود ،کہیں ثابت نہیں،کہیں محلِ نظر لکھا ہے،اور جریر بن عبدالمجید نے جو اسے کھڑے ہوئے پیشاب کرتے دیکھ کر اس سے روایت لینا ترک کردیا تھا اس کے بارے میں لکھا کہ یہ کوئی جرح نہیں،اور محمد بن عبداللہ بن عمار کی جرح کی سند کو تو صحیح تسلیم کیا لیکن ساتھ ہی لکھ مارا کہ یقولون کا فاعل نامعلوم ہے ملاحظہ ہو: (مقالات ا/۴۲۸تا۴۳۲)

اولاً : اس پر تفصیل "ازاحة العیب بسیف الغیب " میں اس کے حاشیہ میں بیان ہو

گی، ان شاء اللہ العزیز۔

ثانیاً : علیزئی صاحب! نے اپنے اس مضمون میں سماک بن حرب کے بارے میں جن آئمہ کی جرح کو تسلیم کیا ہے ان میں امام احمد بن حنبل، یعقوب بن شیبہ (حیلہ حوالہ کرتے ہوئے)، عقیلی اور نسائی رحمۃ اللہ علیہم۔

علیزئی صاحب !ہم یہاں ایک اضافہ کرنے لگے ہیں برا محسوس مت کیجئے گا کیونکہ وہ جناب کا اپنا ہی بزرگ ہے جس کو لا مذہب اپنا امام لکھتے ہیں، یہ وہی ہے جس کا نام محمد بن علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی ہے، وہ اپنی کتاب ''المحلی بالآثار ''کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۷۵ پر لکھتا ہے کہ:''سماك ابن حرب وهو يقبل التلقين ،شهد عليه بذلك شعبة وغيره ۔ ۔۔''، اور اسی جلد کے صفحہ ۲۰۶ پر یہی بات لکھنے کے بعد لکھتا ہے کہ:''وهذه جرحة ظاهرة ''۔اور اسی کتاب کی جلد ۵ صفحہ ۳۵۶ پر لکھتا ہے کہ: ''وسماك ضعيف يقبل التلقين ،شهد به عليه شعبة، وغيره ۔اور اسی کتاب کی جلد ۶ صفحہ ۱۸۱ پر لکھتا ہے کہ:'' وسماك يقبل التلقين شهد عليه بذلك شعبة ، وغيره ''۔اور اسی جلد کے صفحہ ۱۸۶ پر لکھتا ہے کہ:''وسماك ضعيف ''۔اور اسی جلد کے صفحہ ۳۰۵ پر لکھتا ہے کہ:''سماك ضعيف يقبل التلقين ''۔

علیزئی صاحب! آپ کے اس بزرگ و امام نے تو اس مسئلہ میں لا مذہبوں کا جنازہ نکال دیا ہے کیونکہ یہ تو بغیر کسی اور جرح کے صرف تلقین قبول کرنے کی وجہ سے ہی اس کو ضعیف قرار دے رہا ہے، اور بغیر کسی اور کی جرح کے صرف اس ایک جرح کو ہی ظاہر و واضح لکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی روایات کو بھی ضعیف قرار دے رہا ہے۔

ہاں! ذہن میں رہے کہ جس جرح کی وجہ سے جناب کا بزرگ اس کی روایات کو

ضعیف کہہ رہا ہے، جناب بھی اس کو تسلیم کر چکے ہیں کیونکہ یہ جرح کرنے والے صرف امام شعبہ ہی نہیں جس کو جناب کے بزرگ نے لکھا ہے بلکہ یہی جرح امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے اور وہ امام نسائی کی کتب میں موجود ہے۔

ایک اور بات کی طرف جناب کی توجہ مبذول کرواتے چلیں، جناب نے امام نسائی سے "لیس بالقوي و کان یقبل التلقین" اور "فاذا انفرد بأصل لم یکن حجة" علیحدہ علیحدہ مقامات سے نقل کر کے جو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے وہ کارگر ثابت نہیں ہوگی کیونکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک روایت کو اپنی "سنن کبری" میں روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

" فیه فسماك بن حرب لیس ممن یعتمد علیه اذا انفرد بالحدیث لأنه یقبل التلقین ۔ (السنن الکبری ۲/۲۵۱، وفي نسخة ۱/۵۱۳)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جگہ پر اس بات کو واضح کر دیا کہ اس کی حالت ایسی ہے کہ اکیلے ہوتے ہوئے یہ اعتماد کے قابل بھی نہیں ہے، اور جناب کی نقل کردہ روایت میں اس کا کوئی متابع نہیں ہے کہ یہ اعتماد کے لائق ہو سکے۔

ثالثًا: امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اذا عدل جماعة رجلا وجرحه أقل عددا من المعدلین فان الذي علیه جمهور العلماء ان الحکم للجرح والعمل به أولی، وقالت طائفة بل الحکم للعدالة، وهذا خطاء. (الکفایة فی علم الروایة ۱۳۴، ولسان المیزان لابن حجر ۱/۲۱۱، وجمع الجوامع للسبکی ۲/۱۶۴)

جب پوری ایک جماعت ایک شخص کی تعدیل کرے اور تھوڑے سے لوگ اس پر جرح کریں

یعنی جرح کرنے والے بنسبت تعدیل کرنے والوں کے کم ہوں تو جمہور علماء کے نزدیک جرح راجح ہوگی اور اس پر عمل اولیٰ ہوگا، ایک گروہ نے کہا کہ تعدیل راجح ہوگی اور یہ غلط ہے اور وہی امام ابن الصلاح الشہرزوری جن سے جناب نے سماک بن حرب سے اختلاط کی جرح اٹھانے کے لئے تائید حاصل کی ہے وہی لکھتے ہیں کہ:

" اذا اجتمع في شخص جرح و تعديل ، فالجرح مقدم لأن المعدل يخبر عما ظهر من حاله و الجارح يخبر عن باطن خفى على المعدل ۔ فان كان عدد المعدلين أكثر فقد قيل التعديل أولى ۔ والصحيح و الذي عليه الجمهور أن الجرح أولى لما ذكرناه ، و الله أعلم ۔ (مقدمة ابن الصلاح ٥٢)

پس ثابت ہوا کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوگی اگر چہ جرح کرنے والے تعداد میں تعدیل کرنے والوں سے کم ہی کیوں نہ ہوں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ علیزئی کی بیان کردہ روایت اول تو صریح نہیں، دوم صحیح نہیں، تو ہمارا سوال اپنی جگہ قائم ہے جس کا جواب علیزئی نہ تو دے سکا اور نہ ہی دے سکتا ہے۔

نوٹ: راقم الحروف نے قبلہ محدث کبیر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی کے تحریری مناظرے بنام "مناظرے ہی مناظرے" کافی عرصہ پہلے ترتیب دیئے جو شائع کئے گئے اور دوبارہ میرے بیرون ممالک دوروں کے درمیان مکتبہ جمال کرم نے اسی پہلی مطبوع کاپی کو شائع کر دیا۔ ان میں راقم الحروف نے وضاحت کر دی تھی کہ ان کو آپ کی عدم موجودگی میں شائع کیا گیا ہے اور ان پر آپ کی نظر ثانی بھی نہیں کروائی جا سکی، لہٰذا ان میں غلطی کا امکان موجود ہے جو کہ مطبوع کے صفحہ ۱۵۸ پر ضروری نوٹ کی سرخی کے ساتھ موجود ہے۔ مناظرے ہی مناظرے میں راقم الحروف کی غلطی سے سماک بن حرب

کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ وہ مدلس ہے جو نظر ثانی نہ ہونے کی وجہ سے شائع ہو گیا، جس پر علیزئی نے لکھا کہ یہ جھوٹ ہے، یہ درست ہے کہ اس کو آئمہ محدثین نے مدلسین میں ذکر نہیں کیا لیکن یہ ارسال کرتا تھا اور علیزئی خود اپنی کتاب " الفتح المبين في تحقيق طبقات المدلسين ص ٢٤" پر لکھتا ہے کہ:" فالتدليس والارسال شيء واحد عند الذهبی وهذا اصطلاح خاص له"۔ اور ص ۳۴ پر لکھا کہ :" وهذا يدل على أن التدليس والارسال عند الامام ابن حبان شیء واحد"۔

پس علیزئی بتائے کہ اس کے نزدیک امام ابن حبان اور ذہبی وغیرہما محدثین جو ارسال اور تدلیس کو ایک ہی چیز تسلیم کرتے ہیں کیا وہ جھوٹے ہیں؟۔

آخر میں ہم پھر یہ ذکر کرتے چلیں کہ سماک بن حرب کے بارے میں مدلس لکھا جانا خطا و غلطی ہے، مگر مذکورہ روایت سماک بن حرب کی تدلیس کے علاوہ دوسری علتوں کی وجہ سے صحیح ثابت نہیں ہو سکتی۔

ھمارا سوال نمبر ‹۷›

کیا نبی اکرم ﷺ نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کہنی پر رکھا تھا؟

جواب علیزئی لا مذہب :

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ " ثم وضع يده اليمنى على ظهر كف اليسرى والرسغ والساعد " پھر آپ (ﷺ) نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی کی پشت اور رسغ (کلائی) اور ساعد (کہنی سے ہتھیلی تک کا حصہ/ القاموس الوحید ص ۷۶۹) پر رکھا تھا۔ (سنن ابی داود، الصلوۃ، باب رفع الیدین فی الصلوۃ ح ۷۲۷ وسندہ صحیح)

اقول :

اولًا : علیزئی جی! کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے ہم علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ باقی تو آپ میں کوئی کمال ہے یا نہیں، لیکن نظری اور عقلی دھوکہ دینے میں آپ صاحبِ کمال ہیں، بلکہ اہل کمال سے بھی چار ہاتھ آگے نکل چکے ہیں۔

علیزئی صاحب! آپ نے تو لا مذہبوں کو ایسی عجیب وغریب مخلوق بنادیا ہے جس کا وجود شاید ہی دنیا کے کسی کونے کھدرے میں پایا جاتا ہو۔ جناب وہ کون سے علاقہ کے مکین ہیں جن کا دایاں ہاتھ ہتھیلی کی پشت پر بھی آتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ کہنی تک بھی پہنچ جاتا ہو؟۔

ثانیًا : جناب نے " رسغ" کا معنی کلائی کیا ہے، جبکہ عربی اردو کی مشہور ومعروف لغت " المنجد" میں ہے " الرسغ والرسغ : گٹا۔ پہنچا۔ ج ارساغ و ارسغ۔

اور عربی زبان کی مشہور ومعروف لغت " لساب العرب ٨/٤٢٨ "میں ہے

"[رسغ] مفصل ما بين الساعد والكف والساق والقدم ۔۔۔۔

اور ابن الاثیر الجزری "النهاية في غريب الحديث والأثر " میں لکھتے ہیں کہ [ان كمه كان الى رصغه] هي لغة في الرسغ وهو مفصل ما بين الكف [رصغ] والساعد۔ (النهاية ٢/٥٥٢)

اور ابوعبدالرحمٰن الفرا ہیدی " كتاب العين ٤/٣٧٧ "میں لکھتے ہیں

"الرسغ :مفصل ما بين الساعد والكف والساق والقدم ۔

پس معلوم ہوا کہ " رسغ "کا صحیح معنی ہاتھ اور بازو کے درمیان والا جوڑ ہے نہ کہ کلائی، جیسا کہ علیزئی نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے "القاموس الوحید" کے حوالہ سے لکھا۔

جناب! یہ حدیث مبارکہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی تائید نہیں کرتی اور نہ ہی اس حدیث سے کلائی پر کلائی رکھنا ثابت ہوتا ہے، جب دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھیں تو کہنی تک

ہاتھ کا پہنچنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے سوائے اس کے کہ کوئی لا مذہب عجیب وغریب قسم کی مخلوق ہے۔ بالفرض محال جناب کا کیا ہوا ترجمہ ہی منظور کرلیا جائے تب بھی دایاں ہاتھ کہنی پر نہیں آئے گا کیونکہ جب دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی کی پشت پر بھی رکھنا ہے تو کبھی بھی کہنی تک نہیں پہنچ سکتا اور اگر دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے پورے کہنی تک پہنچا کر رکھیں جائیں تو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر نہیں ہوسکتا، پھر دایاں ہاتھ نہیں بلکہ ذراع پر ذراع ہوگی، جب کہ حدیث مبارکہ میں ہاتھ کا ذکر ہے، اگر سمجھ نہ آئے تو تجربہ کرکے دیکھ سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جناب کے ایک نامور محدث ابوالحسن عبید اللہ بن محمد عبد السلام مبارک پوری صاحب حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح بخاری والی روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:"ابهم سهل بن سعد مو ضعه من الذراع۔۔۔۔ والمراد انه وضع يده اليمنى بحيث صار وسط كفه اليمنى على الرسغ ، ويلزم منه ان يكون بعضها على الكف اليسرى والبعض على الساعد ۔۔۔ واعلم انه لم يروفى رواية وضع الذراع على الذ راع ، فما يفعله بعض العوام من وضع الذراع على الذراع بحيث انهم يضعون الكف اليمنى على مرفق اليد اليسرى او قريباً منه،ثم ياخذونه باصابع اليد اليمنى هوهما لا اصل له ۔۔۔ (المرعاة المفاتيح شرح مشكو ة المصابيح ٢/٢٩٩،٢٩٨)

سہل بن سعد نے بازو کے حصہ میں ابہام رکھا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ دائیں ہاتھ اس حیثیت سے رکھے کہ دائیں ہتھیلی بائیں گٹ کے اوپر آجائے، اور لازم ہے کہ کچھ حصہ دائیں ہاتھ کا بائیں ہتھیلی پر اور کچھ حصہ بازو پر آئے۔ اور جاننا چاہئے۔ کہ کسی روایت میں بھی یہ الفاظ مروی نہیں ہیں کہ بازو پر بازو باندھا جائے، اور بعض (جاہل) عوام جو یہ کرتے ہیں

کہ بازو پر بازو اس طرح رکھتے ہیں کہ دائیں ہتھیلی بائیں کہنی تک یا اس کے قریب پہنچ جائے پھر دائیں انگلیوں سے اس کو پکڑتے ہیں، یہ وہ عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

کیوں جناب علیزئی صاحب! اب بتائیں کہ آپ نے اپنے ترجمہ میں جو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے وہ کہاں سے اخذ کیا ہے؟۔

کہیں دانستہ طور پر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں معنوی تحریف کا ارادہ تو نہیں؟ خدارا انصاف چاہئے! جہلاء کے پیچھے لگ کر احادیثِ رسول ﷺ کا حلیہ نہیں بگاڑنا چاہئے، مذکورہ حوالہ کو بار بار پڑھیں۔

ع شائد کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

پس ثابت ہوگیا کہ علیزئی صاحب اس مسئلہ میں بھی اپنے دوسرے لامذہبوں کی طرح علمی یتیم ہی ہیں اس کی کوئی دلیل نہ ان کے پاس ہے اور نہ ہی کسی اور لامذہب کے پاس، اور نہ ہی ان شاء اللہ قیامت تک کوئی پیش کرسکتے ہیں۔

ہماراسوال نمبر ﴿۸﴾

ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ آپ ﷺ نے پورا سال تہجد کی اذان کا حکم فرمایا ہو؟ وہ اذان رمضان شریف میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو بلکہ پورا سال تہجد پڑھنے کے لئے ہو؟

جواب علیزئی لا مذہب:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی أؤذن ابن أم مکتوم۔)) بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں لہذا کھاؤ اور پیو حتی کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان قبل الفجر ح ۶۲۲، ۶۲۳) اس

حدیث سے معلوم ہوا کہ طلوع فجر سے پہلے رات کی اذان دینا جائز ہے، اگر کوئی شخص اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سارا سال رات کی اذان دے تو جائز ہے اور دوسرے دلائل کی رو سے اگر یہ اذان نہ بھی دے اور صرف صبح کی اذان دے تو بھی جائز ہے۔

اقول:

اولًا : واہ رے لامذہب جی! جناب کا یہ جواب دیکھ کر لگتا ہے کہ جس کسی نے بھی "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کہاوت کہی تھی وہ شاید جناب جیسے لامذہبوں سے کچھ عقل مندوں کے لئے ہوگی، علیزئی صاحب! کیا سوال میں نہ جناب کو اور نہ ہی جناب کے ہم نشینوں کو نظر آیا کہ: "وہ اذان رمضان شریف میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو"۔

مگر جس بات کی نفی کا ذکر سوال میں کیا گیا تھا یعنی وہ اذان رمضان میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو، اسی بات کو بیان کرنے والی روایت نقل کر دی، شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ جناب نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، بس دیکھا کہ دو اذانوں کا ذکر ہے لہذا اسے لکھ دو اور واویلا شروع کر دو کہ ہم نے جواب دے دیا۔

لامذہبوں کے محقق و محدث صاحب! لگتا ہے جناب کو صحیح بخاری و مسلم میں ان اذانوں کے درمیان وقت والی روایت آج تک نظر نہیں آئی؟ یا پھر شاید جناب نے مسلک کے بچاؤ کی مہم کا سبق پڑھا ہوا ہے کہ جو بھی ہو ہر سمت سے نظریں بند کر و اور مسلک کو بچاؤ، لیکن اتنا خیال رہے کہ یہ مسلک بچاؤ مہم کا سبق آپ لوگوں کو حقائق بدلنے پر مجبور کرتا رہے گا اور آخر کار یہی حقائق سے نظریں چرانا آپ میں ناعاقبت اندیشی پیدا کر دے گا اور انجام کار۔۔۔۔

آیئے! جناب کی تسلی کے لئے ان دونوں اذانوں میں وقت کا فرق ہم دکھا دیتے ہیں،

ملاحظہ ہو:

نافع حضرت ابن عمر اور قاسم بن محمد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں

"ان بلالا کان یؤذن بلیل فقال رسول اللہ ﷺ کلوا واشربوا حتی یؤذن ابن أم مکتوم فانہ لا یؤذن حتی یطلع الفجر قال القاسم ولم یکن بین اذانهما الا ان یرقی ذا وینزل ذا"۔ (صحیح بخاری، کتاب الصوم، ۱/۲۵۷)

"کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات رہے سے اذان دے دیا کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ عبداللہ بن ام مکتوم اذان دے، وہ اس وقت اذان نہیں دیتے جب تک صبح نہیں ہوتی، قاسم نے کہا بلال رضی اللہ عنہ اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دونوں کی اذان میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے کہ ایک اترتا اور ایک چڑھتا"

ترجمہ وحید الزمان

علیزئی صاحب! آیئے جناب کی ہی جماعت کے ایک رسالہ سے اس کا جواب آپ کے سامنے رکھتے ہیں کہ یہ اذان تہجد کے لئے نہیں، بلکہ فجر کے لئے ہی ہوتی تھی اور اسی کو آپ کی جماعت والوں نے صحیح کہا ہے "اہلحدیث لاہور" والوں کے حوالے سے "فتاوے علمائے حدیث" والے نے لکھا کہ:

"سوال: رمضان المبارک میں جو سحری کی اذان کہی جاتی ہے اس کا ثبوت کیا ہے؟۔۔۔ قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر فرمادیں۔

الجواب: نبی ﷺ کے دو موذن تھے، حضرت بلال اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا وہ سحری کے

لئے یا فجر کے لئے؟ صحیح بات یہی ہے کہ وہ فجر کے لئے تھی۔۔ اہلحدیث لاہور جلد اشارہ ۴۷۔

(فتاوے علمائے حدیث ۲/۱۶۷)

ثانیًا : امام ابوالحسن بن محمد الحافظ ابن القطان الفاسی م ۶۲۸ھ فرماتے ہیں: " **والحديث المذكور لا يعارضه لأنه في رمضان خاصة اما سائر العام فما كان يؤذن الا بعد الفجر** ۔ (بيان الوهم والايهام الواقعين في كتاب الاحكام لابن القطان ٣/٢٧٤)

اور حدیث مذکور اس حدیث کے متعارض نہیں کیونکہ یہ اذان رمضان کے ساتھ خاص ہے اور تمام سال اذان طلوعِ فجر کے بعد ہی ہوتی تھی۔

اگر یہ تہجد کے لئے ہو جیسا کہ لامذہبوں میں سے چند کا دعوی ہے تو پھر یہ اذان ہی ایک ایسی اذان ہوگی جو نماز کا وقت ختم ہونے پر دی جائے۔

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"**وفي اجماع المسلمين على أن النافلة لا أذان لها ما دل على أن أذان بلال بالليل انما كان لصلاة الصبح ،والله أعلم** ۔(الاستذكار ١/٤٥٠۔٤٥١)

اسی بات کو علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل فرماتے ہیں کہ:

" **قال ابن عبد البر :وفي اجماع المسلمين على أن النافلة بالليل والنهار لا أذان لها ما يدل على أن أذان بلال بالليل انما كان لصلاة الصبح** ۔

(طرح التثريب لأبي زرعة العراقي ٢/٢٠٧)

امام ابن عبدالبر نے فرمایا کہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نفلی نمازیں چاہے دن کی ہوں یا رات کی اُن کے لئے اذان نہیں، تو یہ دلالت کرتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کی اذان رات کو صبح کی نماز کے لئے تھی۔

علامہ عراقی مزید فرماتے ہیں:

" فیحصل الجمع بین الحدیثین بحمل أحدهما علی رمضان والآخر علی غیره (طرح التثریب لأبي زرعة العراقي ٢/٠ ٢١)

ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق (جمع) اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک اذان رمضان شریف میں اور دوسری سارا سال۔

اسی صحیح بخاری کی روایت کی شرح میں ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"وفي اجماع المسلمين علی أن النافلة بالليل والنهار لا أذان لها دليل بين أن أذنه كان لصلاة الصبح ۔(شرح صحیح البخاری لابن بطال ٢/٣١٦)

آیئے! آخر میں پھر آپ ہی کے گھر کی شہادت پیش کردیں۔

مولوی ابوالبرکات لامذہب کا فتوی:

سوال: بعض مساجد میں تہجد کی اذان ہوتی ہے ہم ان سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے وہ یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب حضرت بلالؓ اذان کہیں تو تم کھاؤ پیو اور جب عبداللہ بن ام مکتوم اذان کہیں تو تم کھانے پینے سے رک جاؤ اس میں وقت کی تعین نہیں ہے لہذا اسے تہجد کی اذان کہنا درست ہے۔

(محمد حسین جنڈیالہ باغوالہ)

جواب: "اس حدیث سے استدلال غلط ہے کیونکہ بلال کی اذان فجر کی تھی کیونکہ فجر کے وقت نیند کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے فجر سے چند منٹ پہلے بلال کی اذان ہوتی تھی اگر یہ اذان سحری یا تہجد کی ہوتی تو فجر سے تقریباً گھنٹہ پہلے ہونی چاہیے تھی، لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بخاری مسلم وغیرہ کتب احادیث میں روایت موجود ہے کہ عائشہ رضی اللہ

تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں اذانوں کے درمیان صرف اتنا فرق تھا کہ بلالؓ اذان کہہ کر اترتے تھے اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ اوپر چڑھ کر اذان کہہ دیتے تھے اتنے فاصلے میں تہجد کیا پڑھی جاتی ہے اور سحری کا کھانا کیسے کھایا جاتا ہے۔

کسی محدث نے آج تک کتب احادیث میں تہجد یا سحری کی اذان کا باب نہیں باندھا معلوم ہوا کہ اس قسم کی اذان شریعت میں ہے ہی نہیں۔۔۔۔ (فتاوی برکاتیہ ص ۲۳-۲۴)

جس سے معلوم ہوا کہ یہ اذان بہر حال تہجد کے لئے نہ تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ پورا سال چلتی تھی، تو ایسی روایت اگر کوئی ہے تو اس کو پیش کیا جانا چاہیے تھا۔

مذکورہ حدیث میں سحری کا ذکر ہے اور سحری مشہور تو رمضان شریف میں ہی ہے جو کہ پورے اہتمام سے ہوتی ہے نہ کہ نفلی روزوں کی کیونکہ نفلی روزوں کی سحری کا اتنا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ جہاں بھی دو اذانوں کا ذکر ہے وہاں سحری کا ذکر بھی ضرور ہے اور اگر بغیر سحری کے ذکر کے کوئی باسند صحیح حدیث ہے تو لامذہبوں کو چاہیے کہ وہ پیش کریں۔

علیزئی صاحب! ہمارا سوال جوں کا توں ابھی تک باقی ہے، نہ آپ اس کے جواب میں کوئی دلیل پیش کر سکے اور نہ قیامت تک کر سکتے ہیں ان شاء اللہ العزیز۔

ہمارا سوال نمبر ﴿۹﴾

ایک صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کریں کہ نبی اکرم ﷺ نے نمازِ با جماعت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا حکم فرمایا ہو یا خود پڑھی ہو؟۔

جواب علیزئی لا مذہب:

علیزئی صاحب نے نعیم المجمر والی روایت کو ذکر کیا جس کا جواب ''ڈھول کا پول'' میں موجود ہے۔

آ گے علیزئی صاحب لکھتے ہیں ''یاد رہے کہ بسم اللہ الخ نماز میں سرا بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے''۔

اقول :

جناب علیزئی صاحب! اگر سرًا پڑھنا بہتر ہے تو جناب کے ہم مسلک کیوں بلند آواز سے پڑھتے ہیں؟ لا مذہب لوگ نماز میں جو بہتر نہیں اس عمل کو کیا سمجھ کر عمل کرتے ہیں؟۔ یہ عقدہ بھی حل کردیں۔

آ گے علیزئی صاحب نے لکھا کہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنی اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے دیکھئے سنن الترمذی (۲/۹۶ ح ۲۶۷۶ وقال: '' ہذا حدیث حسن صحیح'' وسندہ صحیح)

جناب علیزئی صاحب! آج تک تو آپ کے بڑے لکھتے رہے کہ ''صحابہ کا قول وفعل حجت نہیں'' جناب ان سے بغاوت پر اُتر آئے؟

لیکن ایسا نہیں کیونکہ یہ بات صرف مقصد کے حصول کے لئے ہے، ورنہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اور بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور بھی کئی سنتیں ہیں جن کو تسلیم کرنے کے لئے جناب بھی تیار نہیں ہوں گے۔

آ گے علیزئی کا لکھنا کہ ''اور خلفائے راشدین میں سے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے عبدالرحمٰن بن ابزی نے نماز پڑھی '' **فجهر ببسم الله الرحمن الرحيم** ''تو انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہرا پڑھی۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۳۷، وسندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۴۱۲ ح ۴۷۵۷، السنن الکبری للبیہقی ۲/۴۸)

اقول : سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل مرفوع حدیث نہیں، ہم نے سوالات میں

صحیح ،صریح ،مرفوع کا ذکر کیا ہے، یہ مرفوع نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے سوال کا جواب نہیں ویسے جناب کواسے پیش کرتے ہوئے اپنے بزرگوں کے اقوال کو پیش نظر رکھنا چاہئے تھا۔

پس ہمارا سوال ابھی تک قائم ہے کیونکہ علیزئی ایک بھی روایت صحیح ،صریح ،مرفوع اور غیر محتمل پیش نہیں کرسکا۔

ہمارا سوال نمبر (۱۰)

''ایک صحیح ،صریح ،مرفوع حدیث پیش کریں کہ نبی اکرم ﷺ نے وفات تک رفع الیدین عندالرکوع و بعدالرکوع کیا تھا؟''

جواب علیزئی لا مذہب:

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔ مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (کتاب الاذان، باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع ح ۷۳۶)

اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۷۳۹ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے رفع یدین کی حدیث کے راوی ،ان کے جلیل القدر صاحبزادے امام سالمؒ بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (حدیث السراج ج ۲ ص ۳۴، ۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ رفع الیدین عندالرکوع و بعدالرکوع پر عمل عہد نبوت ،عہد صحابہ اور عہد تابعین میں مسلسل رہا ہے لہذا رفع یدین منسوخ یا متروک ہونے کا دعوی باطل ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین عندالرکوع و بعدالرکوع کا ترک یا منسوخ ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے لہذا یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ وفات تک

رفع یدین کرتے تھے یہ مسئلہ سمجھانے کے لئے ایک مثال پیش خدمت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ہاتھ باندھنا ثابت ہے اور ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا بالکل ثابت نہیں ہے لہذا یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک نماز میں ہاتھ باندھتے تھے

اقول :

علیزئی صاحب! ایسے ویسے کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے اگر کوئی ایک ہی دلیل جناب کے پاس موجود ہے جو کہ مرفوع، صحیح اور صریح ہو اور اس میں وفات تک کا ذکر ہو بیان کریں، لیکن وہ آپ کر نہیں سکتے۔

جناب اپنے گھر بیٹھے جو چاہے لکھتے رہیں کہ: ''رفع یدین منسوخ یا متروک ہونے کا دعوی باطل ہے'' لکھنے سے تو باطل نہیں ہو جائے گا، باطل قرار دینے کے لئے ثبوت درکار ہوتے ہیں جو آج تک کوئی لامذہب بھی پیش نہیں کر سکا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔

اگر ہمارے سوال کے مطابق جناب کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کریں مگر وہ جناب تا حیات پیش نہیں کر سکیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

ہمارا سوال نمبر ﴿۱۱﴾

ایک صحیح، صریح، مرفوع، غیر محتمل حدیث پیش کریں کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم حدیث میں ہو؟۔

جواب علیزئی لا مذہب:

اگر کپڑا ہو تو سر ڈھانپ کر نماز پڑھنی چاہئے اور یہی بہتر ہے۔ دیکھئے میری کتاب ہدیۃ المسلمین (حدیث نمبر: ۱۰) اور ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۱ ص ۵۱)۔

اقول :

علیزئی صاحب! آپ نے مذکورہ بالا عبارت لکھ کر اس بات کو خود ہی تسلیم کرلیا ہے کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ یہ بہتر نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھی جائے۔

آگے لکھا ہے کہ ''اگر کپڑا نہ ہو تو مرد کی نماز ننگے سر جائز ہے''

اقول :ہمارے سوال میں کپڑا نہ ہونے کا نہیں بلکہ کپڑا ہوتے ہوئے کا ذکر ہے۔

آگے علیزئی نے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث لکھی ہے جس کے بارے میں ''ڈھول کا پول'' میں موجود ہے۔

یہاں پر صرف مختصر عبارت عبدالجبار غزنوی، اور محمد داؤد غزنوی کے حوالہ سے لکھی جاتی ہے جو کہ ان لامذہبوں کے لئے قابل غور ہے جو لامذہبوں کی اس بارے میں وکالت کرتے ہیں:

''۔۔۔ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جبکہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں بہ صراحت یہ مذکور ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنالیا ہو۔ اس لئے اس بدرسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیئے اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبد اور خضوع اور خشوع و عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے، تعبد یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ **ولا یاتون الا وھم کسالی** (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر) غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے

(الاعتصام جلد ۱۱ ش ۱۸، بحوالہ فتاوے علمائے حدیث ۳/۲۹۱)

پس اب علیزئی اور اس مسئلہ میں اس کے ہمنوا اپنے ہی بزرگوں سے پوچھیں کہ ہم جو اس پر

دلائل تلاش کر کر کے لوگوں کو فراہم کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اسی عہد اول سے تعلق رکھنے والی روایات کا سہارا لے کر اس مسئلہ میں جواز فراہم کر رہے ہیں، ہم کس کھاتے میں ہوئے؟۔۔۔

اور بالخصوص وہ لا مذہب مولوی یا عوام جو کپڑا ہونے کے باوجود جب نماز پڑھنے یا پڑھانے لگتے ہیں تو سر پر لیا ہوا بھی اُتار کر آگے رکھ لیتے ہیں، کن میں شامل ہیں؟۔

ہمارا سوال نمبر ﴿۱۲﴾

''ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز میں دو دو فٹ کھلے پاؤں کر کے کھڑے ہونے کا حکم ہو؟''

جواب علیزئی لا مذہب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أقیموا صفوفکم و ترصوا)) الخ

اپنی صفیں قائم کرو اور ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہو جاؤ۔ الخ (صحیح بخاری: ۷۱۹)

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے ساتھ نماز پڑھنے والے مقتدی کے کندھے اور قدم سے قدم ملانا چاہیئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملاتے تھے دیکھئے صحیح بخاری (۷۲۵)

الحمد للہ اس حدیث پر اہل حدیث کا عمل ہے اور رہی بات دو دو فٹ والی تو یہ بریلوی سائل کا مسخرا پن اور ٹھٹھا ہے، جس سے اہل حدیث بری ہیں۔

اقول:

علیزئی صاحب! سوال میں نہ تو کندھے ملانے کے بارے میں اور نہ ہی پاؤں ملانے کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے بلکہ پاؤں کے فاصلے کی بات ہے جس پر آپ سے کوئی جواب تو بن نہ سکا لکھ دیا کہ ''یہ مسخرا پن اور ٹھٹھا ہے جس سے اہل حدیث بری ہیں''۔

علیز ئی جی! یوں لکھ دینے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی، ہر وہ شخص جس نے کبھی لا مذہبوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا ہے اس بات سے واقف ہے کہ لا مذہب با جماعت نماز میں بالخصوص یوں ہی کھڑے ہوتے ہیں، اگر یقین نہ ہو تو اپنے لا مذہبوں کے پاؤں کے درمیان پیمانہ رکھ کر تجربہ کر لیں۔

علیز ئی صاحب! جناب ایک بھی سوال کا جواب ہماری شرائط کے مطابق نہیں دے سکے اور قیامت تک دے بھی نہیں سکتے، ان شاء اللہ العزیز۔

حرف آخر:

اگر جناب میں کوئی دم خم ہے تو آیئے ہم پھر دعوتِ میدان دیتے ہیں، تشریف لائیں، اگر آنے میں کوئی قباحت محسوس کریں تو اپنے رسالہ میں شائع کر دیں کہ ہم نہیں تم آؤ اور وقت کا تعین بھی کر دو، ان شاء اللہ العزیز ہم آ جائیں گے۔

اور ہاں یہ ذہن نشین رہے کہ کسی ایرے غیرے کی بات نہیں آپ جناب جو بزعمِ خویش علمی میدان کے بڑے شہسوار بنے ہوئے ہیں بات آپ سے ہوگی۔ جس میں انتظامی معاملات کی ہر قسم کی ذمہ داری جناب کو قبول کرنا ہوگی۔

اب آخر میں ہم پھر یہ عرض کرتے چلیں کہ علیز ئی لا مذہب نے جو سوالات اہل سنت احناف پر وارد کئے ہیں وہ صرف ہمارے اُصول سے ناواقفیت کی وجہ سے کئے ہیں۔ پہلے وہ کتبِ اُصولِ فقہ کو پڑھے اور احناف کے اُصول دیکھ کر سوال کرے، ہم ان شاء اللہ اس کی تشفی فرما دیں گے۔

محمد ارشد مسعود

(حصہ دوم)

زبیر علیزئی لامذہب کے جواب میں

از قلم

ڈاکٹر قاری **ابو احمد محمد ارشد مسعود اشرف** چشتی رضوی

بانی و ناظم اعلیٰ : دار القلم اسلامک ریسرچ سنٹر پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلي ونسلم علی رسولہ الکریم۔

أما بعد :

علیزئی نامی ایک لامذہب نے اہل سنت و جماعت کے نامور عالم، مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی کے بارہ (12) سوالات جو آپ نے ان لامذہبوں کے بیان کردہ اُصولوں (جو یہ لوگوں کو اہل سنت سے متنفر کرنے کے لئے عوام کے سامنے اپنی غیر مقلدانہ ٹون کے ساتھ بیان کرتے ہیں) کے مطابق ایک سائل کی حیثیت سے کئے تھے جن کے جواب سے کئی بے چارے ہمت ہار بیٹھے، مگر کئی سال بعد زبیری ہنڈیا میں اُبال آیا تو اس نے اپنے رسالہ میں ان کے جوابات دینے کی کوشش کی، مگر جہاں اُس کے بڑے بڑے اپنے جاہلانہ اور نجدی ترکش خالی کر چکے تھے، ان کے ہوش گم ہو چکے اور وہ چاروں شانہ چت گر گئے تھے، اس بیچارے حضروی نابکار و نافرجام سے کیا بننا تھا، بس چند اوراق کو بے بنیاد و غیر متعلق دلائل سے سیاہ کر کے لگا شور مچانے کہ ہم نے جواب دے دیا ہے۔

اہل سنت و جماعت کی طرف سے فی الفور اُن کا جواب اس لئے نہ آیا کہ اس زبیری ہنڈیا کے بے وقت اُبال سے کوئی نئی چیز تو سامنے آئی نہیں تھی، وہی پرانے الفاظ جو پہلوں نے لکھے تھے تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ جمع کر دیئے گئے تھے۔

غیر مقلدین کی شیطانی سوچ کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن کا جواب بہت پہلے دیا جا چکا تھا لیکن ان اعتراضات کی سطحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا جواب لکھے جانے کے بعد بھی اُس کی اشاعت کے بارے میں کوئی خاص توجہ نہ دی گئی، مگر علیزئی کی رعونت اور خودسری آپے سے

باہر ہوگئی اور لگی بے ہنگم شور شر کرنے۔

تو ان کو آئینہ دکھانے اور رضوی دُروں سے راہِ راست پر لانے کی خاطر اس مضمون کا جواب چند اضافوں کے ساتھ شائع کر دیا گیا۔

پس رضوی شعلوں سے زبیری ہنڈیا تو شاید دم پخت ہو کر رہ جاتی، مگر دم بھرنے والوں نے جب ناک میں دم کیا تو ناک کٹنے کے خوف سے وہی پہلے والی لایعنی اور بے بنیاد باتوں کے ساتھ مزید مختل الحواسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چند اوراق شائع کر دیے جن میں اپنی مظلومیت کا رونا رونے کے ساتھ ساتھ اپنے ہی بڑوں کو موردالزام بھی ٹھہرا دیا۔

راقم الحروف نے لکھا تھا کہ:

''وہابیو! دیکھنا کہیں یہ تم میں ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' تو پیدا نہیں ہو گیا''

(دیکھئے براہین رضوی صفحہ ۲۴)

پس زبیر علیزئی نے اس کو سچ کر دکھایا کیونکہ نجدی اکابرین کے بے بنیاد سلفی منہج کو بالائے طاق رکھتے ہوئے لکھا کہ:

''ایک اہم بات: اہل حدیث (اہل سنت) کے نزدیک قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور ثابت شدہ اجماع شرعی حجت ہیں۔ احادیث سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے، لہذا اہل حدیث کے نزدیک ہر سوال کا جواب ادلہ ثلاثہ اور اجتہاد سے جائز ہے۔ اجتہاد کی کئی قسمیں ہیں مثلاً: نص پر قیاس، عام دلیل سے استدلال، اولیٰ کو ترجیح، مصالح مرسلہ اور آثار سلف صالحین وغیرہ۔ اہل حدیث کے اس منہج کو ماہنامہ الحدیث حضرو میں بار بار واضح کر دیا گیا ہے۔۔۔'' (ماہنامہ الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۲۷، ۲۸)

جواب: دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہمارا مسلک وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر

آج تک چلا آرہا ہے ہم کوئی نئی پیداوار نہیں ہیں مگر حیرانگی اُس وقت ہوتی ہے جب اپنے آپ کو اہلحدیث کہلوانے والوں کا منہج ہی ایک نظر نہیں آتا، یہ عجیب مسلک ہے جو بزعم خود چودہ پندرہ صدیوں سے چلا آرہا ہے مگر آج تک اس کا منہج ہی نہیں بن سکا۔

علیزئی صاحب کا بیان کردہ منہج آپ نے پڑھا، انہی کے گم کردہ راہ نام نہاد سلفی بزرگ جو چند سال پہلے اِس دنیا سے اپنی اگلی منزل کی طرف کوچ کر گئے ہیں اُن کے الفاظ میں دیکھیں کہ اہلحدیث کا منہج کیا ہے؟

چند سال کے بعد ان کے منہج میں کتنا فرق آیا اس موازنے سے یہ آپ کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا۔

لا مذہبوں وہابیوں کے شیخ الحدیث والتفسیر محمد یحییٰ گوندلوی نے "اہل حدیث کا منہج" کا عنوان جما کر لکھا ہے کہ:

"اہل حدیث قرآن وحدیث پر عمل کرنے والوں کا نام ہے جن کے عقائد اور اعمال کلیۃ قرآن وحدیث کے مطابق ہیں اور کسی ایک جگہ بھی اختلاف نہیں بلا شبہ اہل حدیث کا مسلک واحد ایسا مسلک ہے جو آراء وقیاسات سے آزاد خالص اسلامی تعلیمات کا حامل ہے ــــــ" (عقیدہ مسلم ص ۲۷، ناشر: دار الحسنیٰ)

یہی لا مذہبوں کے شیخ الحدیث والتفسیر "قیاس سے اجتناب" کی سرخی دے کر لکھتے ہیں کہ:

"ــــــ حالانکہ قرآن وحدیث میں دین کے معاملے میں قیاس کی اجازت نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین قیاس سے سخت نفرت کرتے تھے"۔

(عقیدہ مسلم ص ۴۹، ناشر: دار الحسنیٰ)

مزید لکھا ہے کہ: "قیاس کو شریعت کا درجہ دینے کا مطلب اس چیز کو شریعت قرار دینا ہے جو

عنداللہ اور عندالرسول شریعت نہیں۔ (عقیدہ مسلم ص ۱۵، ناشر: دارالحُنی)

لا مذہبوں کے شیخ الحدیث والتفسیر گوندلوی صاحب کے مطابق علیزئی ایک ایسے نظریہ کا قائل ہے جس سے بقول گوندلوی صاحب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سخت نفرت کرتے تھے، اور علیزئی ایک ایسی چیز کو شریعت قرار دے رہا ہے، جو ان کے خودساختہ ونام نہاد شیخ الحدیث والتفسیر صاحب کے بقول نہ تو عنداللہ شریعت ہے اور نہ ہی عندالرسول شریعت ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کیا علیزئی کے نزدیک گوندلوی صاحب اہل حدیث تھے یا کہ نہیں؟
کیا گوندلوی کا شمار وہ اپنے اکابرین میں کرتے ہیں یا کہ نہیں؟

اگر اہلحدیث تھے تو تسلیم کریں کہ ہمارا منہج میری خودساختہ تحقیقات کے ساتھ مکمل ہوا ہے اور اگر میرے بعد کوئی نیا محقق جو میری مثل ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' پیدا ہو گیا تو بدل بھی سکتا ہے۔

ایک اہم بات: میں نے دوبارہ یہ الفاظ اس لئے استعمال کئے ہیں کہ علیزئی کو باقی تمام الفاظ جو راقم الحروف نے اُس کے بارے میں لکھے تھے وہ برے لگے ہیں مگر یہ مثل اچھی لگی ہے اس لئے اس نے اس کا برا نہیں مانا ورنہ وہ اس کو بھی ذکر کرتا اور کہتا کہ یہ بھی مجھے گالی دی ہے۔

☆علیزئی نے اجتہاد کے جواز کے بارے میں لکھا ہے مگر علیزئی کے ایک دوسرے بزرگ خالد گرجاکھی نے لکھا ہے کہ:

''اجتہادات دین میں داخل نہیں ہیں دین صرف قرآن وحدیث کا نام ہے''۔
(مقدمہ، حدیث اور غیر اہلحدیث ص ب)

مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی نے جو سوالات

کئے تھے ان کا تعلق علیزئی کے نزدیک دین سے ہے یا نہیں؟۔

اگر وہ سوالات دین کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں تو اب ان دونوں میں سے ایک تو کذاب ہوگا؟ ہم نہیں کہتے بلکہ علیزئی بتائے کہ خالد گرجاکھی کذاب ہے یا علیزئی خود ؟۔

علیزئی اپنے آپ کو تو کذاب کہے گا نہیں کیونکہ وہ اس کو اپنے لئے گالی سمجھتا ہے، لامحالہ ماننا پڑے گا کہ علیزئی کے نزدیک خالد گرجاکھی ہی کذاب قرار پائے گا، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لا مذہبوں کے بزرگ ان کے نزدیک کذاب ہیں کیونکہ وہ اجتہادات کو دین سے خارج قرار دے رہے ہیں اور علیزئی دین میں اجتہادات کو جائز قرار دے رہا ہے۔

اس کے بعد علیزئی نے تقریباً آدھا صفحہ تقلید کے بارے میں گفتگو کی ہے جس میں ایک حوالہ فتاوی رضویہ اور ایک حوالہ جاء الحق کا نقل کیا ہے۔

ہم ان تمام لایعنی و بے بنیاد باتوں کا جواب دینے کو بھی تیار ہیں، لیکن پہلے ہمارے سوالات کے جوابات جو علیزئی اور لا مذہبوں کی پوری ذریت پر قرض ہیں وہ تو ادا کر لیں پھر ہم پر سوال کریں ہم ان تمام کا جواب دیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

راقم الحروف لا مذہبوں کی طرف سے آنے والے جوابات کے پیش نظر یہ کہتا ہے کہ پاکستانی لا مذہب پوری دنیا کے لا مذہبوں سے مل کر کوشش کر دیکھیں مگر ان سے ہمارے قائم کردہ سوالات کے جوابات ان شرائط کے مطابق نہیں بن پڑھیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

اس کے بعد علیزئی صاحب یوں بلند بانگ دعوی کرتے ہیں:

قول علیزئی: ''اہل حدیث اپنے عقیدے اور منہج کے مطابق ادلہ اربعہ سے بذریعہ

محدثین کرام اور علمائے حق (سلف صالحین کے فہم کو مدنظر رکھتے ہوئے) جواب دینے کے پابند ہیں"۔(الحدیث شمارہ نمبر:۸۶،صفحہ ۲۸)

جواب:اس لامذہب نے اپنے پہلے بزرگ لامذہبوں کا جنازہ اس طرح نکالا کہ ماضی قریب تک وہ جس بات کا راگ الاپتے رہے، زبیری ہنڈیا کے اجتہادی شعلوں نے ان کے نظریات کو جلا کر راکھ کر دیا۔

راقم الحروف نے براہین رضوی کے صفحہ ۲۳ اور صفحہ ۲۴ پر ان کے امام العصر، مفسر قرآن، محدث، فقیہ، مورخ، ادیب، مقرر، معلم، متکلم، صحافی اور نقاد محمد بن ابراہیم جونا گڑھی کی کتب کے حوالے دیے تھے، جن کو علیزئی نے سعودی ریالوں سے خریدا ہوا مال سمجھ کر ہضم کر لیا، ملاحظہ ہو:

جونا گڑھی لکھتا ہے کہ:"بحمد للہ جماعت اہل حدیث (غیر مقلد، وہابی، لامذہب) صرف انہیں دو چیزوں پر عامل اور قائم ہے نہ تیسری چیز کی ضرورت دین میں تھی نہ انہیں محسوس ہوئی، نہ انہوں نے تیسری ہستی ٹٹولی"۔ (توحید محمدی ۹۱، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

اور یہی جونا گڑھی ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ:

"۔۔۔ایک مٹھی میں قرآن لو دوسری میں حدیث لو جب تیسرا ہاتھ پیدا ہو تب تیسری چیز بھی پیدا کر لینا اب تو قرآن حدیث بس ہے باقی سب ہوس ہے۔۔۔"

(شمع محمدی ۲۷، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

اور یہی جونا گڑھی اسی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

"ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ جو قرآن حدیث میں جس طرح ہے وہی اسی طرح اسلام ہے جو اس میں نہیں وہ اسلام میں نہیں"۔ (شمع محمدی ۱۴۰، مکتبہ محمدی R-7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

سنو! اور غور سے سنو، یہی تمہارا بڑا جونا گڑھی لکھتا ہے کہ:

''سنئے جناب! بزرگوں کی، مجتہدوں اور اماموں کی رائے قیاس اجتہاد و استنباط اور ان کے اقوال تو کہاں؟ شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے بغیر وحی کے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں''۔ (طریق محمدی ص ۵۷، مکتبہ محمدی R۔7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

یہی جونا گڑھی اسی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

''تعجب ہے کہ جس دین میں نبی کی رائے حجت نہ ہو اس دین والے آج ایک امتی کی رائے کو دلیل سمجھنے لگے''۔ (طریق محمدی ص ۵۹، مکتبہ محمدی R۔7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

جونا گڑھی نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ:

''جب اللہ کے پیغمبر کو یہ اجازت نہ تھی کہ اللہ کے دین میں اپنی طرف سے کچھ کہہ دیں پھر اماموں اور مجتہدوں کو یہ منصب اور یہ رتبہ کیسے مل گیا؟۔

(طریق محمدی ص ۶۱، مکتبہ محمدی R۔7 / چیچہ وطنی، ساہیوال)

علیزئی کو چاہئے تھا کہ وہ ان حوالاجات کے بارے میں لکھتا مگر شاید آئمہ محدثین و مفسرین اور مجتہدین کے اقوال کو بغیر کسی تردد کے مردود و باطل لکھنے والے نے یہاں اس لئے خاموشی سادھ لی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے لا مذہبوں کے نظریات کو باطل و مردود قرار دوں تو میرا مسلک ہی برصغیر پاک و ہند میں دُم بریدہ رہ جائے، مگر علیزئی کو یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ ابھی ایک کے حوالے دیئے ہیں اگر زبیری ہنڈیا کی نجدی کڑھی کا اُبال نہ تھما تو ان شاء اللہ العزیز ایک ایک کر کے ان لا مذہبوں کے اس بارے میں اتنے حوالے ذکر کروں گا کہ علیزئی کو دنیائے نجد میں اپنا ہمنوا کوئی نظر نہیں آئے گا اور عوام و خواص کو بھی علم ہو جائے گا کہ علیزئی ایسے مسلک و نظریات کا مدعی ہے جس کا دنیائے نجد، نام نہاد اہلحدیثوں،

غیر مقلدوں میں وجود ہی نہیں تھا، جو اس کے مسلک و نظریات کے دُم بریدہ اور بے بال و پر ہونے کی واضح دلیل ہوگی، ان شاء اللہ العزیز۔

قول علیزئی ''سلف صالحین کے فہم کو مدنظر رکھتے ہوئے''۔

جواب: اس کے جھوٹا ہونے کی ایک واضح مثال آگے آرہی ہے ان شاء اللہ العزیز۔

قول علیزئی: اس کے بعد علیزئی نے لکھا کہ: ''اب سوال کی مناسبت سے چند تنبیہات پیش خدمت ہیں: (۱) صحیح حدیث کی طرح حسن لذاتہ بھی حجت ہے'۔

(الحدیث شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۲۸)

جواب: مناظر اہل سنت مدظلہ العالی نے سوالات میں یہ سوال نہیں فرمایا تھا کہ حسن حدیث حجت ہوتی ہے یا نہیں؟

بلکہ لامذہبوں کی طرف سے مچائے گئے صحیح کے بے ہنگم شور کے تحت صحیح کی قید کے ساتھ سوال کیا تھا کیوں کہ لامذہب اکثر احادیثِ حسان کا ذکر کئے بغیر صحیح کا ہی راگ الاپتے نظر آتے ہیں اور فریق مخالف سے صرف صحیح کا ہی مطالبہ کرتے ہیں اس لئے صحیح کی قید لگائی گئی تھی کیونکہ عمومی طور پر لامذہب اپنی تحریرات اور بیانات میں بھی صحیح ہی کی رٹ لگاتے نظر آتے ہیں دلیل کے لئے ملاحظہ ہو:

ایک لامذہب محمد ابراہیم سلفی اپنے ایک رسالہ ''عورت اور مرد کے طریقہ نماز میں فرق نہیں صفحہ ۹ تا ۱۳'' کے ابتدائیہ میں لکھتا ہے کہ:

''قرآن مجید اور صحیح احادیث رسول ﷺ منزل من اللہ ہیں اور یہی وہ حق ہے جسے اللہ نے نبی ﷺ پر نازل فرمایا ہے ﴿ما نزل علیٰ محمد وھو الحق من ربھم﴾ (محمد: ۴۷/۲) اصل آیت مبارکہ یوں ہے کہ: ﴿وامنوا بما نزل علی محمد وھو الحق من ربھم﴾

اور اسی حق کی اتباع کا حکم ہے :۔۔۔کہیں صحیح حدیث پر عمل ہوتا ہے۔۔۔۔۔صحیح حدیث و سنت پر خوب ہاتھ صاف کرتے ہیں۔۔۔دوران مطالعہ ہی صحیح احادیث و آثار اور شروحات کتب احادیث میں آئمہ وفقہائے محدثین کے وضاحتی بیانات کی روشنی میں ۔۔۔۔یہ کتابچہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔جس میں راقم نے نہایت اختصار کے ساتھ اہمیت،فرضیت و فضیلت نماز اور طریقۂ نماز صحیح احادیث کی روشنی میں تحریر کیا۔۔۔۔کوئی ایک بھی صحیح روایت دیکھنے کو نہ ملی۔۔۔اگر ایک بھی صحیح حدیث رسول ﷺ مل جاتی تو قطعاً قلم نہ اٹھاتا مگر پورے ذخیرۂ احادیث میں کوئی ایک بھی صحیح حدیث رسول ﷺ اس مروج فرق پر نہ مل سکی اور اب بھی اگر کوئی دوست صرف ایک ہی صحیح حدیث رسول ﷺ پیش کر دے تو تسلیم ہونے میں دیر ہوگی نہ عمل میں لانے میں کوئی ہچکچاہٹ۔

قارئین کرام! اس لا مذہب کے پورے ابتدائیہ میں کہیں بھی حسن حدیث کا ذکر نہیں ہے، بلکہ صحیح احادیث کے ساتھ جب دوسری چیز کا ذکر کیا تب بھی حسن حدیث کا نہیں بلکہ آثار کا ذکر کر دیا اور یاد رہے کہ یہ لا مذہب وہ ہے جس کے اس رسالہ پر نظر ثانی اور تقریظ ثناء اللہ مدنی کی ہے اور مقدمہ مبشر احمد ربانی کا ہے، اور یہ مبشر ربانی وہ ہے جس کی کتابوں پر نظر ثانی اور تقریظ علیزئی صاحب کرتے اور لکھتے رہتے ہیں۔

اس لئے سوالات میں صحیح کی قید لگائی گئی تھی جس نے علیزئی سے مذکورہ بالا جملہ لکھوا کر یہ ثابت کر دیا کہ دوسروں سے ہر بات میں صحیح حدیث کا مطالبہ کرنے والوں کے اپنے پاس بھی ہر مسئلہ میں صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔

قول علیزئی: آگے علیزئی نے لکھا ہے کہ:

"(۲) ہر جواب کا صریح ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر مقابلے میں خاص دلیل نہ ہو تو عام دلیل

سے بھی استدلال جائز ہے''۔ (الحدیث شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۲۸،۲۹)

جواب: علیزئی کو چاہئے کہ ان لامذہبوں پر ضربِ نعال کی بارش کرے جو دن رات اہل سنت سے صریح جواب اور خاص دلیل کا تقاضا کرتے رہتے ہیں، ہماری طرف سے یہ قید بھی ان وہابیوں کو آئینہ دکھانے کے لئے تھی۔

لطیفہ

نماز میں تسمیہ بلند آواز سے پڑھنا، اس بارے میں انہی کی جماعت کے ایک مولوی عبدالرؤف بن عبدالحنان سندھو نے صادق سیالکوٹی کی کتاب ''صلوۃ الرسول'' پر ''تخریج وتعلیق'' کا کام کیا، جس میں وہ لکھتا ہے کہ: ''الحاصل بسم اللہ جھراً پڑھنے کے متعلق کوئی صحیح صریح حدیث نہیں ہے لہذا بسم اللہ آہستہ ہی پڑھنی چاہئیے۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت اور جان پہچان رکھنے والے اس امر پر متفق ہیں کہ بسم اللہ جھراً کے بارے میں کوئی صریح روایت نہیں ہے۔۔۔۔''

(صلوۃ الرسول ۲۳۷)

اور صادق سیالکوٹی کی اسی کتاب پر یہی علیزئی تحقیق وتخریج کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:
''حکیم محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ ودیگر علمائے حدیث کا یہ فیصلہ بالکل صحیح ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ اور پکار کر پڑھنا۔ دونوں طرح جائز ہے۔

(تسہیل الوصول الی تخریج وتعلیق صلوۃ الرسول صفحہ ۱۵۸)

عجب بات ہے کہ لامذہبوں کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ایک دوسرا لامذہب تو کہہ رہے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صریح روایت نہیں، مگر علیزئی نے کہا کہ دونوں طرح جائز ہے گویا کہ صریح کے مقابلہ میں غیر صریح کو بھی قبول کرلیا، مگر یہاں لکھ دیا کہ: ''ہر جواب کا صریح

ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر مقابلے میں خاص دلیل نہ ہو تو عام دلیل سے بھی استدلال جائز ہے"۔ فیاللعجب۔

قول علیزئی: آگے علیزئی نے لکھا ہے کہ: "(۳) مرفوع حدیث حجت دائمہ ہے لیکن موقوف آثار سے بھی استدلال جائز ہے، بشرطیکہ مقابلے میں صریح دلیل نہ ہو"۔

(الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۲۹)

جواب: علیزئی نے جن سے ادلہ اربعہ کا سبق پڑھا، وہی عبدالمنان بے نور پوری صاحب لکھتے ہیں کہ: "اہل علم کو معلوم ہے کہ موقوف روایت فعلی ہو خواہ قولی شرعی دلائل میں سے کوئی سی دلیل بھی نہیں"۔ (مسئلہ رفع الیدین ص ۱۴)

کیوں جناب! جب جناب کے استادوں اور بزرگوں کے نزدیک موقوف روایت کسی قسم کی دلیل ہی نہیں تو اس سے استدلال کیسا؟۔

قول علیزئی: آگے لکھا ہے کہ: "غیر محتمل والی شرط فضول ہے کیونکہ ہر فریق دوسرے کی دلیل میں احتمال ہی احتمال نکال لیتا ہے بلکہ بریلویت و دیوبندیت کی بنیاد ہی احتمالات، تاویلات فاسدہ اور اکابر کی اندھی تقلید پر ہے۔ دیکھئے الحدیث حضرو: ۵۶ ص ۳۷۔۳۸۔

(الحدیث شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۲۹)

جواب: بکواس اور آئینہ میں اپنی صورت نظر آنے کے مترادف ہے، ہماری طرف سے یہ قید ان وہابیوں کے دماغ درست کرنے کے لئے تھی جو بد دماغی اور عقل و شعور سے عاری ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے مرفوع، صریح، صحیح اور غیر محتمل کا مطالبہ کرتے نہیں شرماتے۔ علیزئی کا بیان ان کے بے وقوف ہونے کا امتیازی نشان اور اہل سنت کی صداقت کا واضح اعلان ہے۔

باقی احتمالات، تاویلاتِ فاسدہ اور اکابر کی اندھی تقلید اگر وہابیوں میں نہیں ہے تو غیرت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے، سینے پر ہاتھ رکھ کر پڑھیئے اور لگایئے فتوی ان تیرہ بختوں پر جنہوں نے لکھا ہے: ''نبی کا فرمان حجت نہیں (طریق محمدی ص ۵۹) اللہ تعالی جھوٹ بول سکتا ہے (فتاوی سلفیہ ص ۵۵ یکروزہ ص ۱۷) اللہ کی شان بہت بڑی ہے کہ سب انبیاء اور اولیاء اس کے روبرو ایک ذرۂ ناچیز سے بھی کم تر ہیں۔ (تقویۃ الایمان، ص ۱۴۸ ناشر: ادارہ اشاعۃ السنۃ مرکزی جمیعۃ اہلحدیث مغربی پاکستان شیش محل روڈ لاہور) اونٹ وغیرہ جانوروں کا پیشاب حلال ہے (فتاوی ثنائیہ ا/ ۵۵۵، بحوالہ فتاوی علمائے حدیث ا/ ۲۷، مکتبہ سعیدیہ خانیوال) وغیرہ اگر آپ کی غیرت مردہ نہیں، ایمان کا سودا نہیں کیا، ضمیر نہیں بیچا تو ان لوگوں پر شرعی حکم لگاؤ تا کہ ثابت ہو کہ آپ خود اندھی تقلید اور شخصیت پرستی کے شرک سے بری ہو اور تاویلات واحتمالات سے بھی دور رہتے ہو، عقل کے اندھے! پہلے اپنے گھر کی خبر لو، پھر دوسروں کو الزام دینا۔

مذکورہ بالا بعض باتوں کا جواب ہم نے پہلے صرف اس لئے نہیں لکھا تھا کہ کلام طویل نہ ہو جائے اور اختصار کے ساتھ جواب دیا کہ علیزئی کی سمجھ میں آ جائے مگر معلوم ہوتا ہے کہ زبیری ہنڈیا اس وقت تک سرد نہیں ہوگی جب تک اس کو گرمانے والی دنیائے نجد کی آگ کو بجھایا نہیں جائے گا۔

اس کے بعد علیزئی براہین رضوی کے جواب میں لکھتا ہے:

قول علیزئی: ''اب ایک رضاخانی لامذہب کی طرف سے ''براہین رضوی'' نامی ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس میں بارہ سوالات میں سے صرف سوال نمبر ۸ کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے اور باقی گیارہ سوالات کو غالباً گیارھویں کا دودھ سمجھ کر پی لیا گیا ہے اور یہ

وضاحت بھی نہیں کی گئی کہ عباس رضوی نے مذکورہ سوالات کے جوابات سے راہ گریز کیوں اختیار کی؟۔(الحدیث شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۲۹)

جواب : اولا : علیزئی کا راقم الحروف کے متعلق ''رضاخانی لامذہب'' کا مرکب استعمال کرنا ایسا جھوٹ ہے جیسے کوئی دن کے بارہ بجے آسمان دنیا پر چمکنے والے سورج کو اس حالت میں دیکھے کہ کہیں آسمان پر ابر بھی موجود نہ ہو اور وہ کہے کہ سورج طلوع نہیں ہوا۔

علیزئی راقم الحروف کو لامذہب لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''تنبیہ: رضاخانی نے اہل حدیث پر اُصول وفروع میں تقلید نہ کرنے کی وجہ سے ''لامذہب'' کا مرکب فٹ کیا ہے، جبکہ احمد یار نعیمی رضاخانی نے لکھا ہے: ''عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔'' (جاء ۔۔۔ج اص ۱۷، تقلید: دوسرا باب) اس سے ثابت ہوا کہ رضاخانی فرقے والے عقائد میں ''غیر مقلد'' ہیں، لہذا وہ اپنے خود ساختہ اصول ہی سے ''لامذہب'' ہیں۔

(الحدیث شمارہ ۸۶ص ۳۰)

☆ جبکہ راقم الحروف نے براہین رضوی کے صفحہ ۲۳ اور ۲۴ پر وضاحت کردی تھی کہ ہم انہیں لامذہب کیوں کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اہلحدیث کہلوانے والے پہلے لامذہب تو اس بات کا واویلا کرتے رہے کہ کلام اللہ اور کلام رسول کے علاوہ کسی تیسری چیز کی دین میں ضرورت نہیں، حتی کہ بغیر وحی کے خود رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کچھ فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں ہے اور آج کل کے اہلحدیث کہلوانے والے کہتے ہیں کہ قرآن، حدیث، اجماع اور اجتہاد یعنی ادلہ اربعہ حجت ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے مذہب میں کبھی تو سوائے قرآن اور حدیث کے کچھ بھی حجت نہیں ہوتا اور کبھی ضرورت پڑنے پر اجماع اور اجتہاد سے بھی کام چلا لیتے ہیں گویا جیسا دیس ویسا بھیس۔

راقم الحروف نے براہین رضوی میں لکھا تھا کہ:

''۔۔۔مگر یہ لامذہب وقت پڑنے پر اجماع، اجتہاد اور قیاس کو بھی دلیل تسلیم کرتا ہے۔ وہابیو! دیکھنا کہیں یہ تم میں ''آدھا تیتر آدھا بٹیر''تو پیدا نہیں ہوگیا؟۔اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا کوئی مذہب نہیں ہے، ان کے بڑے کچھ کہتے اور لکھتے رہے، یہ آج کچھ اور کہہ اور لکھ رہے ہیں۔مگر یہ بات قابل افسوس نہیں، کیوں کہ یہ وہ گروہ ہے جو شہر بدلنے سے اپنا مسلک بدل لیتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو ملک بدلنے سے، زمانہ بدلنے سے، حکومت بدلنے سے نظریات تبدیل کر لیتا ہے، مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:

مولوی عبداللہ خانپوری نے ایک کتاب ''تذکرہ علمائے خانپور''لکھی جس میں اس نے اپنے لامذہب مولویوں کے تذکرے لکھے ہیں، اس میں وہ قاضی عبدالاحد بن قاضی محمد حسن م۱۹۲۸ کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ: (قاضی عبدالاحد) ''شہر کی مختلف مساجد میں نماز کے لئے جاتے اور جو کچھ وہاں دیکھتے وہاں کے امام سے چند سوالات کر کے اسے راہ پر لے آتے، اس غرض کے لئے مساجد احناف میں وہ آمین بالجہر اور رفع الیدین بھی نہ کرتے تھے''۔ (تذکرہ علمائے خانپور ۳۸، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور)

راقم الحروف نے تو اس لئے لامذہب لکھا کہ ان کا کوئی مذہب واُصول نہیں، جب چاہا جس نے چاہا اپنا نیا مذہب واُصول قائم کر لیا، جیسا کہ رفع الیدین کے بارے میں ان کے نظریات وخیالات سے اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ کبھی نماز میں رفع الیدین مستحب، کبھی سنت اور کبھی فرض، کبھی کرنے اور نہ کرنے سے نماز میں فرق نہ آئے، کبھی نہ کرنے سے نماز ہی نہ ہو، ان ہیرا پھیریوں کی وجہ سے راقم الحروف نے لامذہب لکھا تھا۔

پس علیزئی کا راقم الحروف کو اس وجہ سے لامذہب لکھنا نہ صرف جھوٹ بلکہ بیجا بہتان بھی

ہے۔

ثانیا: ''گیارہ سوالات کے جوابات کیوں نہ دیے گئے''

☆اس کے متعلق بھی راقم الحروف نے براہین رضوی میں پہلے ہی علیزئی کے مطالبہ کہ ''وہ ہمارے سوالات مکمل (بغیر کسی تبدیلی کے) نقل کر کے ان کے جوابات بھیجیں'' کے جواب میں ذکر کر دیا تھا، اگر پہلے نظر نہیں آیا تو اب دیکھ لیں: ''ایک لا مذہب و بے اُصول انسان کی باتوں میں تبدیلی کا تو وہ سوچیں جن کے پاس کوئی مذہب واُصول نہ ہو۔

الحمد للہ! ہم تو مذہب واُصول والے ہیں، اپنے مذہب واُصول کی پاسبانی کرنے کی خدائے بزرگ و برتر نے توفیق و ہمت عطا فرمائی ہے، جو کسی کے اُصول سے واقف ہی نہ ہو، اور بے بنیاد اٹکل پچو لگانے میں ہی مصروف رہتا ہو، اس کی باتوں کی طرف توجہ کرنا کوئی دانائی نہیں۔

اگر ہمارے سوالات کے جوابات دینے کا اتنا ہی شوق ہے تو پہلے ہمارے اُصول پڑھو، پھر ہم سے سوال کرو، پھر دیکھ تجھے کیسے جواب ملتے ہیں۔ہم نے تو تمہارے بنائے ہوئے اُصولوں کے مطابق سوالات کئے تھے جن کے جواب ابھی تک ان شرائط کے مطابق نہیں دیے جا سکے، جو سوالات کے ساتھ مذکور ہیں اور قیامت تک نہیں دیے جا سکیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔ (دیکھئے: براہین رضوی ۶، ۷)

اور تمہاری طرف سے آنے والے جواب نے اہل علم پر واضح کر دیا ہے کہ غیر مقلد ان مسائل کا جواب دینے میں نہ صرف بے بس ہیں بلکہ یتیم بھی ہیں۔

ثالثا: سوال نمبر آٹھ کا جواب کیوں لکھا گیا؟ اور باقی کو ترک کیوں کر دیا گیا؟

اس بارے میں بھی براہین رضوی میں لکھ دیا گیا تھا۔

جناب کی نظر اگر اتنی ہی کمزور ہو گئی ہے تو ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ ہمارے یہاں گوجرانوالہ میں آنکھوں کی بیماریوں کے علاج کے لئے کافی عرصہ سے ایک مراد ہسپتال بنایا گیا ہے وہاں پر ہی داخل ہو کر اپنی آنکھوں کا علاج کروا لیجئے، پھر شاید براہین رضوی پڑھیں تو ہماری مراد کو پہنچ جائیں، ہم براہین رضوی سے ہی دوبارہ نقل کر رہے ہیں، دیکھ لیں:

"**خامسًا:** آگے جناب علیزئی نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ایک تہمت وافتراء لگاتے ہوئے لکھا کہ اس کا جواب دیں، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد انہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میرے باقی سوالات تو فضول ہیں صرف یہ ایک سوال ہے جو شاید ان کے لئے بہت بھاری ہے اور اس کا جواب نہیں بن پڑے گا۔

علیزئی صاحب نے لکھا ہے کہ: "احمد رضا خان بریلوی نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا، جس کا باحوالہ ذکر اہل حدیث سوال نمبر ۸ میں موجود ہے اس کا جواب دیں اور اپنے تومولود رضا خانی فرقے کے امام کو کذب وافتراء کی جرح سے بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ اگر زندہ ہیں تو جواب دیں! (ارشوال ۱۴۳۱ھ، ۱۱ر ستمبر ۲۰۱۰ء)

اوّلًا: ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْن﴾ اے کذاب ومفتری! کیا تم جانتے نہیں کہ کسی انسان پر تہمت لگانا کتنا بڑا جرم ہے؟۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو اللہ رب العزت پر کوئی جھوٹ بولا ہے اور نہ ہی ان کا یہ بیان کرنا ذاتی ہے، بلکہ آپ نے تو جمادات ونباتات میں اطاعت ومعصیت کے مادہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جمادات ونباتات میں بھی معصیت کا مادہ پایا جاتا ہے، اور اس پر آپ نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے جو کہ نہ تو جھوٹ ہے اور نہ ہی آپ کا ذاتی بیان، جیسا کہ آگے اس کے بارے میں ذکر ہوگا، ان شاء اللہ العزیز۔

(دیکھئے: براہین رضوی صفحہ ۹)

ہم نے تو اس کا جواب دے کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر تمہاری طرف سے عائد کئے گئے الزام کا جواب دے دیا تھا جس کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تو اس سے بری قرار پا گئی، مگر تم اپنے اور اپنے بزرگ پر سے جب کذب کی جرح کا جواب دو گے تو دنیا دیکھے گی اور اہل دنیا پر تم دونوں میں سے ایک کا کذاب ہونا واضح بھی ہو جائے گا، پس یا تو خالد گرجاکھی کذاب بنے گا یا علیزئی، اب دیکھنا تو یہی ہے کہ علیزئی صاحب اپنے آپ کو کذاب شمار کرتے ہیں یا اپنے بزرگ خالد گرجاکھی کو؟۔

گیارہویں کا دودھ اہل اسلام ایصالِ ثواب کی غرض سے رکھتے ہیں جس سے ان کی غرض صرف اور صرف ایصالِ ثواب کی ہوتی ہے اور ایصالِ ثواب کے لئے وقف شدہ چیز کا استعمال کرنا ناجائز نہیں جیسا کہ صحابی رسول ﷺ نے اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کی خاطر پانی کا کنواں وقف کیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس سے پیتے رہے۔

مگر قبلہ مناظر اسلام کی طرف سے عائد کردہ شرائط کو، جواب دیتے ہوئے تم نے فطرانہ (جو تمہارے نام نہاد جہادی لا مذہب جمع کرتے اور کھاجاتے ہیں) سمجھ کر ہضم کیا تھا؟۔

رابعا: ’’مناظرِ اسلام مدظلہ العالی نے خود علیزئی کا جواب کیوں نہ لکھا‘‘۔

قبلہ مناظر اسلام مدظلہ العالی نے تمہاری طرح ٹامک ٹوئیاں مار کر اور اصل مطالبات سے راہِ فرار حاصل کر کے چند اوراق سیاہ کرنے والوں کو پہلے ہی جواب دے دیا تھا اور جو تم نے لکھا اس میں کوئی خاص نئی باتیں تو تھی نہیں کہ وہ ان کا جواب دیتے، اگر تمہیں اپنی طرف سے کئے جانے والے سوالات سے مطلب ہے تو وہ اس وقت تک تمہاری طرف سے فضول مطالبہ ہے جب تک قبلہ مناظر اسلام مدظلہ العالی کے سوالات کے جوابات ان کی عائد کردہ

شرائط (جوتمہارے ہی لا مذہب بھائی قائم کرتے رہتے تھے اور ہیں) کے مطابق تم نہیں دے سکتے، جب تم سے ان کے سوالات کے جوابات ہی نہیں بن پڑے تو تمہارا شور مچانا ہی بے بنیاد ہے، پس پہلے اپنے اور لا مذہبوں پر چڑھنے والا قرض تو اُتارلو، پھر مطالبات بھی کر لینا، مگر وہ نہ تم سے اُتر سکا اور نہ ہی کسی لا مذہب سے اُتر سکے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

علیزئی لکھتا ہے کہ: "رضا خانی نے راقم الحروف اور اہل حدیث یعنی اہل سنت کو جن رضا خانی گالیوں سے نوازا ہے، اس کی ہلکی سی جھلک درج ذیل ہے:

ا: اے نومولود مُفتری! (براہین رضوی ص ۳)۔ (الحدیث شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۲۹)

جواب: اولا: "اہل حدیث یعنی اہل سنت" اس کے متعلق تو راقم نے براہین رضوی میں صفحہ ۱۰ پر واضح کر دیا تھا کہ برصغیر کے اہلحدیث کہلوانے والے پہلے وہابی ہیں جنہوں نے اپنے لئے اہل حدیث کا نام انگریز سرکار سے الاٹ کروایا ہے، اور اب انہیں اہل سنت کہلوانے کا شوق چرا رہا ہے تو اس کے متعلق ایک کہاوت یاد آ گئی جو علیزئی کی سماعت کی نظر کرتا ہوں:

پہلے ساں جولاہے ، فیر بنے درزی
رڈ کھڑ کے بنے سَید، اگے ماں دی مرضی

ثانیا: علیزئی صاحب! "اے نومولود مُفتری" کو جناب نے گالی کیوں سمجھ لیا؟ کیا جناب اس کے حقدار نہیں، آیئے! پہلے اس کا معنی دیکھ لیں، اردو لغت کی مشہور کتاب "فیروز اللغات، ص ۱۳۸۲" میں ہے "نوف۔صف نیا۔جدید۔تازہ۔ابھی کا۔

اور اسی "فیروز اللغات، ص ۱۳۱۸" پر ہے: "مولود ع۔ا۔مذ جنا ہوا۔بچہ (۲) پیدائش کا دن (۳) بیٹا۔لڑکا۔پسر (۴) وہ مجلس جس میں حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش

کا بیان کیا جائے۔

اور اسی ''فیروز اللغات، ص ۱۲۶۹'' میں ہے: ''مُفتری ع۔صف افترا پرداز۔الزام رکھنے والا بہتان لگانے والا (۲) شریر۔مفسد۔دغاباز۔فریبی۔

اب مرکب کرلیں تو اس کے معنی بنیں گے (۱) ''نیا جنم لینے والا افترا پرداز'' (۲) ''جدید الزام رکھنے والا بچہ'' (۳) ''تازہ بہتان لگانے والا بیٹا'' وغیرہم۔

پہلے معنی کے لحاظ سے: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر پہلے بھی کئی لا مذہب الزام تراشیاں کرتے رہے ہیں، جن کے جواب الحمدللہ اہل سنت و جماعت کے علماء نے اپنی تصانیف میں دے دیے، اب نئے دور میں جناب نے جنم لیا اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر الزام لگایا کہ ''احمد رضا خان بریلوی نے اللہ تعالی پر جھوٹ بولا تھا''

(دیکھئے الحدیث ا/شوال ۱۴۳۱ھ، ۱۱ستمبر ۲۰۱۰ء، اور براہین رضوی صفحہ ۹)

جس کے بارے میں براہین رضوی کے صفحہ ۹ پر وضاحت کی گئی ہے کہ:

''اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو اللہ رب العزت پر کوئی جھوٹ بولا ہے اور نہ ہی ان کا یہ بیان کرنا ذاتی ہے، بلکہ آپ نے تو جمادات و نباتات میں اطاعت و معصیت کے مادہ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ جمادات و نباتات میں بھی معصیت کا مادہ پایا جاتا ہے، اور اس پر آپ نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے جو کہ نہ تو جھوٹ ہے اور نہ ہی آپ کا ذاتی بیان، جیسا کہ آگے اس کے بارے میں ذکر ہوگا، ان شاء اللہ العزیز''۔

(دیکھئے براہین رضوی صفحہ ۹)

ضرورت پڑنے پر دوسرے معنی کے مطابق بھی وضاحت کردیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

آگے علیزئی لکھتا ہے کہ: ''۲: ''تم اہل خبیثوں کی گستاخیوں اور۔۔۔'' (ص ۴)

(الحدیث شمارہ نمبر:٨٦صفحہ٢٩)

جواب:علیزئی سمجھتا ہے کہ میں اہل حدیث ہوں اور علیزئی پاکستان کے علاقہ حضرو اٹک میں مقیم ہے اور پاکستان میں رہ کر اہل حدیث کہلوانے والے پہلے لوگوں کو اسے اپنا بزرگ و اکابر بھی تسلیم کرنا ہوگا اگر کسی ایک آدھ سے جان چھڑا بھی لے تو کوئی بات نہیں بنے گی، پوری جمعیت سے تو ہاتھ نہیں دھو سکے گا، لامحالہ وہی اس کے بزرگ و اکابر قرار پائیں گے۔ ان کی جمعیت نے ایک کتاب شائع کی، جس کا نام رکھا گیا ''تقویۃ الایمان'' اس کی اشاعت و ترویج بھی کی گئی، پس جب وہ کتاب جمعیت کی طرف سے شائع ہو رہی ہے تو اس کی ذمہ دار جمعیت ہی قرار پائے گی ،اس کتاب کے بارے میں علیزئی بتائے اس میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی گستاخیاں ہیں یا نہیں؟ ،انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام و اولیاء کرام رحمہم اللہ کی گستاخی کرنے والا کون ہے؟

اس بارے میں انہی کے بزرگ لکھتے ہیں کہ:

''سنو! ہم محمدی اہلحدیث (یعنی برصغیر پاک و ہند کے وہابی) اس شخص کو ابلیس جیسا کافر جانتے ہیں جو کسی نبی اور ولی کی توہین تنقیص اور مذمت کرے''۔

(توحید محمدی،ص ٧٦، مصنف: محمد جونا گڑھی)

پس جب گستاخ ابلیس جیسا کافر ہے اور قرآن مجید نے کافر و مشرک کو نجس کہا ہے ﴿انما المشرکون نجس۔۔۔ الآیۃ﴾ اور نجس کا معنی ''گندہ۔ناپاک۔پلید'' ہے اور ''خبیث'' کا معنی بھی ''ناپاک پلید۔گندہ'' ہے، لہذا اگر راقم الحروف نے یہ لکھا تھا تو اس میں بھی شک نہیں کہ گستاخ خبیث ہوتا ہے اور اس کتاب ''تقویۃ الایمان'' کو شائع کرنے والے اس کے مصنف کے ہمنوا ہوئے اور وہی لوگ زبیر کے بزرگ و اکابر ہیں، لہذا اگر علیزئی کو راقم

الحروف نے اس کے بزرگوں کے ساتھ ملا دیا ہے تو اس میں سیخ پا ہونے والی تو کوئی بات نہیں تھی۔

آیئے واضح کردوں کہ برصغیر پاک و ہند میں موجودہ نام نہاد تحریک اہلحدیث اسی شاہ اسماعیل کی تحریک ہے، ہفت روزہ اہلحدیث کا مدیر اعلیٰ بشیر انصاری اپنی ایک تحریر میں لکھتا ہے کہ:

''سید اسمعیل شہید اور ان کے رفقاء مجاہدین کا شمار اس گروہ حقانی میں سر فہرست ہے ان کی عظیم الشان تحریک جہاد نے انسانوں پر انسانوں کی حکمرانی کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو بیدار کیا اور بیک وقت انگریزوں اور سکھوں کے خلاف برسر پیکار رہے۔ جس کے نتیجے میں اسلام کا پرچم بلند ہوا اور کتاب وسنت کی حقیقی حکمرانی کے نظام کی راہیں استوار ہوئیں۔ ان کی تحریک جہاد، تحریک اہل حدیث کی شکل میں آج بھی قائم ودائم ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

(تحریک اہل حدیث، افکار وخدمات صفحہ ۲۱، ناشر: مرکزی جمعیۃ اہلحدیث پاکستان)

پس واضح ہوگیا کہ موجودہ دور کے وہابیوں، لامذہبوں، نام نہاد اہلحدیثوں کی تحریک کا برصغیر پاک وہند میں بانی اسی کتاب تقویۃ الایمان کا مصنف شاہ اسماعیل ہے۔

اب علیزئی اپنے لفظوں کے مطابق فیصلہ کرے کہ جس تحریک کا بانی گستاخ ہے اُس تحریک کے دوسرے لوگوں کی حالت کیسی ہوگی؟۔

علیزئی نے ''امین اوکاڑوی (دیوبندی) کا تعاقب'' نامی اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ: ''مذہب اوکاڑوی باطل ہے کیونکہ مذہب کا بانی ہی یہ اعتراف خود کذب کا گنہ گار ہے تو اس مذہب کا کیا انجام ہوگا؟''۔ (امین اوکاڑوی کا تعاقب صفحہ ۱۴، نعمان پبلیکیشنز)

پس جس تحریک و جمعیت اور مسلک کا بانی ہی گستاخ ہوتو اس تحریک و جمعیت اور مسلک کا کیا حال ہوگا؟

تیسری گالی کا ذکر کرتے ہوئے علیزئی لکھتا ہے کہ:''۳:''اے مراقی!''

(الحدیث شمارہ۸۶صفحہ۲۹)

جواب: راقم الحروف کا''اے مراقی'' لکھنا بھی علیزئی نے گالی سمجھا تو اس کی مرضی۔ راقم الحروف نے یہ لفظ بھی خلاف واقعہ نہیں لکھا تھا کیونکہ مراقی کا معنی ہے''جنونی۔جو جنون میں مبتلا ہو''۔مراق وہ مرض ہے جس کو عام طور پر ہم مالیخولیا یا سودا کہتے ہیں۔علیزئی میں یہ مرض پایا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک ہی روایت کے بارے میں کبھی کچھ کہتا اور کبھی کچھ کہتا ہے، ملاحظہ ہو: ایک لامذہب ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کی ایک کتاب جس کا نام ہے''نماز نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' جس پر تحقیق وتخریج علیزئی نے کی ہے،اس میں نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی ابن خزیمہ کی روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ:''ابن خزیمہ ۱/۲۴۳ حدیث ۴۷۹' اسے امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے''۔

(نماز نبوی صلی اللہ علیہ وسلم،صفحہ۱۴۴ حاشیہ نمبر۵،ناشر: دارالسلام،اور دوسرا نسخہ صفحہ۱۱۷،شعبہ نشر واشاعت: اہل حدیث یوتھ فورس پاکستان،لاہور)

اولا: تو علیزئی کا یہ کہنا کہ اس کو امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے بالکل جھوٹ ہے ،اگر علیزئی صاحب یہ کہیں کہ امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں اس کو بیان کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی اس لئے میں نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے،تو علیزئی صاحب کیا امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح میں وارد تمام روایات جن پر اپنی صحیح میں انہوں نے کوئی جرح نہیں کی ان کو امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح تسلیم

کرتے ہیں اوران کی تصحیح قبول کرتے ہیں؟۔

نہیں، کیونکہ آپ خود اس کے قائل نہیں مگر یہاں مسلک کا معاملہ تھا اس لئے جھوٹ بول کران کی طرف اس کی تصحیح کومنسوب کر دیا کہ امام ابن خزیمہ نے اس کوصحیح کہا ہے۔ اگر یہ روایت واقعتاً صحیح تھی، تو علیزئی صاحب قبلہ مناظر اسلام مدظلہ العالی کے سوالات کے جواب میں ایک غیر صریح اور دوسری جوخودان کے نزدیک حسن تھی وہ روایت پیش نہ کرتے۔ علیزئی کاابن خزیمہ کی اس روایت کوپیش نہ کرنااس بات کی دلیل ہے کہ دال میں کچھ کالاضرور ہے ورنہ وہ اسے ہی پیش کر کے جان چھڑالیتے۔

ثانیا :ابن خزیمہ کی اس روایت کی سند میں امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں اوراس روایت کووہ صیغہ عن کے ساتھ بیان کررہے ہیں اورامام سفیان ثوری کی غیر صحیحین روایات صیغہ عن سے علیزئی کے نزدیک ضعیف ہوتی ہیں جس پرعلیزئی کی ''نورالعینین'' وغیرہ کتب گواہ ہیں یہاں مسلکی حمایت کا مسئلہ تھااس لئے جھوٹ بول کراسے امام ابن خزیمہ سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی اور جہاں مسلک کے خلاف روایت آئی وہاں سفیان ثوری کے صیغہ عن کی وجہ سے ہی ضعیف ومردود قرار دے دیا، کیایہ مسلکی سودائیت اور مالیخولیے کی علامت نہیں؟۔

ثالثا :علیزئی کی تحریروں کامطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اگراسے مسلک کی مخالفت میں کسی کتاب کے کسی راوی کے حالاتِ توثیق نہ ملیں تووہ پوری کتاب کوہی ضعیف وباطل قراردے دیتاہے،مگر مسلکی حمایت میں اس نے ''عبادات میں بدعات'' میں ''البدع والنھی عنھا'' جوکہ محمد بن وضاح کی طرف منسوب ہے کےحوالہ سے روایات کوصحیح قرار دیا، جبکہ اس کتاب کومحمد بن وضاح سے روایت کرنے والے ''اصبغ بن مالک'' کے حالاتِ

توثیق ہی نامعلوم ہیں، کیا یہ باتیں مسلکی سودائیت کا باعث نہیں؟۔

بقول علیزئی چوتھی گالی ہے کہ: "۴: "تجھ جیسے نابکار، جاہل مطلق" (ص ٦)"۔

(الحدیث، شمارہ: ٨٦ صفحہ ٢٩)

اولاً : اردو لغت کی مشہور و معروف کتاب "فیروز اللغات، ۱۳۳۵" پر "نابکار" کا معنی بیان کیا گیا ہے کہ "نابکار۔ف۔صف (ا) نکما۔ بے فائدہ۔ بے کار (۲) بدذات۔ نالائق۔ شریر۔ بدکار (۳) نازیبا۔ خراب۔ بے ہودہ"۔

راقم الحروف ایک ایک لفظ کی تشریح کرنے کی بجائے غیر مقلدین کے ہی ایک عالم عبد الرؤف بن عبد الحنان سندھو صاحب کی ایک عبارت نقل کرتا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ میرا یہ لکھنا ان کے اپنے لوگوں کی ہی ترجمانی ہے اور ان کے اپنے ہی علیزئی صاحب کو یہی کچھ سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کی ہی کتاب "نماز نبوی ﷺ" کے متعلق لکھا ہے کہ:

"ڈاکٹر صاحب نے اس ایڈیشن کے ابتدائیہ (مکتبہ التوحید۴۔ بلال سٹریٹ ملتان روڈ لاہور) میں صحتِ احادیث کے سلسلے میں جن کتب پر اعتماد کیا تھا ان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا۔ الحمد للہ اس کتاب کی ترتیب میں کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحیحہ سے مدد لی جائے۔ احادیث کی صحت کے لئے علامہ ناصر الدین البانی۔ حفظہ اللہ۔ اور محترم عبد الرؤف سندھو خریج الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ کی "تحقیق وتخریج صلوۃ الرسول" پر اعتماد کیا گیا ہے ، ملاحظہ ہو۔ (ص: ۹)۔ مگر جب یہی کتاب دار السلام سے زبیر صاحب کی تخریج سے شائع ہوئی تو اس سے شیخ البانی۔ رحمہ اللہ۔ کا نام غائب ہو گیا۔ ملاحظہ ہو (ص: ١٧)۔

اور یہ کام ڈاکٹر صاحب کا نہیں بلکہ زبیر صاحب کا ہے کیونکہ موصوف نے

اس کتاب کے اپنے ''مقدمہ التحقیق'' میں موضوع نماز سے متعلق جن کتب میں ضعیف روایات پائی جاتی ہیں ان میں سے متعدد کتب کا ذکر کرتے ہوئے شیخ۔رحمہ اللہ۔کی کتاب ''صفۃ صلوۃ النبی۔صلی اللہ علیہ وسلم۔'' کا ذکر بھی کیا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ امر مستحسن نہیں کیونکہ کچھ اوہام یا اغلاط کی بناء پر کسی عالم یا اس کی کتاب کو غیر معتمد ٹھہرا دیا جائے تو پھر ہمیں بڑے بڑے ائمہ اور محدثین کو خیر باد کہنا پڑے گا کیونکہ اوہام اور اغلاط سے کوئی بشر بھی مبرا نہیں چنانچہ موصوف کے بھی بڑے عجیب وغریب اوھام اور اغلاط ہیں ان اوھام اور اغلاط کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔۔آگے مثال ذکر کی گئی ہے۔۔۔

(احناف کی چند کتب پر ایک نظر مع رسالہ (فرض نمازوں کے بعد دعائے اجتماعی اور اہل حدیث کا مسلک اعتدال ازابو مسعود سلفی) کی حقیقت، حاشیہ صفحہ ۵۔۶، دارالاشاعت اشرفیہ سندھو۔قصور)

سندھو صاحب کے بقول زبیر صاحب نے ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کی کتاب پر بقیہ قبیح اور گھٹیا کاموں کے ساتھ ایک کام ہاتھ کی صفائی کا یہ بھی کیا کہ اس کے لکھے ہوئے الفاظ غائب کر دیئے، اب ہم اور تو کچھ نہیں کہتے صرف یہ ہی کہتے ہیں کہ ایسا کام کرنے والے کو، خائن، بدذات، شریر، بدکار کہنے میں کوئی حرج تو نہیں ہوگا؟۔

اور جس کا کام اِس کے اپنوں کے نزدیک مستحسن نہ ہو اسے نکما، بے فائدہ، بے کار کہہ دیا جائے تو اس میں کون سی خرابی واقع ہو جاتی ہے جو علیزئی صاحب لال پیلے ہو گئے اور اس کو اپنے لئے گالی سمجھ لیا؟۔

ثانیا: ''جاہل مطلق''۔اردو لغت کی کتاب ''فیروز اللغات، ص ۴۴۸ پر'' جاہل ع۔صف (۱) ان پڑھ۔ناخواندہ (۲) وحشی۔اجڈ۔بداخلاق۔بے ادب گستاخ۔نادان۔اناڑی (۴) ناواقف۔بے خبر۔انجان۔اور صفحہ ۱۲۵۹ پر'' مطلق ع۔صف آزاد۔بے قید (۲)

بالکل۔ قطعی جیسے آزاد مطلق۔۔۔"۔

نرم الفاظ کے ساتھ، ایسے شخص کے لئے جاہل مطلق کا مرکب استعمال کیا جاسکتا ہے جو بالکل ناواقف ہو، راقم الحروف نے زبیر صاحب کو اگر جاہل مطلق لکھا ہے تو اس میں بھی مبالغہ نہیں بلکہ درست لکھا کیوں کہ علیزئی صاحب ادلہ اربعہ کو دلیل کہتے ہیں جبکہ ان کے بزرگوں کے نزدیک جیسا کہ ذکر ہوا صرف دو ہی دلیلیں ہیں اب دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں یا تو علیزئی صاحب اپنے بزرگوں کے اصولوں سے بالکل واقف ہی نہیں کہ ادلہ اربعہ کو دلیل بنا رہے ہیں یا پھر ایسے بے ادب شتر بے مہار ہیں کہ اپنے بزرگوں کو ہی جھٹلانے کے درپے ہیں۔

بقول علیزئی گالی نمبر 5 ہے کہ: "۵:" آپ جناب جیسے جنم جنم کے ڈرپوک گیدڑ" (ص ۷)

(الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۲۹)

جواب: علیزئی صاحب! براہین رضوی کو اگر آپ نے مکمل پڑھا تھا تو آپ کو علم ہو جانا چاہئے تھا کہ اسے لکھنے والا کوئی آپ کا بھیتی ہے اور جاننے والوں سے چھپنا مشکل ہی ہوتا ہے۔

راقم الحروف نے تو واضح لکھا تھا کہ: "جناب کی یاد دہانی کے لئے عرض ہے کہ سرزمین گوجرانوالہ میں جناب اپنی جماعت کے مناظر طالب۔۔۔شاہ کے ساتھ جب اپنی تحقیق ظاہر کرنے تشریف لائے تھے تو یہی شخصیت تھی جس نے جناب کو کہا تھا کہ پیچھے سے مشورہ دینے کی بجائے خود مناظر بن کر سامنے آییے، مگر اس وقت جناب کو کیا ہوا تھا؟

شاید جناب کو سانپ سونگ گیا تھا ویسے حاضرین تو جناب کے چہرے کی رنگت کے بدل جانے سے ہی جان گئے تھے۔ یہ وہی شخصیت تھی جن کے سوالوں کے جوابات نہ بن پڑنے پر جنابِ من اور جناب کی جماعت کے مناظر مع معاونین، اس شخصیت کے نماز پڑھنے کے

دوران۔۔۔دُم دبا کر بھاگ گئے تھے۔اگر یادداشت ساتھ نہ دے تو آج بھی مناظرۂ وسیلہ کے کیسٹ منگوا کر یادداشت کو تازہ کر لیجئے۔ (براہین رضوی،ص ۲۸۔۲۹)

جناب! ہمیں علم ہے آپ نے گوجرانوالہ میں شیخ سرور صاحب اوران کے پسر کی وجہ سے مسئلہ وسیلہ پر ہونے والے مناظرہ میں کیا کردار ادا کیا تھا، وہاں تو جناب کی سٹی گم ہوئی تھی، دن کو تارے نظر آ گئے تھے اور ساری علمیت دھری کی دھری رہ گئی تھی،اور گوجرانوالہ سے ایسے غائب ہوئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔پس جب جنابِ محدثِ نجدیاں نے انہی کو جن کے سامنے رکنے کی جناب من بلکہ دو من ہمت نہ کر سکے، بزدلی کا طعنہ دیا اور مردِ میدان بننے کا مشورہ دیا تو اس کے علاوہ کیا کہا جاتا؟ یہ صفت گیڈر میں بھی پائی جاتی ہے کہ جب تنہا ہو یا اپنے ٹھکانے پر ہو تو بہت بہادروں جیسی حرکتیں کرتا ہے مگر جب کبھی کسی بہادر سے پالا پڑے مرد میدان بننے کی بجائے حضرو میں بیٹھ کر بڑھکیں مارتا اور شیخیاں بگھیرتا نظر آتا ہے۔

علیزئی نے چھٹی گالی کا انتخاب کرتے لکھا ہے کہ:''۶:''اے کذاب ومفتری!''(۹)۔

(الحدیث،شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۲۹)

اس کے متعلق ذکر ہو چکا۔

علیزئی نے ساتویں گالی شمار کرتے لکھا کہ:''۷:''اے مختل الحواس!''(ص ۷) وغیر ذلک

(الحدیث،شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۲۹)

''فیروز اللغات،ص ۱۲۱۶'' پر ہے کہ:''مختل الحواس ع۔صف حواس باختہ۔مخبوط الحواس۔ وہ شخص جس کے اوسان میں فتور آ گیا ہو۔فاتر العقل''۔

زیادہ تفصیل کی بجائے صرف اتنا کہتا ہوں کہ جو میدان سے راہ فرار اختیار کر چکا ہو پھر بھی

شہسوارِ میدانِ مناظرہ ہونے کے خواب دیکھے تو اسے مختل الحواس نہیں کہا جائے گا تو کیا کہا جائے گا؟۔

علیزئی کے مخبوط الحواس ہونے کی ایک واضح مثال سوال نمبر دو کے تحت ذکر ہوگی، ان شاء اللہ۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: "نبی کریم ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے کہ منافق کی چار نشانیاں ہیں: ((واذا خاصم فجر ۔)) اور جب جھگڑا کرے تو بد کلامی کرے اور حد سے تجاوز کرے۔ (صحیح بخاری: ۳۴، غلام رسول سعیدی کی نعمۃ الباری ۱/ ۲۳۵)۔

(الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۲۹)

جواب: راقم الحروف نے جتنے الفاظ و مرکب علیزئی کے بارے میں لکھے تھے ان کے بالتفصیل جوابات ذکر کر دیئے گئے ہیں جن میں سے کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں جس میں حد سے تجاوز کیا گیا ہو، بلکہ سب الفاظ و مرکبات ایسے ہیں جن کے علیزئی صاحب بدرجہ اتم حق دار اور تمغہ یافتہ ہیں، جیسا کہ دلائل کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، پس یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علیزئی کا راقم الحروف کے بارے میں یہ کہنا خود کذب و افتراء ہے، جو ایک منافق کی پکی نشانی ہے جیسا کہ آگے علیزئی نے خود ہی بیان کیا ہے، پس جو الزام علیزئی راقم الحروف کے سر تھوپنا چاہتا تھا وہ خود اسی کے سر پر فٹ آ گیا اور اپنی ہی بیان کردہ دلیل کے تحت علیزئی منافق قرار پایا۔

راقم الحروف نے براہین رضوی میں یہ واضح کر دیا تھا کہ یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نہ تو اپنا دعوی ہے اور نہ ہی آپ کا اپنا نظریہ بلکہ آپ نے تو کتب احادیث و تفاسیر میں موجود ایک روایت کا ذکر کیا ہے، جبکہ علیزئی نے لکھا ہے کہ: "احمد رضا خان بریلوی کا یہ

دعوی ہے کہ شمالی ہوا نے اللہ تعالی کا حکم نہیں مانا تو اللہ تعالی نے اسے بانجھ کر دیا۔۔۔

(الحدیث شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۳۰)

پس علیزئی کا یہ لکھنا صریح جھوٹ وافتراء ہے۔

الحمدللہ! اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مادۂ معصیت واطاعت کے ذکر میں جو بات بیان فرمائی ہم نے اس کو کتب تفاسیر واحادیث وسیر وغیرہم سے باحوالہ نقل کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نہ تو یہ جھوٹ ہے اور نہ ہی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی انفرادی بات۔

مگر علیزئی کے استادِ محترم بدیع الدین راشدی صاحب جس کو اپنی جماعت کی دعوۃ کا امام تسلیم کرتے اور لکھتے ہیں اُس محمد بن عبدالوہاب نجدی نے واضح طور پر نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے، ملاحظہ ہو: محمد بن عبدالوہاب نجدی نے ایک کتاب بنام ''کتاب التوحید'' لکھی اور اس کے باب ''ما جاء فی الذبح لغیر اللّٰہ'' میں چڑھاوا چڑھانے کی مذمت میں ایک روایت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے طارق بن شہاب کی روایت سے نقل کی اور اس کو مرفوع بیان کیا، یعنی طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص صرف مکھی کی وجہ سے جنت میں جا پہنچا اور ایک جہنم میں چلا گیا ۔۔۔۔الخ۔

(دیکھئے کتاب التوحید، مترجم، ص۱۰۴۔تا ۱۰۷، ترجمہ: عطاء اللہ ثاقب غیر مقلد، وہابی، لامذہب)

اس محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں زئی کے استادِ محترم بدیع الدین راشدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''شیخ الاسلام والمسلمین، علم العلماء المجاہدین، امام دعوۃ السلفیۃ ۔۔۔ محمد بن عبدالوہاب ۔۔۔ (مقدمہ ہدایۃ المستفید ص ۷۹)

یاد رہے کہ یہی روایت پاکستانی وہابیوں کے شیخ الحدیث یحییٰ گوندلوی نے اپنی کتاب بنام" عقیدہ مسلم" کے صفحہ ۱۵۵،۱۵٦ پر بھی نقل کی ہے۔

پس راشدی صاحب کے الفاظ سے واضح ہوا کہ پاکستانی وہندستانی وہابی، نام نہاد اہلحدیث ،جس سلفی منہج کی بات کرتے ہیں اس کا امام اسی محمد بن عبدالوہاب نجدی کو سمجھتے ہیں۔

اب ان کا امام مذکورہ بالا روایت کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر رہا ہے جو کہ صریح ترین جھوٹ ہے، اگر علیزئی اور اس کے ہمنوا نام نہاد اہل حدیثوں ،سلفیوں ، وہابیوں ، نجدیوں میں ہمت ہے تو اس کا فرمان رسول اللہ ﷺ ہونا ثابت کریں، نہیں تو تسلیم کریں کہ جس دعوت کے وہ مدعی ہیں اس میں ان کا امام جھوٹا ہے اور جس دعوت کے مدعیوں کا امام ایسا ہے ان کا اپنا حال کیا ہوگا؟۔

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ:

"چشتی کے لقب سے ملقب رضاخانی لامذہب نے سابقہ اکاذیب وافتراءات کی طرح مزید کذب وافتراء اور بہتان سے بھی کام لیا ہے مثلا: ۱:" اے مغرور گوجرانوالہ!" (۳) ۔۲:" موقوف تو جناب کے ہاں قابل حجت ہی نہیں۔" (۳۴)۔اور منافق کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ (الحدیث،شمارہ نمبر ۸٦ صفحہ ۳۰)

جواب: اولا :علیزئی کا یہ کہنا کہ "سابقہ اکاذیب وافتراءات کی طرح" یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے، اس کی حقیقت تو قارئین کو پچھلے اوراق میں بیان کردہ حقائق سے ہوگئی ہوگی اور یہ بھی علم ہوگیا ہوگا کہ اپنے اس قول کے مطابق علیزئی منافق قرار پاچکا۔

ثانیا : علیزئی کا لکھنا کہ "مزید کذب وافتراء اور بہتان سے بھی کام لیا ہے مثلا:۱:" اے مغرور گوجرانوالہ۔" علیزئی کا خیال یہ ہے کہ راقم الحروف کا اسے گوجرانوالہ کا مغرور قرار دینا

کذب وافتراءاور بہتان ہے۔

علیزئی صاحب! میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ یہ الفاظ لکھتے وقت تمہارے ضمیر نے تمہیں ضرور جھنجھوڑا ہوگا کہ اے منافق! یہ الفاظ نہ لکھ۔اور مناظرۂ وسیلہ سے فرار ہونے کا منظر بھی تمہاری آنکھوں کے سامنے آ گیا ہوگا، مگر تیرے قلم نے کہہ دیا ہوگا کہ علیزئی! کوئی بات نہیں، لکھ دے، تو چل ہی اس راہ پر رہا ہے، تیرا کام ہی یہی ہے کہ غیر مقلدوں، نام نہاد سلفیوں، نجدیوں، وہابیوں کے بدنما، گستاخیوں سے داغ دار چہرہ کو چودھویں کا چاند کہے۔

علیزئی صاحب! راقم الحروف نے تو براہین رضوی میں یہ الفاظ لکھنے سے پہلے لکھا تھا کہ:

''اے نومولود مُفتری! محمد عباس رضوی صاحب کوئی مجہول شخص نہیں بلکہ اہل سنت کے ایک مشہور ومعروف عالم دین ہیں براہین رضوی میں عبارت یوں تھی ''بلکہ ایک معروف ومشہور اہل سنت عالم دین ہیں'' جن کے سامنے سے تو اور تیرا مناظر طالب ۔۔۔یوں غائب ہوئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔(ص۳)

اور اس کے بعد لکھا تھا کہ: ''اے مختل الحواس! کیا گوجرانوالہ کی سرزمین سے دُم دبا کر اپنی ننھی سی جان بچانا بُھول گئے کہ اب مردِ میدان بننے کی باتیں جناب کو یاد آ گئیں؟(ص۷)

اگر ابھی تک تمہیں یاد نہ آیا ہو اور تیری یادداشت ختم ہو چکی ہو تو اپنے مناظر سے پوچھنا اور وہ بھی نہ بتائے یا اس کے بتانے سے بھی تجھے یاد نہ آئے تو ''ادارہ رضائے مصطفیٰ، چوک دار السلام گوجرانوالہ'' سے آڈیو کیسٹ منگوا کر یادداشت کو تازہ کر لینا اگر پھر بھی کوئی شک رہ جائے تو اس مناظرے میں مقرر منصف پیر جی مشتاق شاہ دیوبندی سے معلوم کرنا تمہارے سب ہوش ٹھکانے آ جائیں گے، ان شاءاللہ العزیز۔

ثالثا: ''موقوفات کا حجت ہونا'' اس بارے میں ایک حوالہ تو پیچھے ذکر ہو چکا اور اپنے امام

العصر جونا گڑھی کے دوسرے اقوال بھی جناب پڑھ چکے، لیجئے! خاص موقوف روایت کے بارے میں بھی ان کا قول پڑھئے، لکھا ہے کہ:

''یادرکھو اگر یہ روایت ثابت بھی ہو جائے جب بھی حجت نہیں کیونکہ موقوف ہے''۔

(محمدیات حصہ اول، درود محمدی، صفحہ ۶۵ مکتبہ محمدیہ چک R-7/109 چیچہ وطنی، ساہیوال)

مزید پڑھو! جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ کے سابقہ شیخ الحدیث، مفتیٔ اعظم، شیخ الکل فی الکل ابوالبرکات احمد نے لکھا کہ:

''یوں بھی صحابی کا عمل ہے بہر حال اس سے استدلال نہیں ہوسکتا''

(فتاوی برکاتیہ، ص ۴۴، مؤلف وناشر: محمد یحییٰ طاہر)

ایک ایک کا حوالہ ذکر کرنے کی بجائے ہم جناب کے امام المناظرین اور سردار اہلحدیث سے جناب کے کئی بزرگوں کے حوالے یک بارگی نقل کر دیتے ہیں، پڑھئے! اور بتائیے یہ آپ کے ہیں یا نہیں؟۔

کیا یہ وہابیوں کے بزرگ ہیں یا کہ نہیں؟

کیا یہ تم جیسے لامذہبوں کے اکابر ہیں یا نہیں؟

آپ کے ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نے لکھا ہے کہ:

''میرا مذہب اور عقیدہ یہ ہے کہ میں خدا، رسول کے کلام کو سند اور حجت شرعیہ مانتا ہوں۔ ان کے سوا کسی ایک یا کئی اشخاص کا قول یا فعل حجت شرعیہ نہیں جانتا۔۔۔۔ میں نے اہل حدیث کا مذہب یہی سمجھا ہوا ہے میں اپنے اس دعوے پر چند اکابر علماء اہل حدیث کو بطور گواہ پیش کرتا ہوں:

پہلا گواہ: پہلے گواہ چوتھی صدی ہجری کے محدث حافظ ابن حزم ہیں (جس کو جناب کی داد دی

پارٹی نے اپنا امام تسلیم کیا ہے) جنہوں نے حجِ اسلامیہ کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے: دین الاسلام اللازم لکل احد لا یؤخذ الا من القرآن أو مما صح عن رسول الله ﷺ اما بروایت جمیع علماء الامة عنه علیه الصلوة والسلام وهو الاجماع واما بنقل جماعة عنه علیه الصلوة والسلام وهو نقل الکافة۔ واما بروایت الثقات واحدا عن واحد حتی یبلغ الیه علیه الصلوة والسلام ولا مزید۔ (المحلی جلد اول ص ۵۰) [المحلی بالآثار ۱/ ۷۲ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان، الطبعة الثالثة: ۱٤۲٤ھ]

ترجمہ: دین اسلام سوائے قرآن حدیث کے کسی اور چیز سے ماخوذ نہیں نہ صرف اجماع سے نہ محض قیاس سے۔

دوسرے گواہ: وہ بزرگ ہیں جن کی توثیق بالفاظ مولانا محمد حسین بٹالوی اور حافظ عبد اللہ روپڑی کتاب ہذا (مظالم روپڑی) ص ۲۱۔۲۲ پر گزر چکی ہے یعنی قاضی شوکانی مرحوم۔

تیسرے گواہ: مولانا محمد حسین مرحوم بٹالوی ہیں جنہوں نے قاضی شوکانی (اسے بھی آپ کی داؤدی پارٹی نے اپنا بزرگ تسلیم کیا ہے) کا قول نقل کر کے ان کے ساتھ توافق ظاہر کیا ہے آپ کے الفاظ یہ ہیں: محمد بن علی الشوکانی الیمانی نے حجت نہ ہونا قول صحابی کا جمہور علماء کی طرف نسبت کیا ہے اور قائلین حجیت قول صحابی کے جواب میں کہا ہے کہ اگرچہ صحابہ کی بزرگی وفضیلت علم ودین میں مسلم ہے ولیکن اس سے ان کے اتباع کا وجود لازم نہیں آتا۔ اور نہ خدا نے کہیں اس بات کا اذن دیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث اصحابی کالنجوم جس سے قائلین حجیت تمسک کرتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ اس کے بعد کہا ہے: فاعرف هذا و احرص علیه فان الله لم یجعل الیك والی سائر هذه الامة رسولا الا

محمدا ﷺ ولم یامرك باتباع غیره ولا شرع لك علی لسان سواه من امته حرفا واحدا ولا جعل لك شیئا من الحجة علیك فی قول غیره کائنا من کان انتهی کلام الشوکانی علی ما نقله عنه فی هدایة السائل الی ادلة المسائل۔

راقم کہتا ہے کہ جو امام شوکانی نے دلیل عدم حجیت اقوال صحابہ بیان کی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بجز آنخضرت ﷺ کے کسی کا اتباع کسی پر لازم نہیں کیا۔ کتاب وسنت واجماع امت اس پر شاہد ہے تفصیل اس اجمال کی مبحث تقلید میں کی جاویگی۔ اس مقام میں قول امام مالک کا اس کی تائید میں ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنی کلام میں ماخوذ نہ ہو اور وہ اس کی طرف پھیری نہ جاوے بجز صاحب اس روضہ مبارک کے کہ آنخضرت ﷺ ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب شعرانی نے میزان کبری میں ان سے نقل کیا ہے وکان یقول ما من احد الا وماخوذ من کلامه و مردود علیه هو الا صاحب هذه الروضة یعنی به رسول الله ﷺ۔ اور جو امام شوکانی نے کہا ہے کہ حدیث اصحابی کالنجوم باهم اقتدیتم اهتدیتم ضعیف ہے اس کی تائید میں بہت سے اقوال علماء کبار کے موجود ہیں۔ (ضمیمہ یکم جنوری ۱۸۷۸ء صفحہ ۳ کالم نمبر ۲۔۳)۔ ناظرین کرام! کیسی صاف تصریح ہے کہ اہلحدیث کے مذہب میں خدا اور سول کے کلام کے سوا کسی کے قول وفعل کو حجت شرعیہ کی حیثیت سے جگہ نہیں ہے

چوتھے گواہ: وہ بزرگ ہیں جن کو میں سلسلہ محدثین کی آخری کڑی کے نام سے موسوم کر آیا ہوں یعنی شمس العلماء حضرت میاں صاحب دہلوی جو آجکل کے جملہ علمائے اہل حدیث ہند کے بالواسطہ یا بلاواسطہ استاد الحدیث ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ''افعال الصحابه رضی

اللہ عنھم لا تنتھض للاحتجاج بھا ' (فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۱۹۶) یعنی صحابہ کے افعال سے حجت شرعیہ قائم نہیں ہوسکتی۔ (مظالم روپڑی بر مظلوم امرتسری، ص ۵۶ تا ۵۸)

اولا : ثناء اللہ امرتسری کو وہابی لامذہب اپنی جماعت کا سردار، حجۃ الاسلام والمسلمین، اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا وکیل سمجھتے اور مانتے ہیں، اس کے بقول اہلحدیث (وہابی لا مذہبوں، غیر مقلدوں) کا مذہب یہی ہے کہ قرآن واحادیث کے علاوہ کچھ بھی حجتِ شرعیہ نہیں ہے، مگر علیزئی نے وہابیوں میں جنم لے کر نہ صرف وہابی بزرگوں کی تکذیب کر دی، بلکہ ان کے قائم کردہ اُصولوں کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے ادلہ اربعہ کو دلائل شرعیہ تسلیم کر لیا، جس سے ان وہابی بزرگوں کا یا علیزئی کا جاہل ہونا بھی واضح ہوتا ہے۔

ثانیا : علیزئی کہتا ہے کہ ادلہ اربعہ شرعی دلائل ہیں جبکہ اس کے بزرگ اور اکابر کہتے ہیں کہ کلام اللہ اور کلام رسول کے علاوہ کچھ بھی حجت نہیں، اب یا تو علیزئی کذاب ہے یا اس کے بزرگ واکابرین جنھوں نے دلائل شرعیہ کو صرف قرآن وحدیث میں مقید کر کے باقی دو کا انکار کر دیا، فیصلہ علیزئی یا دوسرے وہابی کریں کہ کون کذاب ہے؟

ثالثا : علیزئی نے جس طرح نواب صدیق الحسن بھوپالوی، نورالحسن اور وحیدالزمان سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"تنبیہ: اہل حدیث کے خلاف وحید الزمان، نورالحسن اور نواب صدیق حسن خان کے حوالے پیش کرنا غلط ہے، کیونکہ ہم ان کے حوالوں سے بری ہیں۔۔۔

(الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۳۴)

پس اسی طرح یا تو برصغیر پاک وہند کے تمام نام نہاد اہل حدیثوں (وہابیوں، لا مذہبوں، غیر مقلدوں) سے برأت کا اظہار کر کے اپنے آپ کو ان سے جدا کرنے کا اعلان

کرے نہیں تو تسلیم کرے کہ راقم الحروف کا یہ لکھنا جھوٹ نہیں بلکہ علیزئی کا اس کو جھوٹ کہنا ہی جھوٹ ہے، اور علیزئی کا راقم الحروف کی اس بات کو جھوٹ قرار دینا اور اسے منافق کی نشانی سے تعبیر کرنا، پس اس مسئلہ میں علیزئی کا منافق ہونا نہ صرف ثابت بلکہ اس کے اپنے بزرگوں کی تحریروں سے کنفرم ہوگیا۔

رابعا: اگر باوجود اس کے کہ وہ دو کو دلائل و حجت شرعیہ سمجھتے رہے اور یہ چار کو دلائل و حجت شرعیہ سمجھتا ہے درست ہے، تو پھر راقم کا یہ لکھنا کہ "آدھا تیتر اور آدھا بٹیر" نہ صرف درست ہے بلکہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ نام نہاد اہلحدیثوں کی ذریت میں دوغلا پن پایا جاتا ہے اور دوغلا پن منافقت کی علامت ہے۔

خامسا: محمد حسین بٹالوی وہابی لامذہب کے حوالہ سے علیزئی کا یہ نقل کرنا کہ:

"اہل حدیث وہ ہے جو اپنا دستور العمل والاستدلال احادیث صحیحہ اور آثار سلفیہ کو بناوے۔ (تاریخ اہلحدیث ج ا ص ۱۵۱)" (دیکھئے الحدیث شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۴۰)

یہ بعد میں جنم لینے والے لامذہبوں کی اپنی کارستانی ہے کیونکہ انہی کے ابوالوفا کے بقول محمد حسین بٹالوی نے شوکانی کی موافقت میں قول صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حجت و دلیل ہونے کا رد کیا ہے، پس جب اس کے نزدیک قول و فعل صحابہ حجت و دلیل نہیں تو اس کا آثار سلفیہ کو دستور العمل والاستدلال بنانے سے مراد کون سے اسلاف ہیں۔ جن کے اسلاف صحابہ نہیں، وہ بتائیں کیا ان کے اسلاف خارجی ذوالخویصرہ تمیمی کا ٹولہ ہی ہے؟ ہم ذکر کریں گے تو شکایت ہوگی۔

سادسا: پھر علیزئی کا اسی بٹالوی کے حوالہ سے لکھنا کہ:

"اس معیار کے دوسرے درجہ پر جہاں صحیح حدیث نبوی نہ پائی جاتی ہو، دوسرا معیار سلفیہ

آثار صحابہ کبار وتابعین ابرار ومحدثین اخیار ہیں''۔ (تاریخ اہل حدیث ج اص ۱۵۷)

(دیکھئے الحدیث، شمارہ نمبر۸۶ صفحہ ۴۰)

اہل عقل ودانش کے لئے یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں رہا ہوگا کہ ایک طرف تو یہ واویلا ہے کہ قرآن اور حدیث، یعنی کلام اللہ اور کلام رسول کے علاوہ کسی کے قول وفعل کو حجت شرعیہ کی حیثیت حاصل نہیں ہے، اور دوسری طرف بقول علیزئی صاحب، بٹالوی صاحب نے آثار صحابہ وتابعین ومحدثین کو بھی معیار دین قرار دیا، یہ دوغلی پالیسی کے سوا کیا ہے؟

اگر یہ بات درست نہیں تو لا مذہبوں کے ابوالوفا صاحب نے محمد حسین بٹالوی پر جھوٹ بولا جس کی وجہ سے وہ جھوٹے قرار پائے یا بعد والے لا مذہب جنہوں نے بٹالوی کے حوالہ سے آثار کو معیار ثانی قرار دیا وہ جھوٹے ثابت ہوئے، اب فیصلہ علیزئی اور اس کے ہمنوا کریں۔

سابعا: پس یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ راقم الحروف کا یہ لکھنا کہ لا مذہبوں، وہابیوں، غیر مقلدوں، نام نہاد اہلحدیثوں کے نزدیک موقوفات حجت نہیں ہیں، بالکل درست اور سچ ہے، مگر علیزئی کا اس کو جھوٹ کہنا ہی جھوٹ ہے اور یہ منافقت کی نشانی ہونے کی وجہ سے علیزئی کے منافق ہونے کی دلیل ہے۔

ثامنا: اگر علیزئی اس پر بضد ہو کہ میں نے چار (۴) کا ذکر کیا ہے، لہذا میرے نزدیک ادلہ اربعہ دلائل وحجتِ شرعیہ ہیں، تو علیزئی اس بات کا کھلم کھلا اعلان کرے کہ جن کے حوالاجات ذکر ہوئے اور اکثریت وہ جو صرف دو کی آواز نکالتے تھے اور ہیں وہ اہلحدیث، غیر مقلد، وہابی نہیں ہیں، اور اپنی کتب اور تقاریر میں جو وہ دوسرے دو (۲) دلائل کا رد کرتے رہے ہیں اور عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لئے صرف اور صرف دو ہی کا ڈھنڈورا پیٹتے رہیں ہیں ان کا یہ عمل یا تو جہالت پر مبنی تھا یا پھر وہ اہل اسلام کو دھوکہ دیتے رہے ہیں، یہ سب کیا

ہے؟۔

تاسعا: راقم الحروف نے پچھلے اوراق میں لکھا ہے کہ: "اگر زبیری ہنڈیا کی نجدی کڑھی کا اُبال نہ تھا تو ان شاء اللہ العزیز ایک ایک کر کے ان لا مذہبوں کے اس بارے میں اتنے حوالے ذکر کروں گا کہ علیزئی کو دنیائے نجد میں اپنا ہمنوا کوئی نظر نہیں آئے گا اور عوام وخواص کو بھی علم ہو جائے گا کہ علیزئی ایسے مسلک ونظریات کا مدعی ہے جس کا دنیائے نجد میں نام نہاد اہلحدیثوں، غیر مقلدوں میں وجود ہی نہیں تھا جو اس کے مسلک ونظریات کے دُم بریدہ اور بے بال و پر ہونے کی واضح دلیل ہوگی، ان شاء اللہ۔

اس بارے میں یہاں پر ایک اشارہ کرتا چلوں کہ علیزئی نے بدیع الدین راشدی کو اپنا استاد محترم تسلیم کیا ہے ملاحظہ ہو: جزء رفع الیدین کا مقدمہ صفحہ ۱۶ وغیرہ اور یہی بدیع الدین راشدی صاحب لکھتے ہیں کہ: "شیخ الکل، امام المتقین، سید المحدثین، تاج الفقہاء علم العلماء، جامع العلوم النقلیه والعقلیه ناصر السنة النبویه، عمدة العاملین، زبدة الکاملین، حجة الله علی الخلق، مجدد القرن، الامام المحدث الفقیه الاصولی الشیخ شیخنا السید نذیر حسین بن جواد بن علی بن نعمة اللہ الحسینی الدہلوی الملقب بہ میاں صاحب المتوفی ۱۳۲۰ھ، نصف صدی سے اوپر خدمت کا یہ نتیجہ ہے کہ اس وقت سب اہل توحید کا سلسلہ تلمذ آپ سے جا ملتا ہے۔

(ہدایۃ المستفید، الجزء الاول، مقدمہ، ص ۱۰۰، مکتب الدعوۃ الاسلامیۃ پاکستان)

علیزئی کے استاد بدیع الدین راشدی کے بقول میاں نذید حسین دہلوی کے آخری دور میں حالت یہ ہو چکی تھی کہ کوئی بھی وہابی، غیر مقلد، لا مذہب ایسا نہیں بچتا جس کا سلسلۂ تلمذ میاں

نذیر حسین سے نہ ملتا ہو، یعنی اس دور میں کوئی وہابی مولوی ایسا نہیں جو ان کا شاگرد نہ ہو، تو لا محالہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس دور میں اور آگے کے تمام ادوار میں بدیع الدین راشدی کے بقول اہل توحید وہابیوں، غیر مقلدوں، لامذہبوں کا امام و شیخ صرف اور صرف میاں نذیر حسین دہلوی قرار پائے گا اور اس نجدی امام کا اس بارے میں مؤقف اوپر انہی کے ابوالوفا کے بقول ذکر ہو چکا۔

پس علیزئی جس مسلک کا مدعی ہے میاں نذیر حسین دہلوی اس کے امام ہیں اور اس مسلک کے نزدیک افعال واقوالِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حجت شرعیہ قائم نہیں ہوتی، اب علیزئی کے نظریات کے لحاظ سے علیزئی کا مسلک ونظریہ اس دور میں دُم بریدہ و بے بال و پر ثابت ہو چکا، لہذا علیزئی ایسا شخص بنا جو ایک ایسے نظریہ ومسلک کا مدعی ہے جس کا ایک زمانہ میں برصغیر پاک وہند میں وجود ہی نہیں تھا، حالانکہ بقول عبدالرشید عراقی وہابی (دیکھئے: مقدمہ: عقیدہ مسلم) اسلام برصغیر پاک وہند میں پہلی صدی ہجری سے ہی موجود ہے اور پہلی صدی سے لے کر آج تک اسلام اور اہل اسلام برصغیر پاک وہند میں مسلسل موجود ہیں، مگر علیزئی کا مسلک ومذہب ایسا ہے جو تیرویں صدی ہجری میں برصغیر پاک وہند میں موجود ہی نہیں، لہذا واضح ہو گیا کہ اسلام اور مسلمان تو تھے مگر جس مذہب ومسلک کی ترجمانی علیزئی کر رہا ہے وہ موجود نہ تھا۔

پس علیزئی کا مذہب ومسلک نہ صرف نومولود قرار پایا بلکہ ایسا مذہب ومسلک ثابت ہوا جو کم از کم اسلام تو نہیں اور اس کے ماننے والے مسلمان نہیں، کیونکہ اسلام اور مسلمان تو پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک برصغیر میں موجود ہیں۔ یہ گفتگو تو جملہ معترضہ کے لحاظ سے درمیان میں آگئی، علیزئی کوشش جاری رکھے ان شاء اللہ ہم بہت کچھ ثابت کر دیں گے۔

☆اس کے بعد علیزئی نے مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی "جاء الحق" کے دوسرے باب سے ایک عبارت نقل کی جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ: "عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں" اور اس کو لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہل سنت بھی غیر مقلد ہیں اس لئے وہ بھی لا مذہب ہیں۔ اس کا جواب راقم نے پچھلے اوراق میں دے دیا ہے۔ جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ علیزئی کا یہ کہنا بھی جھوٹ ہے کیونکہ راقم نے ان کو لا مذہب اس لئے لکھا کہ ان کا کوئی اُصول نہیں، ایک کچھ بیان کرتا ہے اور دوسرا اس کے خلاف لکھ دیتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جس بات کی ضرورت ہو اس کے مطابق تحریر کو دلیل کے طور پر بیان کیا جا سکے۔

لیجئے! اس کا ثبوت بھی حاضر ہے کہ لا مذہبوں، وہابیوں کی یہ تحریک حالات و مکان کے ساتھ اپنا طریقہ استدلال بدلتی رہتی ہے۔

محمد اسحاق بھٹی نے "تحریک اہلحدیث، افکار و خدمات" کتاب پر حرفے چند لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ: "اس طرح تحریک اہل حدیث مختلف اوقات و ادوار میں مختلف کارنامے سر انجام دیتی رہی ہے جہاں اس کے بحث و استدلال کے دائرے حالات و ظروف کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہے ہیں۔

(تحریک اہلحدیث افکار و خدمات، ص۹، ناشر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث پاکستان)

پس ثابت ہوا کہ یہ لا مذہب جتنا چاہے واویلا کرتا رہے حقیقت یہی ہے کہ یہ لوگ حالات اور مکان کے بدلنے سے اپنا طریقہ بحث و استدلال بھی بدل لیتے ہیں، گویا کہ یہ گروہ ایسا لا مذہب ہے کہ جس کا کوئی ایک اُصول نہیں۔ راقم الحروف نے تو ان وجوہات کی وجہ سے اس گروہ کے لئے لا مذہب کا مرکب استعمال کیا تھا، ساون کے اندھے

کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے۔

قبلہ مناظر اسلام مدظلہ العالی نے جو سوالات کئے تھے میرے خیال میں اس میں ایک یہ راز بھی تھا کہ لوگوں کو اس کا علم ہو سکے کہ یہ لامذہب دوسروں سے ایسے مطالبے کرتے ہیں جن کے مطابق ان کے اپنے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

☆اس کے بعد علیزئی نے اپنے گیارہ سوالات کا ذکر کیا جن کے متعلق پچھلے اوراق میں ذکر ہو چکا، اس کے بعد علیزئی نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان تراشی کرتے ہوئے شمالی ہوا کے حکم نہ ماننے کو آپ کا دعوی لکھا جو کہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جس کی مثال بیان کرنا مشکل ہے، کیونکہ علیزئی بزعم خود ایک عالم ہے مگر یہ بھی نہیں جانتا کہ کسی کی بات کو اس کا دعوی قرار دینے کے لئے کیسے الفاظ سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

علیزئی صاحب! ہمارا آپ کو مشورہ ہے کہ پہلے کچھ دن کسی اہل علم کے پاس بیٹھ کر بنیادی علوم حاصل کریں، ورنہ جناب کی تحریرات سے جناب کی جگ ہنسائی ہی ہوتی رہے گی۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''رضا خانی دشنام طراز نے اپنے گالی نامے میں اس کی کوئی دلیل قرآن، حدیث یا اجماع سے پیش نہیں کی، بلکہ چند تابعین کے اقوال اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک موقوف روایت دو سندوں سے پیش کی ہے:

ا: ایک سند میں امام حفص بن غیاث ثقہ ہونے کے ساتھ مدلس بھی تھے (دیکھئے طبقات ابن سعد ۶/ ۳۹۰، کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۲/ ۱۸۵، فقرہ: ۱۹۴۱)

(الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۳۰)

اولاً: علیزئی نے راقم الحروف کو جو دشنام طراز اور براہین رضوی کو گالی نامہ لکھا ہے اس کی

حقیقت تو پچھلے اوراق میں واضح ہوگئی ہے، مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ جب کوئی لامذہبوں کے پول کھولتا ہے تو بوکھلاہٹ میں یہ اس کو دشنام طراز اور اس کی تحریر کو گالی نامہ کہنے لگتے ہیں، لہذا مختل الحواس کی بدحواسی پر افسوس نہیں کرنا چاہیے۔

ثانیا: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حفص بن غیاث کو "طبقات المدلسین، ص ۲۰" میں پہلے مرتبہ میں ذکر کیا ہے اور پہلے مرتبہ کے بارے میں لکھا کہ :"الأولى :من لم يوصف بذلك الا نادرا كيحيى بن سعيد الأنصارى "۔

(طبقات المدلسين، ص ۱۳)

یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تک بلکہ علیزئی کے چودھویں پندرھویں صدی کے سلف البانی تک نے حفص بن غیاث کی صیغہ عن سے روایات کو صحیح شمار کیا ہے، جس کی دلیل ان آئمہ وعلماء کی کتب ہیں مثلا: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات کو مندرجہ ذیل مقامات پر لائے ہیں:

(۱) "جزء ۲،صفحه ۲۰ ، كتاب العيدين ،باب: التكبير أيام منى واذا غدا الى عرفة ، حديث ۹۷۱ "۔

(۲) جزء ٥ص ١٣٦ ، كتاب المغازى ،باب : غزوة خيبر ،حديث ٤٢٢٧ "،دار طوق النجاة ۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں مندرجہ ذیل مقامات پر حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات لی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) صفحه ۹۰ ، كتاب الايمان ،باب : تسمية العبد الآبق كافرا ، حديث

۲۲٦"۔

(۲) صفحه ۱۳۰، کتاب الایمان ،باب : في قوله تعالی ﴿ولقد رء اه نزلة أخری ﴾ ، حدیث ٤۳۲"۔

(۳)صفحه ۱۳۰، کتاب الایمان ،باب:في قوله تعالی ﴿ولقد رء اه نزلة أخری ﴾، حدیث٤۳٥"وغیرهم ۔دار المعرفة ،بیروت ،لبنان۔

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں مندرجہ ذیل مقامات پر حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات لی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) صفحه ٤۰ ، کتاب الطهارة ،باب :الوضوء لمن أراد أن یعود ، حدیث ۲۲۰"۔

(۲) صفحه ۱۷۷ ، کتاب الصلاة ،باب :اذا دخل الرجل والامام یخطب ، حدیث ۱۱۱٦"۔

(۳) صفحه۱۹۳، کتاب الصلاة ، باب :متی یتم المسافر ؟ ،حدیث ۱۲۳۰"، وغیرهم ۔دار ابن حزم بیروت ، لبنان ۔

نوٹ: البانی نے ان تینوں روایات کو صحیح قرار دیا ہے

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع سنن میں حفص بن غیاث کی صیغہ عن سے روایات مندرجہ ذیل مقامات پر لی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) صفحه ۲٥ ، کتاب الطهارة عن رسول الله ﷺ ، باب : ما جاء فی کراهیة ما یستنجی به ، حدیث ۱۸"۔

(۲) صفحه ٦٤ ، کتاب الطهارة عن رسول الله ﷺ ، باب : ما جاء فی الجنب

اذا اراد ان يعود توضأ ، حديث ١٤١"۔

(٣) صفحه ١٠٧ ، كتاب الطهارة عن رسول الله ﷺ ، باب : ما جاء اين يضع الرجل وجهه اذا سجد ؟،حديث ٢٧١"،وغيرهم ۔دار ابن حزم ،بيروت، لبنان ۔

نوٹ: البانی نے ان تینوں روایات کو صحیح قرار دیا ہے

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات مندرجہ ذیل مقامات پر لی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(١) صفحه ٢٦ ،كتاب الطهارة ، باب : المسح على الخفين ، حديث ١١٨"۔

(٢) صفحه ٨١ ،كتاب المواقيت ، باب : الابراد بالظهر اذا اشتد الحر، حديث ٥٠٣"۔

(٣) صفحه ١٠١ ، كتاب الأذان ، باب هل يؤذنان جميعا أو فرادى ، حديث ٦٤١"،وغيرهم ۔ دار ابن حزم ،بيروت ، لبنان ۔

نوٹ: البانی نے ان تینوں روایات کو صحیح قرار دیا ہے

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات مندرجہ ذیل مقامات پر لی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(١) صفحه ٨٧،أبواب التيمم ، باب : فى الغسل من الجنابة ، حديث ٥٧٧"۔

(٢) صفحه ١٠٨ ،كتاب الأذان والسنة فيها ، باب السنة في الأذان ، حديث ٧١٤"۔

(۳) صفحه ۱۶۳، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب: ما جاء فیمن دخل المسجد والامام یخطب، حدیث ۱۱۱٤، وغیرهم ۔دار ابن حزم، بیروت، لبنان۔

نوٹ: البانی نے ان تینوں روایات کو صحیح قرار دیا ہے

اصحاب ستہ کے علاوہ امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح، امام ابن حبان نے اپنی صحیح، امام ابوعوانہ نے اپنی مسند، امام حاکم نے اپنی مستدرک وغیرہم میں حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات کو بغیر کسی کلام کے لیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور لا مذہبوں کے محدث البانی تک آئمہ حدیث اور علماء حفص بن غیاث کی صیغہ عن کی روایات کو قبول کرتے رہے اور تصحیح کرتے رہے ہیں، جس کا مطلب یہی ہے کہ مدلس ہونے کے باوجود وہ ان کی تدلیس کو مضر صحت نہیں سمجھتے تھے، اسی لئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''طبقات المدلسین'' میں حفص بن غیاث کو پہلے مرتبہ میں شمار کیا ہے، لہذا پندرھویں صدی کے ایک لا مذہب کے کہنے سے امام حفص بن غیاث کو تیسرے طبقہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

ثالثا: حفص بن غیاث کا متابع بھی موجود ہے جیسا کہ براہین رضوی صفحہ ۱۸ پر امام ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ''العظمة'' کے حوالہ سے ذکر کیا گیا تھا، گو کہ وہ راوی مجروح ہے مگر متابعت کے قابل ہے جیسا کہ امام منذری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۵۱۳، دار احیاء التراث العربی'' پر ایک روایت کو طبرانی اور بزار کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

" رواه الطبرانی ، والبزار واللفظ له مرفوعا وموقوفا ، وقال لا نعلم أحد رفعه الا عدی بن الفضل یعنی عن الجریری عن أبي نضرة عنه وعدی بن الفضل لیس بالحافظ وهو شیخ بصری انتهی ۔ [قال الحافظ]: قد تابع عدی بن الفضل علی رفعه وهب بن خالد عن الجریری عن أبي نضرة عن أبي سعید ۔۔۔ الخ ۔ اور علیزئی صاحب کا چودھویں صدی میں پیدا ہونے والا سلف البانی ان روایات میں سے پہلی کے متعلق لکھتا ہے کہ:" صحیح لغیره "اور دوسری کے بارے میں لکھتا ہے کہ :"صحیح لغیره " ۔

(صحیح الترغیب والترهیب ج ۳ ص ۵۰۲ (۳۷۱٤)، مکتبة المعارف للنشر والتوزیع لصاحبها سعد بن عبد الرحمن الراشد الریاض ،الطبعة الأولی ۲۰۰۰ء)

پس ثابت ہوا کہ عدی بن فضل کی متابعت سے علیزئی کا پیدا کردہ اعتراض تدلیس بھی ختم ہو گیا کیونکہ حفص بن غیاث کا متابع موجود ہے اور متابع کے لئے ثقہ وصدوق ہونا ضروری نہیں جیسا کہ اُصول میں مسلم ہے۔

رابعـــا : ان کا ایک متابع اور موجود ہے، ملاحظہ ہو: امام ابواحمد الحاکم نے "الاسامی والکنی ،ج ۳ ص ۲۲ ،ت ۹۸۸" میں مندرجہ ذیل سند ومتن کے ساتھ اس روایت کو بیان کیا :

"أخبرنا أبو بکر محمد بن سلیمان الواسطی ،حدثنا أبو تقی یعنی هشام بن عبد الملك الیزنی حدثنا بقیة یعنی ابن الولید حدثنا أبو ثوابة الزبیدی عن عبد الرحمن بن هند عن عکرمة عن ابن عباس قال :قالت الصبا للشمال یوم الأحزاب تعالی ننصر رسول الله ﷺ فقال له ان الحرائر لا یسرین باللیل فغضب الله علیها فجعلها عقیما ۔

گو کہ ابوثوابہ کو حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے مجہول قرار دیا ہے مگر متابعت میں اس کی روایت کو پیش کرنا کوئی جرم نہیں۔

خامسا: اس کے شواہد میں سے عکرمہ کی موقوف روایت بھی موجود ہے، اسی طرح داؤد بن ابی ھند کی موقوف روایت، جیسا کہ براہین رضوی میں باحوالہ ذکر کیا گیا تھا مگر متابعات اور شواہد کے باوجود علیزئی کا اس روایت کو ضعیف شمار کرنا درحقیقت تعصب وعناد کے سوا کچھ نہیں، ورنہ اپنی مرضی کی بات ہو تو ایک قول صحابی جو کہ علیزئی کے اپنے نزدیک ہی ضعیف ہو اور دوسرا تابعی کا قول اس کا شاہد ہو تو علیزئی اس کو بھی قبول کرتا ہے، ملاحظہ ہو:

''الحدیث شمارہ نمبر ۸۷ صفحہ ۳۳۔۳۴ پر علیزئی نے ''روزہ کی حالت میں ہانڈی وغیرہ کا چکھنا'' اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ایک روایت جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تعلیقاً لائے ہیں اس کی اسناد کو جمع کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: شریک بن عبداللہ القاضی مدلس ہیں اور سند عن سے ہے۔ شریک کی تدلیس کے لئے دیکھئے نصب الرایہ (۳/۲۳۴) المحلی (۸/۲۶۳، ۱۰/۳۳۳) اور طبقات المدلسین لابن حجر (۲/۵۶) وَھو من المرتبة الثالثة فی القوْل الراجع۔

۲: سلیمان بن مہران الاعمش مدلس تھے اور سند عن سے ہے۔ اعمش کی تدلیس کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۶ ص ۷۔

☆ اس روایت کی دوسری سند میں جابر بن یزید الجعفی ہے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۴۷ ح ۹۲۷۷) جابر جعفی سخت ضعیف اور گمراہ شخص تھا دیکھئے تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال اور تقریب التہذیب وغیرہ، لہذا یہ سند باطل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ

روایت اپنی دونوں سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

فائدہ: عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ (تابعی) روزے کی حالت میں منی میں شہد چکھ لیتے تھے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۴۷ ح ۹۲۸۰ وسندہ حسن)

ثابت ہوا کہ شرعی عذر ہو، مثلاً کسی عورت کا شوہر سخت مزاج ہو تو اس کے لئے روزے کی حالت میں ہانڈی وغیرہ چکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح خریدتے وقت بھی اس چیز کو چکھا جا سکتا ہے جس میں یہ احتمال ہو کہ بیچنے والا دھوکا دے رہا ہے، یا یہ خوف ہو کہ دھوکا نہ دے دے تو بھی ایسی چیز کو معمولی سا چکھ لینا جائز ہے، لیکن نہ چکھے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم"۔ انتہیٰ

قارئین! ملاحظہ فرمائیں کہ اپنی مرضی تھی تو ایک قولِ صحابی جس کی دونوں سندیں بقول علیزئی ضعیف ہیں اور ایک قولِ تابعی جو علیزئی کے بقول حسن سند کے ساتھ مروی ہے ان کے ساتھ مسئلہ ثابت ہو گیا مگر اپنی مرضی کے خلاف تھا تو انہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول، بزعم خود صرف ایک راوی کی تدلیس (جس کی وضاحت ہو چکی) کی وجہ سے جبکہ اس کی متابعت بھی موجود تھی اور اس پر تابعی (حضرت عکرمہ، وسندہ صحیح) اور تبع تابعی (داود بن ابی ہند وسندہ صحیح) کے اقوال بھی موجود تھے اسے رد کر دیا، کیا انصاف اسی کا نام ہے؟۔

پس معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت اپنے متابع اور شواہد کے ساتھ ضرور درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے، جس کا انکار علیزئی کی ضد، تعصب اور عناد کے علاوہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا، پھر علیزئی کے اپنے اُصول جس کے تحت اس نے روزہ کی حالت میں ہانڈی چکھنے کا جواز فراہم کیا ہے کے مطابق یہ روایات بدرجہ اتم قبول کی جا سکتی ہیں۔

علیزئی نے وہاں صرف ایک تابعی کا قول حسن سند کے ساتھ پیش کر کے جواز قائم کر دیا، جبکہ یہاں تو تابعی کے قول کے ساتھ تبع تابعی کا قول بھی صحیح سند کے ساتھ موجود ہیں، پس یہ روایت اُصول علیزئی کے مطابق بھی قابل قبول تھی، مگر کیا کیا جائے تعصب وعناد کا جو دوغلی پالیسیاں چلنے کی راہیں کھولتا ہے۔

☆ آگے علیزئی کا ضعیف روایت کے بارے میں کلام اور یوسفی وشیبانی یا عکرمی وغیرہ کی گفتگو نہ صرف ورق سیاہ کرنے کے مترادف ہے بلکہ فضول وبیکار ہے۔

قول علیزئی اس کے بعد علیزئی مزید کاغذ سیاہ کرنے کے لئے لکھتا ہے کہ: "شمالی ہوا کے حکم الٰہی سے انکار کرنے کی دلیل پر آل بریلی درج ذیل دلائل پیش کر سکتے ہیں:

ا: قرآن مجید، ۲: صحیح حدیث، ۳: اجماع، ۴: امام ابوحنیفہ کا اجتہاد۔ جبکہ ان لوگوں کے پاس ان چاروں میں سے ایک بھی دلیل نہیں، لہذا اعکرمہ وغیرہ تابعین کے اقوال کی بنیاد پر یہ دعوی کر رہے ہیں کہ شمالی ہوا نے اللہ تعالی کے حکم سے انکار کر دیا تھا۔

(الحدیث شمارہ نمبر ۸۶، صفحہ ۳۱۔۳۲)

جواب: اولا: علیزئی کا اہل سنت اور راقم الحروف کے بارے میں لکھنا کہ: "آل بریلی" اس کی اپنی تکذیب کر رہا ہے کیونکہ خود ہی لکھ رہا ہے کہ دلائل میں تم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد پیش کر سکتے ہو جو اس کی اپنی عبارات کے ہی ناقص اور جھوٹا ہونے کا آئینہ دار ہے کیونکہ علیزئی خود ہمیں حنفی تسلیم کرتا ہے اور آل بریلی کا طعنہ دینا اس کے اپنے نزدیک ہی اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔

ثانیا: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلق ومحبت کی بنا پر اگر علیزئی ہمیں آلِ بریلی کہہ سکتا ہے اور خیال کر سکتا ہے تو پھر لامحالہ ہم بھی انہیں آل نجدی کہیں تو برا محسوس کرنے کی کوئی

بات نہ ہوگی، کیونکہ علیزئی کے استاد محترم بدیع الدین الراشدی اور عطاء اللہ ثاقب نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کو (وہابی توحید) کا امام الدعوۃ، مصلح اعظم (دیکھئے تقدیم ومقدمہ ہدایۃ المستفید) تک لکھ کر اس کے ساتھ جو اپنے تعلق ومحبت کا اظہار کیا ہے اس کے مطابق یہ آل نجد ہی ہوئے۔

ثالثا: راقم الحروف نے تو پہلے علیزئی اور دوسرے وہابیوں، نجدیوں، غیر مقلدوں کو لا مذہب کہا تھا جس کا ثبوت پچھلے اوراق میں فراہم کیا جا چکا ہے مگر علیزئی کا مذکورہ بالا عبارت لکھنا اس بات کا بھی آئینہ دار ہے کہ یہ لوگ ''بے زبان وبے کلام'' ہیں کہ نہ ان کی زبان ایک اور نہ ہی ان کا کلام ایک رہتا ہے، اسی علیزئی نے جب پہلے سوالات کے جوابات کا مطالبہ کیا تھا تو عبارت یوں تھی: ''نماز کے سوالات سے ہٹ کر عرض ہے کہ احمد رضا خاں نے کہا:

''غزوہ احزاب کا واقعہ ہے رب عز وجل نے مدد فرمانی چاہی اپنے حبیب کی شمالی ہوا کو حکم ہوا جا اور کافروں کو نیست ونابود کردے۔ اس نے کہا'' الحلائل لا یخرجن باللیل'' بیبیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں فأعقمها الله تعالى تو اللہ تعالی نے اس کو بانجھ کر دیا اسی وجہ سے شمالی ہوا سے کبھی پانی نہیں برستا''۔ (ملفوظات حصہ ۴ ص ۴۱۹ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، ۳۸۔ اردو بازار لاہور) ہوا کا اللہ کے حکم سے انکار کر دینا کون سی صحیح حدیث میں لکھا ہوا ہے؟ با حوالہ اور تصحیح سند جواب دیں اور یہ مسئلہ بھی سمجھا دیں کہ اگر اللہ تعالی ہوا کو حکم دے تو ہوا اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ کن فیکون کا کیا مطلب ہے؟۔

(مقالات علیزئی جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)

راقم الحروف اس بارے میں بس اتنا ہی کہتا ہے کہ: ''خود بدلتے نہیں عبارات وتحریرات

بدل دیتے ہیں''۔راقم نے تو اس کا جواب براہین رضوی میں دیا تھا اور تمہاری تسلی کے لئے اس جواب میں بھی پچھلے اوراق میں ذکر ہوا اور تمہارے ہی اُصول کے مطابق وہ روایت قابل قبول قرار پاتی ہے، پس اسے قبول نہ کرنا تیرے تعصب، عناد، ہٹ دھرمی اور بے اُصولے ہونے کا واضح وروشن ثبوت ہے۔

فقہ حنفی اور اُصول فقہ کی کتب کا مطالعہ کرنے والے اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ احناف کا یہ دعوی نہیں کہ ہم ہر بات میں قرآن، صحیح حدیث، اجماع یا پھر فقط امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد ہی پیش کرتے ہیں لہذا تیرا یہ مطالبہ کرنا ہی فضول ہے، ہم نے تو تمہارے دعوے کے مطابق سوالات میں شرائط عائد کی تھیں جن کے مطابق نہ تم اور نہ ہی کوئی اور لا مذہب جواب دے سکا اور نہ ہی قیامت تک جواب دے سکے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

☆اس کے بعد علیزئی نے ایک حدیث صحیح ابن حبان وغیرہ کتب حدیث سے اور دو آیات کی طرف اشارہ کیا ہے جو نہ تو ہمارے مخالف ہیں اور نہ ہی ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ ہوا کو بھیجنے والا اور اسے مسخر کرنے والا اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی اور ہے۔(البتہ یہ بات علیحدہ ہے کہ وہ اس کو کسی کے تابع کردے، پس وہ اس پر قادر ہے)

قول علیزئی: اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ:''کیا ہوا بھی مکلّف ہے جو اسے قوتِ اختیاری عطا کی گئی ہے؟۔ (الحدیث شمارہ نمبر ۸۶ ص ۳۲)

اولا :علیزئی جی!ایسی احمقانہ سوچ کسی محقق ومحدث کی نہیں، بلکہ کسی اہل علم کی بھی نہیں ہو سکتی جیسی جناب جو بزعم خود محقق ومحدث بنے پھرتے ہیں، کی ظاہر ہوئی ہے، کیا مکلّف اور غیر مکلّف کے بارے میں جناب کو صحیح بخاری میں کچھ نظر نہیں آیا؟

صحیح بخاری میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ'' باب :القسامة في الجاهلية '' میں ایک

روایت بیان کرتے ہیں کہ:" عن عمرو بن میمون قال رأیت في الجاهلية قردة اجتمع عليها قردة قد زنت فرجموها فرجمتها معهم"۔

(صحيح بخاری جزء ٥ ص ٤٤ (٣٨٤٩) ،دار طوق النحاة ،وفي تاريخ الكبير ٦/٣٦٧، وفي الاستيعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر ٣/١٢٠٥، وفي معرفة الصحابی لأبي نعيم ٣/٤٣٤،و في الأسامي والكنى لأبي أحمد الحاكم ٥/٣١٤، ، ومساوئ اللأخلاق للخرائطي (٤٦٩)،وفي اعتلال القلوب ٩٥،وغيرهم)

یعنی عمرو بن میمون نے فرمایا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس کے اردگرد بہت سے بندر جمع تھے،اس بندر نے زنا کیا تھا،سب بندروں نے اس کو سنگسار کیا،میں نے بھی ان کے ساتھ اس کو سنگسار کیا۔

علیز ئی جی! زنا کا تحقق کب ہوگا؟

کیا حیوانات میں بھی نکاح متحقق ہوتا ہے؟

بندر کس شریعت کے مکلّف ہیں؟

کیا حیوانات کو بھی قوت اختیاری عطا کی گئی ہے کہ وہ مکلّف ہوں ،جس پر انہیں رجم کیا جائے؟

کیا صحابی رسول ﷺ (باختلاف روایت) عمرو بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہم تک تمام اس روایت کو اپنی کتب میں روایت ونقل کرنے والے جھوٹ بول رہے ہیں؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

کیا وہ تمام محدثین ومفسرین اور علماء امت اسلامیہ جنہوں نے اپنی کتب میں ایسی روایات جن کی کوئی سند نہیں ،یا ان کی اسناد موضوع ہیں ، یا کوئی قول جس کی طرف منسوب کیا ہے

اس سے ثابت نہیں، تو یہ تمام باتیں ان مصنفین وناقلین کے جھوٹ شمار ہوں گے؟

کیا یہ ضروریات دین میں سے ہے کہ ہر غیر مکلّف نہ تو قوت اختیاری رکھتا ہے اور نہ ہی اس سے نافرمانی سرزد ہوسکتی ہے؟۔

اگر ایسی روایات ذکر کرنے والے اور بیان کرنے والے آئمہ احادیث وتفاسیر وسیر وتاریخ قابل مواٗخذہ نہیں، تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کس جرم میں قابل گردن زدنی قرار دیا جاتا ہے، صرف اس لئے کہ انہوں نے وہابیت اور وہابی ذریت کی گستاخانہ حرکتوں سے پردہ اٹھا کر اہل اسلام کو آگاہ کر کے اجتناب کا درس دیا؟، ﴿اعدلوا هو أقرب للتقوى﴾

[المائدة :٨]

ثانیا : اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ حیوانات، نباتات اور جمادات میں مادۂ معصیت پائے جانے اور اس کی وجہ سے سزایاب ہونے کے متعلق ذکر کیا ہے، اگر انسانوں اور جنوں کے علاوہ اور کوئی چیز کسی بات کی مکلّف نہیں تھی تو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں یہ کیوں ارشاد فرمایا: ﴿و ما من دابة في الأرض ولا طائر يطير بجناحيه الا امم امثالكم ما فرطنا في الكتاب من شيء ثم الى ربهم يحشرون﴾

[الأنعام: ٣٩]

زمین میں جتنے جانور اور دو بازوؤں سے اڑنے والے پرندے ہیں سب تمہاری طرح مخلوق ہیں (جن کے انواع کا حساب بھی انسان کی طاقت سے باہر ہے مگر) ہماری نوشت سے کوئی باہر نہیں پھر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے ترجمہ: ثناء اللہ امرتسری

اس آیت کی تفسیر میں غیر مقلد وہابی محمد داؤد راز سلفی لکھتا ہے کہ:

"سلف میں سے ایک جماعت کے نزدیک دریائی وخشکی کے تمام چرند پرند الگ الگ امت

ہیں ہر ایک کے واسطے جدا تسبیح و ذکر ہے آیات و احادیث میں پتھروں وغیرہ کی تسبیح بھی ثابت ہے آنحضرت صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دو بکریوں کو لڑتے دیکھ کر ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا اے ابو ذر تم جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا لیکن اللہ خوب جانتا ہے اور قیامت میں دونوں کے درمیان انصاف کرے گا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز سینگوں والے سے بے سینگوں والے کا بھی قصاص دیا جائیگا رواہ ابن احمد فی مسند ابیہ اور مروی ہے کہ اللہ پاک ان کا فیصلہ کر کے فرمادیگا کہ تم سب خاک ہو جاؤ اس حال کو دیکھ کر کافر تمنا کریں گے کہ کاش آج ہم بھی خاک ہو جاتے رواہ عبدالرزاق۔

(ثنائی ترجمہ والا قرآن مجید ۱۵۸، حاشیہ:۳)

یہی لامذہب داؤد راز لکھتا ہے کہ: "یعنی مخلوق میں سے ہر چیز اس کی پاکیزگی اور تعریف بیان کرتی ہے لیکن اے لوگو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو اس لئے کہ وہ تمہاری زبان میں نہیں حیوانات نباتات جمادات سب اس کے تسبیح خواں ہیں ـــــ۔ اللہ نے کسی مخلوق کو تسبیح اور نماز کے اقرار سے باقی نہیں چھوڑا۔ (ثنائی ترجمہ والا قرآن مجید، پارہ ۱۵، ص ۳۴۳ حاشیہ:۱)

ایک اور لامذہب صلاح الدین یوسف اپنی تفسیر میں لکھتا ہے کہ:

"ان آیات و صحیح احادیث سے واضح ہے کہ جمادات و نباتات کے اندر بھی ایک مخصوص قسم کا شعور موجود ہے جس کو ہم نہ سمجھ سکیں، مگر وہ اس شعور کی بنا پر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔

(احسن البیان، پارہ:۱۵، ص ۳۷۴)

مذکورہ بالا لامذہبوں کے ترجمہ اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ ہر مخلوق کے لئے جدا جدا نماز اور ذکر و تسبیح مقرر ہے اور ہر مخلوق خواہ اس کا تعلق جمادات سے ہے یا نباتات سے اس میں ایک خاص قسم کا شعور بھی موجود ہے جس کی بنا پر وہ اللہ رب العالمین کی تسبیح و نماز ادا کرتی ہے۔

ہوا بھی مخلوقات میں شامل ہے، پس ہر مخلوق سے اس کو عطا کردہ شعور کے مطابق روز قیامت سوال ہوگا، جیسا کہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے:

عن ابی هريرة في قوله عزوجل ﴿أمم أمثالكم﴾ قال :يحشر الخلق كلهم يوم القيمة البهائم والدواب والطير و كل شيء ، فيبلغ من عدل الله أن يأخذ للجماء من القرناء ، ثم يقول : كوني ترابا ، فذلك يقول الكافر : ﴿يا ليتني كنت تربا﴾

(أخرجه الحاكم في المستدرك ، كتاب التفسير ج٣ / ٤٣ ح ٣٢٨٤، وقال : جعفر الجزري هذا هو ابن برقان ، قد احتج به مسلم ، وهو صحيح على شرطه ولم يخرجاه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اللہ تعالی کے فرمان ﴿أمم أمثالكم﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ: روز قیامت تمام مخلوقات کو جمع کیا جائے گا، چوپائے، جانور، پرندے اور دوسری تمام مخلوقات، پس اللہ تعالی کا عدل ان تک پہنچے گا، پس ایسا جانور جس کے سینگ نہیں اس کے لئے وہ سینگ والے کو پکڑے گا پھر فرمائے گا کہ مٹی ہو جا، پس اس وقت کافر کہیں گے "کاش میں بھی مٹی ہو جاتا"۔

پس حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت اور مذکورہ بالا غیر مقلدین کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ تمام مخلوقات کو ہمیں سمجھ نہ آنے والا شعور عطا کیا گیا ہے جس کی بنا پر ان میں اطاعت و معصیت کا مادہ موجود ہے، پس اسی اطاعت و معصیت کی وجہ سے روز قیامت ان کو اللہ کی بارگاہ میں جمع کیا جائے گا اور اسی کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ ہوگا، اگر وہ اس پر مکلّف نہیں تو ان سے مؤاخذہ کیوں؟۔

اگر ہر لحاظ سے جن وانس کے علاوہ دوسری مخلوقات قوتِ اختیاری سے لاتعلق ہیں تو ان سے

کئے ہوئے اعمال پر مؤاخذہ ظلم ہے، کیا اللہ رب العالمین بغیر کسی نافرمانی کے ان کو سزا دے گا؟۔

ان وجوہات کی بنا پر نہ تو "کن فیکون" میں کچھ فرق واقع ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ رب العزت کی ذات میں کوئی عیب ظاہر ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے ان کو عطا کیا گیا ان کے احوال کے مطابق شعور ہی ان کی اطاعت و نافرمانی کا سبب ہے جس پر انہیں اللہ رب العالمین اپنی شان کے مطابق جزا و سزا دیتا ہے، اور دے گا۔

ثالثا : علیزئی بار بار اپنی تحریر میں لفظ "انکار" استعمال کر رہا ہے، کبھی لکھتا ہے کہ: "تابعین کے اقوال کی بنیاد پر یہ دعوی کر رہے ہیں کہ شمالی ہوا نے اللہ تعالی کے حکم سے انکار کر دیا تھا" (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۳۲) اور کبھی لکھتا ہے کہ: "احمد رضا خان بریلوی کا یہ دعوی ہے کہ شمالی ہوا نے اللہ تعالی کا حکم نہیں مانا"۔ (الحدیث شمارہ ۸۶ ص ۳۰) وغیرہما۔

حالانکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت میں لفظ "انکار" موجود نہیں بلکہ بادِ شمالی کا جواب مذکور ہے کہ اس نے جواب دیا کہ: "بیبیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں" جبکہ اس کے اسلاف و ہمنواؤں نے اللہ تعالی کے حکم پر آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کا انکار کرنا لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ: ﴿ **انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فأبين أن يحملنها وأشفقن منها و حملها الانسان انه كان ظلوما جهولا** ﴾

(1)[الأحزاب :۷۲]

"ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا وہ بڑا ہی ظالم جاہل

ہے۔ (ترجمہ: صلاح الدین یوسف)

اس آیت کی تفسیر میں یہی لا مذہب لکھتا ہے کہ: ''پیش کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اور آسمان وزمین اور پہاڑوں نے کس طرح اس کا جواب دیا؟ اور انسانوں نے اسے کس وقت قبول کیا؟ اس کی پوری کیفیت نہ ہم جان سکتے ہیں نہ اسے بیان کر سکتے ہیں ہمیں یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ نے اپنی ہر مخلوق میں ایک خاص قسم کا احساس وشعور رکھا ہے گو ہم اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کی بات سمجھنے پر قادر ہے اس نے ضرور اس امانت کو ان پر پیش کیا ہوگا جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا اور یہ انکار انہوں نے سرکشی وبغاوت کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس میں یہ خوف کارفرما تھا کہ اگر ہم اس امانت کے تقاضے پورے نہ کر سکے تو اس کی سخت سزا ہمیں بھگتنی ہوگی''۔ (تفسیر احسن البیان، ۵۶۰، دارالسلام)

اور اسی آیت کی تفسیر میں داؤد راز غیر مقلد لکھتا ہے کہ:

فابین کا ولی اللہی ترجمہ یہی ہے کہ انہوں نے انکار کر دیا مطابق رائے بیشتر مترجمین ومفسرین ترجیح اسی ترجمہ کو حاصل ہے۔ (ثنائی ترجمہ والا قرآن مجید، ۵۱۲، فاروقی کتب خانہ ملتان)

علیزئی جی! کیا آسمان وزمین اور پہاڑوں کا پیدا کرنے والا اللہ نہیں؟

کیا اسی نے ان کو مسخر نہیں کیا ہوا؟۔

اگر ان کے انکار کرنے کی تاویل خوف سے کی جا سکتی ہے تو بادِ شمالی کی تاویل بھی پہلی عمومی عادت کی وجہ ''بیبیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں'' کہنا سے کی جا سکتی ہے۔

مگر جناب ہیں کہ صحیح روایت کی موجودگی میں بھی تعصب وعناد کا نشان بنے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کر رہے ہیں۔

انکارِ صریح اور جوابِ غیر صریح میں کتنا فرق ہے یہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے، جس کی ایک

مثال قرآن مجید فرقان حمید میں انسان کی تخلیق کے حوالہ سے موجود ہے کہ اللہ رب العالمین نے فرشتوں سے فرمایا: ﴿انی جاعل في الأرض خليفة قالوا اتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك﴾ [البقرة: ٣٠]

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر (اپنا) ایک نائب بنانے کو ہوں (جو سب دنیا کی آبادی پر حکمرانی کرے) وہ بولے کیا آپ ایسے شخص کو نائب بناتے ہیں جو اس (زمین) میں فساد کرے اور خون بہائے اور اگر خلیفہ ہی بنانا منظور ہو تو ہم اس کے قابل ہیں اس لئے کہ) ہم تیری خوبیاں بیان کرتے ہیں اور تجھے پاکی سے یاد کرتے ہیں خدا نے کہا یقیناً میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔ (ترجمہ: ثنائی)

مزید وضاحت کی ضرورت نہیں جناب کے بزرگ کے ترجمہ میں موجود الفاظ "اگر خلیفہ ہی بنانا منظور ہو تو ہم اس کے قابل ہیں" سے بہت کچھ واضح ہو رہا ہے۔ جبکہ فرشتوں کے بارے میں واضح طور پر قرآن مجید فرقان حمید میں موجود ہے کہ

﴿ويفعلون ما يؤمرون﴾ [النحل: ٥٠]

"اور جس بات کا ان کو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں"۔

☆اس کے بعد علیزئی نے اپنی طرف سے خودساختہ شرائط کے ساتھ کئے گئے سوالات کو دوبارہ صفحہ ۳۳ تا ۳۷ ذکر کیا ہے، جن کے بارے میں براہین رضوی میں وضاحت کر دی گئی تھی، مگر علیزئی لکھتا ہے کہ "ان سوالات کے جوابات کا قرض رضا خانیوں کے ذمہ واجب الاداء ہے"۔

علیزئی صاحب! کچھ ہوش کے ناخن لیں، جس کا قرضہ دینا ہو اس کا قرض ادا کئے بغیر اسے مقروض نہیں کیا جا سکتا، پہلے اس کی طرف سے اپنے سر پڑا قرض ادا ہوتا ہے، پھر اسے

مقروض بھی کیا جا سکتا ہے، جب جناب سے ہمارا قرض ہی ادا نہیں ہو سکا تو ہمیں مقروض قرار دینا، جناب کا بہت بڑا جھوٹ ہے، پہلے ہمارا قرض جو لا مذہبوں کے خود ساختہ اُصولوں کے مطابق ان کے سروں پر ہے اس سے تو بری ہو لیں، پھر مقروض کرنے کا بھی سوچنا، ابھی تو تمہارا یہ سوچنا ہی فضول و بیکار بلکہ تمہاری زبان وقلم کے مطابق باطل ومردود ہے۔

قول علیزئی: اس کے بعد علیزئی لکھتا ہے کہ: ''آخر میں اہل حدیث کے جوابات پر بعض البریلویہ کے معارضات کا مختصر ومدلل رد پیش خدمت ہے''۔ (الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ صفحہ ۳۷)

جواب: اولا: علیزئی کا ہماری طرف سے دیے گئے جوابات کو معارضات کہنا ہی اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ہم نے تو لا مذہبوں کے بنائے ہوئے اُصولوں کی روشنی میں سوالات کئے تھے اور انہی کے مطابق علیزئی کی طرف سے دیے گئے جوابات کا رد بھی لکھا تھا، مگر حقیقت سامنے آنے کی وجہ سے علیزئی سمجھ گیا تھا کہ اس کا جواب تو میں دے نہیں سکتا لہذا اسے معارضات سے تعبیر کر کے اپنی جان چھڑا لوں تو بہتر ہے، پس اس نے ان اُصولی جوابات کو معارضات لکھ دیا۔

ثانیا: علیزئی کا لکھنا کہ: ''مختصر ومدلل'' یہ بھی ان کے گھر کی حقیقت کا آئینہ دار لگتا ہے کہ اب بیچاروں کو علم ہو چکا ہے کہ ان جوابات کا کوئی جواب الجواب ہمارے پاس نہیں، لہذا اپنی جان چھڑانے کے لئے بے تکی تحریرات سے چند اوراق سیاہ کر ڈالو، بس۔

قول علیزئی اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''۱) بعض الناس نے قنوتِ نازلہ والی حدیث کے بارے میں لکھا ہے: ''لیکن ساتھ ہی اس کا منسوخ ہونا حکم ربانی اور اس کا ترک کر دینا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔'' عرض ہے کہ قنوت نازلہ ہمیشہ کے لئے منسوخ یا

متروک نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کفار اور قبائل کا نام لے کر ایک مہینہ قنوت پڑھتے رہے، اس سے منع کر دیا گیا جیسا کہ علامہ نووی نے لکھا: "یعنی الدعاء علی هذه القبائل" یعنی ان قبائل پر بدعا کو آپ نے ترک کر دیا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی ۵/۸۷ تحت ح ۶۷۵)۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ صفحہ ۳۷۔۳۸)

لطیفہ

علیزئی لکھتا ہے کہ: "قنوت نازلہ ہمیشہ کے لئے منسوخ یا متروک نہیں ہوا"۔ جو اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ قنوت نازلہ علیزئی کے نزدیک مذکر ہے۔

جبکہ علیزئی کی مسلکی و مذہبی داؤدی پارٹی والا لکھتا ہے کہ: "اہل حدیث کا موقف یہ ہے کہ کسی مصیبت کے وقت پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنی سنت ہے۔"

(دین الحق بجواب جاء الحق ۱/۴۴۲)

اسی طرح عبدالرؤف سندھو نے لکھا ہے کہ:

"لہذا اصحابہؓ کے عمل سے بھی وتر میں قنوت قبل الرکوع ثابت ہوئی"۔

(صلوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم تخریج و تعلیق، عبدالرؤف سندھو، صفحہ ۴۰۰)

مذکورہ بالا دونوں علیزئی کے ہم مسلکوں و مذہبوں کی عبارات سے معلوم ہوا کہ لفظ قنوت مؤنث ہے، گویا ابھی تک لا مذہبوں کو اس لفظ کے بارے میں ہی کنفرم نہیں ہوا کہ یہ مؤنث ہے یا مذکر۔

خیر! اردو لغت کی کتاب "فیروز اللغات، ص ۹۶۴" پر اس لفظ کو لکھ کر اس کے بارے میں لکھا ہے کہ: "قنوت ع۔ا۔مث"۔

اب فیصلہ تو قارئین کر ہی لیں گے کہ علیزئی کی علمی قابلیت کتنی ہے؟۔

اولا : علیزئی صاحب! کیا جناب کو یہ جواب لکھتے ہوئے شرم نہیں آئی، کیونکہ اپنے متعلق تو کہتے ہو کہ: ’’قابل مسموع (صرف وہی جواب) ہوگا جس میں سارے مضمون کونقل کر کے اس کے ہر سوال کے مطابق جواب لکھا جائے‘‘۔

(الحدیث، شمارہ نمبر ۸۶ ص ۳۷، مقالات ج ۲ ص ۱۰۹)

کیا براہین رضوی میں تمہارے سوال کے جواب میں صرف اتنی ہی عبارت لکھی گئی تھی؟ براہین رضوی کا جواب لکھتے وقت تم نے اس سے پوری ایک سطر بھی نقل نہیں کی اور اس کا جواب لکھنے بیٹھ گئے، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جب براہین رضوی سے تم نے اپنے جواب کا جواب پڑھا تو بول خطا ہوگیا ہوگا، مگر ’’مرتا کیا نہ کرتا‘‘ کے مصداق۔ جناب نے اس سے ایک سطر بھی مکمل نقل نہ کی اور کہنے لگے کہ میں نے براہین رضوی کا جواب دے دیا ہے۔ میرے گمان میں علیزئی نے یہ کام کیا بھی اس لئے ہی ہے تاکہ اپنوں کو یہ کہہ سکوں کہ میں نے اس کا جواب دے دیا ہے۔

مگر زئی جی! یاد رکھنا کہ اس کو پڑھنے والے صرف جناب کے اپنے ہی نہیں ہوں گے کہ جناب کی بے تکی باتوں کو پڑھ کر ہی مان لیں، جو بھی اہل علم و دانش اس کو دیکھیں گے تو انہیں ہنسی ضرور آئے گی کہ سارے مضمون کا جواب قابل مسموع سمجھنے والا خود کیا گل کھلا رہا ہے۔ براہین رضوی میں علیزئی کے جواب میں تقریبا چھ صفحات سے بھی زیادہ لکھا گیا تھا، مگر زئی نے ملا جلا کر ڈیڑھ سطر کو لیا اور لگے بے ہنگم و بے بنیاد شور مچانے کہ میں نے جواب لکھ دیا ہے، واہ! میرے مولا تیری شان۔

ثانیا : علیزئی نے جواب لکھتے ہوئے اپنا آپ ہی رد کر دیا۔ دلیل دی تھی کہ: ’’سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔۔۔ متن حدیث۔۔۔ ’’پس یقیناً میں نے دیکھا، رسول اللہ ﷺ

جب صبح کی نماز پڑھتے ، دونوں ہاتھ اٹھاتے ، ان (کافروں) پر (ہلاکت وتباہی) کی دعا فرماتے'' (مقالات ج۲ص۱۰۰)

بیان کردہ روایت کے ترجمے میں علیزئی نے دو مقامات پر بریکٹ میں (کافروں) اور (ہلاکت وتباہی) کے الفاظ لکھے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ روایت جو علیزئی نے جواب میں لکھی تھی اس کا تعلق کفار پر ہلاکت وتباہی کی دعا کرنے سے ہے، اور علیزئی کا اب لکھنا کہ: ''بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کفار اور قبائل کا نام لے کر ایک مہینہ قنوت پڑھتے رہے، اس سے منع کر دیا گیا''۔اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ علیزئی مان گیا ہے کہ جو دلیل میں نے قائم کی تھی اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرما دیا گیا تھا، پس جس فعل سے منع کر دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا وہ منسوخ یا متروک نہیں تو کیا ہوگا؟۔

باوجود علم ہونے کے کہ وہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی ترک فرما دیا تھا اور اس کے بعد اس کو نہیں کیا، (اگر کیا ہے تو دلیل پیش کرو) اس سے استدلال کرتے ہوئے قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کی دلیل بنانا جناب جیسے لامذہبوں کا ہی کام ہوسکتا ہے۔

ثالثا : راقم الحروف نے صحیح بخاری کی روایت حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالہ سے پیش کی تھی کہ وہ قنوت نازلہ جس سے جناب استدلال پیش کرنے کی کوشش میں ہیں ایک ماہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کرنے والا بقول حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کذاب ہے، اب بنیں کذاب اور کریں ثابت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد بھی کفار پر ہاتھ اٹھا کر بعد از رکوع ان کی تباہی وہلاکت کے لئے دعا کی ہو۔

رابعا : علیزئی صاحب! راقم الحروف نے تو صحیح بخاری ومسلم کی صحیح ،صریح حدیث پیش کی تھی ،مگر اب جناب لگے ہیں امام نووی ، امام بیہقی وحازمی ، رازی ،شرنبلالی حنفی ،طحطاوی ،محمد

امجد علی رضوی اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہم کے اقوالِ غیر متعلقہ پیش کرنے۔

کیا مان گئے ہیں کہ اصل مسئلہ میں ہمارے پاس دلیل کے لئے کوئی بھی صحیح، صریح، مرفوع حدیث موجود نہیں ہے؟۔ظاہری اعلان نہ کریں تو آپ کی مرضی، مگر جناب کا آئمہ حدیث، تفسیر اور فقہ کی طرف رجوع اس بات کا اعلان کررہا ہے کہ اس کا جواب جناب سے نہیں بن پڑا اور نہ ہی بن سکے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

باقی جس قنوتِ نازلہ مذکورہ کو آئمہ وعلماء نے جائز قرار دیا ہے کیا اس کی ہیئت وطریقہ اور وہ قنوتِ نازلہ جس کے بارے میں راقم الحروف نے براہینِ رضوی میں بخاری ومسلم کی روایت پیش کر کے ترک ومنسوخ کا ذکر کیا تھا ایک ہی ہے؟، ذرا اس کی وضاحت بھی کر دینا

خامسا : براہینِ رضوی میں راقم نے انہی کے گھر کی ایک شہادت پیش کی تھی جس کا ذکر تک علیزئی نے نہیں کیا اور نہ ہی اس کے جواب کے بارے میں غور وغوض کیا، ملاحظہ ہو وہی عبارت مع اسم مصنف وکتاب: ''ناظرین! وتر کی دعائے قنوت میں بھی صرف آداب دعا کی وجہ سے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں ورنہ حدیث میں اس کا کوئی ثبوت ذکر نہیں ہوا۔لہذا دعا میں ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں شامل ہے ورنہ وتروں میں بھی نہ اٹھائے جائیں۔

(بشیر الرحمٰن سلفی، روح عبادت الدعاء، ص ۱۸)

ع اس گھر کو لگ گئی آگ گھر کے چراغ سے

بشیر الرحمٰن سلفی لامذہب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ نمازِ وتر کی دعائے قنوت میں ہاتھ اُٹھانا ثابت نہیں، لہٰذا ہمارا سوال ابھی تک قائم ودائم ہے بلکہ انہی کے گھر سے (کی) تائید بھیر کھتا ہے۔ (دیکھئے براہین رضوی، ص۳۲)

اسی طرح عبدالرؤف سندھو صاحب کے حوالہ سے بھی ''صفحہ ۳۰'' پر ایک عبارت لکھی گئی تھی

مگر اس کی طرف بھی علیزئی صاحب کے قلم وذہن نے حرکت کرنے سے گریز کیا، آخر کیوں؟۔

صرف اس لئے کہ حقیقت لوگوں کے سامنے نہ آجائے کہ وہابی، نجدی، غیر مقلد، لامذہب، بے زبان و بے کلام خود ہی اس مسئلہ میں متردد ہیں، کوئی کہتا ہے کہ اس کی احادیثِ مبارکہ میں کوئی دلیل نہیں اور کوئی اِدھر اُدھر کی ٹامک ٹوئیاں مار کر اسے ثابت کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہے۔

قول علیزئی :لکھتا ہے کہ: ''ثابت ہوا کہ یہ کہنا: ''قنوت نازلہ ہمیشہ کے لئے منسوخ و متروک ہوگیا تھا۔'' غلط ہے، لہذا قنوت نازلہ ہمیشہ کے لئے منسوخ نہیں اور جب منسوخ نہیں تو پھر حدیث مذکور میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھانے کے جواز پر استدلال بالکل صحیح ہے''۔
(الحدیث:٨٦صفحہ٣٩)

جواب: اولا :براہینِ رضوی کے صفحہ ٢٦ سے لے کر ٣٢ تک پہلے سوال کے بارے میں تحریر موجود ہے مگر علیزئی نے جو الفاظ لکھے ہیں یہ مجموعہ الفاظ کہیں بھی موجود نہیں ہے۔
علیزئی نے نہ صرف یہاں بددیانتی سے کام لیا ہے بلکہ حق کا خونِ ناحق بھی کیا ہے، علیزئی کے نزدیک معتمد علیہ عالم ارشاد الحق اثری نے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

''**ولا یجوز تغییر المصنف وان کا بمعناہ**'' کہ تصنیف شدہ کتاب کے الفاظ کو بدلنا جائز نہیں اگرچہ بالمعنی ہی کیوں نہ ہوں''۔ (احادیث ہدایہ،ص٨٧)

کیوں جناب! خائن، محرف جیسے الفاظ اگر جناب کے لئے استعمال کر دیئے جائیں تو برا مت منائیے گا بلکہ اپنے ارشاد الحق اثری صاحب کے منہ لگنا کہ یہ آپ نے کیا لکھ دیا۔

نوٹ: علیز ئی صاحب! اس عبارت کو کتابت وکمپوزنگ کی غلطی نہ کہنا، یہ ثابت کرنا بہت مشکل ہوگا۔

ثانیا: براہین رضوی میں جہاں ''ہمیشہ'' کالفظ ہے وہاں عبارت یوں ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ تو ایک ماہ ایک عمل کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے تحت اس کو ہمیشہ کے لئے ترک کردیں اور جناب اپنے حواریوں کو ساری زندگی کرنے کے دلائل فراہم کریں، کیا یہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع ہے؟۔ (براہین رضوی، ص ۲۸، ۳۰)

علیز ئی صاحب! اگر جناب کی تحقیق کے دانے ختم نہیں ہوئے تو اپنے ہی بقول مردِ میدان بنیں اور رسول اللہ ﷺ سے ترک کے بعد ثابت کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد ہاتھ اٹھا کر عام دعا کی طرح دعائے قنوت پڑھی ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیچھے آمین، آمین پکارا ہو، یاد رکھیں آپ کو موت آسکتی ہے، نجدیت ووہابیت کا جنازہ نکل سکتا ہے، مگر یہ ثابت نہیں ہو سکے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

ثالثا: براہین رضوی میں جہاں ''ترک اور منسوخ'' کا ذکر ہے وہ عبارت یوں ہے کہ:

''ایک ماہ نبی اکرم ﷺ سے بعد از رکوع قنوتِ نازلہ پڑھنا ثابت، لیکن ساتھ ہی اس کا منسوخ ہونا حکمِ ربانی اور اس کا ترک کردینا سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔

(براہین رضوی، ص ۲۸، ۳۰)

علیز ئی صاحب! اگر جناب کو اپنی تحقیق پر بڑا ہی ناز ہے تو وہ روایت جو راقم الحروف نے صحیح بخاری اور مسلم کے حوالے سے قنوتِ نازلہ کے ترک کے بارے میں نقل کی تھی، اس کا جواب دیں؟۔

رابعا: علیز ئی کا لکھنا کہ: ''جب منسوخ نہیں تو پھر حدیثِ مذکورہ میں دعا کی طرح ہاتھ

اٹھانے کے جواز پر استدلال بالکل صحیح ہے''۔

علیزئی صاحب! جناب کے کہنے سے تو بات نہیں بنے گی، دلیل دیں کہ ترک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بعد از رکوع ہاتھ اٹھا کر عام دعا کی طرح دعائے قنوت پڑھی ہو، مگر یہ ہو نہیں سکے گا، جب اصل ہی ثابت نہیں کر سکتے تو جواز کے لئے استدلال بھی نہیں ہو سکتا۔

یہ بالکل صحیح نہیں بلکہ کالا جھوٹ ہے کیونکہ جناب کے ہی عبدالرؤف صاحب نے ''وتر میں دعاء قنوت رکوع سے قبل یا بعد'' کی تحقیق کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''خلاصہ رسول اللہ ﷺ کے قول فعل اور صحابہ کے عمل سے قنوت قبل الرکوع ہی ثابت ہے''

پس جب وتروں میں قنوت قبل الرکوع ہی ثابت ہے تو جناب بعد الرکوع والی روایت سے استدلال کیسے صحیح قرار دے رہے ہیں!۔

علیزئی صاحب! ایک مرتبہ پھر ہمارا سوال پڑھیں:

''ہمارا سوال ہے کہ''۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے نماز وتر میں بعد از رکوع عام دُعا کی طرح ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی ہے یا آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے؟۔'' ابھی تک اپنی جگہ قائم ہے جس کا علیزئی اور لامذہبوں کے پاس کوئی جواب نہیں، ان شاء اللہ۔ (براہین رضوی ۱۳۱)

قول علیزئی علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''مشہور ثقہ تابعی امام ابوقلابہ الجرمی الشامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۴ھ) قنوت میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۲۱۱ و سندہ حسن)'' (الحدیث، شمارہ ۸۶ صفحہ ۳۹)

جواب: اولاً: یہ اثر غیر متعلقہ ہے کیونکہ اس میں نہ تو وتروں کا ذکر ہے اور نہ ہی اس بات کی وضاحت کہ رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد، لہٰذا علیزئی کا ہمارے سوال کے جواب

میں اس اثر کو نقل کرنا اپنے نامہ اعمال کی طرح رسالہ کے ورق سیاہ کرنے کے مترادف ہی ہے۔

ثانیا: یہاں علیزئی نے تابعی کے فعل کو پیش کر دیا مگر شرم نہیں آئی، دوسرے کو تابعین کے قول ذکر کرنے کی وجہ سے عکرمی کے طعنے دینے والا اپنے آپ کو قلابی کہلوانا پسند کرے گا؟

☆اس کے بعد علیزئی نے امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہما کے عمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: **قول علیزئی** ''عرض ہے کہ یہ عمل مذکورہ حدیث (صحیح ابی عوانہ اور الحدیث حضرو: ۵۶ ص ۳۹) کے موافق ہے، لہذا جواز ثابت کرنے کے لئے کافی اور نومولود فرقہ رضا خانیہ پر ہمیشہ کے لئے حجت قاطعہ ہے''۔

(الحدیث، شارہ نمبر ۸۶، ص ۳۹)

اولا: علیزئی صاحب! پہلے اپنی بریکٹ سے پہلی اور بریکٹ والی عبارت پر غور کریں۔

ثانیا: یہ جس موافقت کا دعویٰ ہے پہلے اس کو تو سوال کے مطابق ثابت کریں پھر موافقت میں آئمہ کے افعال واقوال بھی پیش کر لینا، جب اصل سے ہی سوال کا جواب نہیں بن سکا تو ان آئمہ کے اقوال کیسے جواز میں پیش کر رہے ہیں، امام اسحاق بن راہویہ کے عمل کو البانی نے قبل الرکوع لکھا (دیکھئے ارواء الغلیل ۲/ ۷۱، صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۸۸ تحت حاشیہ: ۴) جب کہ سوال بعد الرکوع کا ہے، علیزئی صاحب ان کو حجت قاطعہ بنانے کے لئے پہلے اصل کا ثبوت فراہم کریں، وہ آپ تو کیا آپ کی آنے والی نسلیں بھی ثابت نہیں کر سکیں گی، ان شاء اللہ العزیز۔

کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا

ثالثا: علیزئی نے سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں مبارکپوری کے اجتہاد کو خطا قرار دے

پر جس اپنے شیخ کے اجتہاد کو راجح قرار دیا ہے، وہی البانی لکھتا ہے کہ:

”و سئل أحمد رحمه الله عن القنوت في الوتر قبل الركوع أو بعده ؟ وهل ترفع الايدى في الدعاء في الوتر ؟فقال :القنوت بعد الركوع و يرفع يديه وذلك على قياس فعل النبي ﷺ في الغداة ۔

قلت :وفى صحة هذا القياس نظر عندى وذلك أنه قد صح عنه صلى الله عليه وآله وسلم أنه كان يقنت في الوتر قبل الركوع كما يأتي بعدحديث و يشهد له أثار كثيرة عن كبار الصحابة كما سنحققه في الحديث الآتي باذن الله تعالى وغالب الظن أن الحديث لم يصح عند الامام أحمد رحمه الله فقد أعله بعضهم كما يأتى ولولا ذلك لم يلجأ الامام الى القياس فانه من أبغض الناس له حين معارضته للسنة“۔ (ارواء الغليل ۲ / ١٦٤)

کیوں جناب! آپ نے جس کے قول کو مبارکپوری کے قول پر ترجیح دی اسی نے جناب کا بول خطا کر دیا اور جنابِ کو سر بازار رسوا کر دیا؟۔

پس معلوم ہوا کہ آپ کا قنوتِ نازلہ پر قیاس آپ کے اپنے محدث کے نزدیک ہی درست نہیں تو ہم کس طرح جناب کے قیاس کو تسلیم کرلیں، جبکہ آپ کے بزرگ تو قیاس کو ویسے ہی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

قول علیزئی اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: ”کیا کسی رضا خانی میں یہ جرأت ہے کہ اہل سنت کے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے عمل کو بدعت، ناجائز یا حرام قرار دے؟۔کیا زمانہ خیر القرون میں کسی ایک سنی عالم نے ابو قلابہ، امام احمد اور امام اسحاق وغیرہم کا مسئلہ مذکورہ میں رد کیا ہے؟ حوالہ پیش کریں۔! (الحدیث: شمارہ ۸٦ص ۳۹)

جواب: اولاً: امام اہل محبت، محدثِ بریلوی احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متوسلین کو یہ سبق نہیں دیا کہ اپنے ہی اسلاف کو بدعتی اور مشرک قرار دیتے رہو بلکہ آپ نے تو ان سے محبت والفت کا درس دیا ہے۔

الحمدللہ! ہم تو امامِ اہل سنت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بدعتی ہونے کا فتویٰ نہیں دے سکتے اور نہ ہی دیتے ہیں مگر تمہارے لا مذہب، نجدی، وہابی، غیر مقلد اور تم بذات خود انہیں بدعتی ہی قرار دیتے ہو، جیسا کہ عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم نے اپنی کتاب میں لکھا اور آپ جناب نام نہاد محقق و محدث دوراں علیزئی نے ہی اس کا ترجمہ کیا، اور جسے ''عبادات میں بدعات اور سنت نبوی سے ان کا رد'' کے نام سے شائع کروایا، اس کے صفحہ ۳۰۱ سے ۳۰۶ تک ''تعریف: یعنی عرفات کی ریس'' کے موضوع پر بحث موجود ہے جس میں تمہارا ترجمہ کئے ہوئے الفاظ ہیں کہ:

''تاہم دوسرے لوگوں کے لئے دعا واستغفار کے لئے اس دن جمع ہونا بری بدعت ہے بلکہ عرفات کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر اس طرح جمع ہونا بذات خود بدعت ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواز کے قائل ہیں''۔

(عبادات میں بدعات، صفحہ ۳۰۲، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء)

مصنف کتاب کے بقول تعریف کے لئے جمع ہونا بُری بدعت ہے اور اسی کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواز کے قائل ہیں، تو مفہوم کیا نکلا؟

یہی کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ مذکورہ لا مذہب کے نزدیک بدعتی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک

پس معلوم ہوا کہ لا مذہب جو اہل سنت کہلوانے کے لئے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو اہل سنت کا امام لکھ کر اپنا امام ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں امام لکھنے کے باوجود ان

کے بدعتی (بدعت بھی ایسی جو بری ہے) ہونے کے بھی قائل ہیں۔

راقم الحروف! علیزئی کو صرف اس کتاب کا ترجمہ کرنے اور اس کے بارے میں اپنی طرف سے کوئی کلام ذکر نہ کر کے سکوت کی وجہ سے مورد الزام تو نہیں ٹھہراتا مگر کچھ کچھ کالا ضرور محسوس ہوتا ہے، کیونکہ علیزئی نے اس کے بعد ''حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابی سلیمان (جنہوں نے تعریف کو بدعت کہا) کے قول کے بارے میں حاشیہ میں لکھا کہ: '' حسن ، ایضا (۱۴۲۷۰) اس کی سند ضعیف ہے، لیکن اس کے متعدد شواہد ہیں دیکھئے (۱۴۲۷۱)''۔

(ایضا، ص ۳۰۳)

گویا کہ علیزئی کی تحسین اس بات کی آئینہ دار ہے کہ وہ بھی اس عمل کو بدعت سمجھتا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں، لہذا اس کے اپنے نزدیک بھی بدعتی قرار پائے

آپ بی بی کو کاں ، مہنے دیوے لو کاں

اوروں کو نصیحت ، خود میاں فصیحت

اس مسئلہ (تعریف) کے بارے میں راقم الحروف نے اپنے رسالہ ''بدعت'' (غیر مطبوع، اللہ عزوجل اس کی اشاعت کے اسباب پیدا فرما دے، آمین) میں ثابت کیا ہے کہ یہ عمل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بصرہ میں صحیح سند کے ساتھ کرنا ثابت ہے، جس کی بنیاد پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں۔

نوٹ: ابھی آگے چلئے تو سہی! اسی کتاب کے آخر پر جو بدعات تم نے سعید بن عزیز یوسف زئی کے حوالہ سے لکھی ہیں ان کے مطابق راقم الحروف تمہارا بدعتی ہونا بھی تمہارے اقوال کے ساتھ واضح کرے گا کیونکہ ختم بخاری کروانے والے بدعتیوں کی محفلوں میں تمہارا آنا جانا بھی ہمارے علم میں ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

ثانیا: جس ذات کی وجہ سے اس زمانہ کو خیر القرن ہونے کا شرف حاصل ہوا، جب ان نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں ہے تو تمہارا لا مذہبوں کا اپنے قائم کردہ اُصولوں کے مطابق ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا بدعت ہی قرار پائے گا کیونکہ تمہارے ہی عبدالرؤف سندھو صاحب لکھتے ہیں کہ: " یہ کلام تو تھی تکبیر سے متعلق رہا ہاتھ اُٹھانا تو اس بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ میں بعض آثار تو ضرور ملتے ہیں مگر کوئی مرفوع روایت نہیں لہذا قرأت سے فراغت کے بعد بغیر تکبیر کہے اور ہاتھ اُٹھائے قنوت پڑھنی چاہیئے۔۔۔۔"

(صلوۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، تخریج وتعلیق: عبدالرؤف سندھو، ص ۴۰۱)

قول علیزئی علیزئی نے لکھا ہے کہ: " ۲) "سنن دارقطنی والی روایت موقوفا اور مرفوعا دونوں طرح مروی ہے اور دونوں سندوں سے صحیح ہے، نیز " و زیادة الثقة مقبولة " کی عبارت میں امام دارقطنی کے موقوف کو " وھو الصواب " قرار دینے کا ہماری طرف سے کافی وشافی جواب ہے۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶، ص ۳۹۔۴۰)

جواب: اولا: علیزئی کا "سنن دارقطنی" لکھنا جھوٹ ہے یا نرم لفظوں میں غلط بیانی ہے، جو روایت علیزئی نے پیش کی تھی وہ "سنن دارقطنی" کے حوالہ سے نہیں بلکہ "العلل للدارقطنی ج ۱۳ ص ۲۲ مسئلہ: ۲۹۰۸" کے حوالہ سے تھی ملاحظہ ہو: " مقالات، ج ۲ ص ۱۰۱" مگر ہماری طرف سے دیئے گئے جوابات کو پڑھ کر علیزئی کے ہوش ہرن ہو گئے، اوسان خطا ہو گئے کہ اسے یہی علم نہیں رہا کہ میں نے "سنن دارقطنی" سے روایت لکھی تھی یا کہ "علل دارقطنی" سے، کیا مختل الحواس ہونا کچھ اور ہوتا ہے؟۔

علیزئی صاحب! بے جا خفا ہونا اچھا نہیں ہوتا جب جناب ہیں ہی مختل الحواس، حواس باختہ، فاترالعقل تو راقم الحروف کے لکھنے کی وجہ سے کیوں سیخ پا ہو گئے تھے؟۔

ثانیا : علیزئی کا ہی امام ومحدث عبدالرحمٰن مبارکپوری امام دارقطنی کی علل کی دونوں سندوں پر مطلع ہونے کے باوجود لکھتا ہے کہ:" قلت :لم أجد حديثا مرفوعا صحيحا في هذا الباب "۔ (تحفة الأحوذي ج ٤ ص ١٦٣)

یعنی میں کہتا ہوں کہ میں نے اس باب میں کوئی بھی مرفوع صحیح حدیث نہیں پائی۔

پس معلوم ہوا کہ علیزئی کے مسلک کے محدث مبارک پوری کے نزدیک امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علل میں جس سند سے اس روایت کے مرفوع ہونے کا ذکر کیا ہے، وہ صحیح نہیں، تبھی تو اس نے لکھ دیا کہ اس باب میں مجھے کوئی بھی صحیح مرفوع روایت نہیں ملی، مگر علیزئی اسے مرفوعا صحیح ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے، فيا للعجب ۔

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو لگ گئی آگ گھر کے چراغ سے

ثالثا : علیزئی کے محدث البانی نے لکھا ہے کہ:

" قلت :ولم نجد في السنة ما يدل على مشروعية الرفع في غير التكبيرة الأولى ،فلا نرى مشروعية ذلك ، و هو مذهب الحنفية وغيرهم ،واختاره الشوكاني وغيره من المحققين و اليه ذهب ابن حزم فقال :رحمه الله :و اما رفع الأيدي فانه لم يأت عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه رفع في شئ من تكبيرة الجنازة الا في أول تكبيرة فقط فلا يجوز فعل ذلك ، لانه عمل في الصلوة لم يأت به نص " (1)(احكام الجنائز ، ص ١١٦)

علیزئی جی! اپنے چودھویں پندرھویں صدی کے سلف کی بات کو ہی تسلیم کر لینا تھا جس کے مقابلہ میں پہلوں کا رد کر رہے ہو، اگر جناب کے تلووں کو آگ نہ لگے، تو سنئے اس البانی نے اگر وضع الیدین میں ایسا قیاس ظاہر کیا ہے تو یہ بمصداق: ''آگ لگنے پر کنواں کھودنا'' ہے

رابعا: علیزئی کے ہی علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ: ''**والحاصل انه لم يثبت في غير التكبيرة الأولى شيء يصلح للاحتجاج به عن النبي ﷺ وأفعال الصحابة وأقوالهم لا حجة فيها فينبغي أن يقتصر على الرفع عنه تكبيرة الأحرام۔**

(نيل الأوطار ٤/١٠٢)

اور حاصل کلام یہ ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے رسول اللہ ﷺ سے کوئی شے (حدیث) ایسی نہیں جس سے احتجاج کیا جا سکے۔ باقی رہے اقوال و افعال صحابہ، وہ ویسے ہی حجت نہیں ہیں، لہذا چاہیئے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کیا جائے۔

پس مذکورہ بالا روایت علیزئی کے مذہبی اماموں کے نزدیک تو مرفوعا صحیح ثابت نہیں تھی، مگر علیزئی ہے کہ اسے مرفوعا بھی صحیح ثابت کرنے پر بضد ہوا بیٹھا ہے۔

یہ کس مقام پہ لائی ہے زندگی آپ کو
جہاں سے لوٹنا ممکن نہیں ہے آپ کا

☆اس کے بعد علیزئی نے محمد حسین بٹالوی وہابی، نجدی، لامذہب، غیر مقلد سے اہل حدیث کے دستور العمل کی بات کی جس کا جواب پچھلے اوراق میں گزر چکا اور شوکانی کی عبارت کا مفہوم بھی اسی لئے بیان کر دیا گیا ہے کہ قارئین کو بھی علم ہو سکے کہ آثار سلفیہ کا نام لینے والوں کے اسلاف کون ہیں؟ جن کے آثار کو یہ معیار تسلیم کرتے ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے اقوال و افعال تو بقول شوکانی بھی ان کے لئے حجت نہیں، پھر وہ اسلاف

کوئی اور ہی ہوں گے جن کے آثار کو یہ معیار بنائے بیٹھے ہیں۔

قول علیزئی علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''۳) رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ آٹھ سال کے بعد (بھی) پڑھی تھی، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے اور کسی صحیح حدیث میں اُحد جا کر یہ نماز پڑھنا (جو نماز حدیثِ نبوی میں مذکور ہے) ثابت نہیں، لہذا چودھویں صدی میں نومولود فرقے کے رضا خانی کا اعتراض مردود ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث پر" **باب الصلوة علی الشهيد** "باندھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس حدیث سے شہید کا جنازہ پڑھنا ثابت ہے (ح ۱۳۴۴) اور" **صلوته علی الميت**" کے الفاظ سے نماز جنازہ کا واضح ثبوت ملتا ہے نہ کہ صرف بریلویوں کی مروجہ دعا کا؟۔ اور " **ثم انصرف الی المنبر** " میں غائبانہ جنازے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ منبر تو مسجد میں ہوتا ہے اور اُحد میں منبر کے وجود کے لئے اس حدیث کی کسی سند میں (ہمارے علم کے مطابق) کوئی صریح دلیل موجود نہیں ہے۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۰۔۴۱)

جواب: اولا: قارئین کرام! آپ نے ابن الوقت اشخاص کے بارے میں کئی مثالیں سنی ہوں گی مگر علیزئی جیسا ابن الوقت شاید ہی آپ کو نظر آئے کیونکہ یہاں پر یہ شہید کی غائبانہ نماز جنازہ ثابت کرنے کے موڑ میں ہے مگر اس نے خود ہی صادق سیالکوٹی غیر مقلد کے کتاب ''صلوۃ الرسول ﷺ'' پر تحقیق و تخریج کا کام کیا جس کا نعمانی کتب خانہ سے شائع کردہ نسخہ ہمارے پاس موجود ہے اس میں اس کے بزرگ صادق سیالکوٹی نے لکھا ہے کہ:

''حضور انور ﷺ نے شہیدوں کو خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا۔ اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی اور نہ ان کو غسل دیا۔ (بخاری شریف) معلوم ہوا کہ شہید کو بغیر غسل اور جنازہ پڑھنے کے بغیر دفن کرنا چاہئے۔ (سبحان اللہ) شہید اللہ کے نزدیک کس قدر پاک اور طاہر ہے''۔

(اس کی تخریج میں علیزئی حاشیہ لگا کر لکھتا ہے کہ: ''صحیح بخاری: ''الجنائز باب الصلوة علی الشهيد حديث ١٣٤٣''۔

(تسہیل الوصول الی تخریج وتعلیق صلوۃ الرسول ﷺ، ص ۳۵۷، حاشیہ ۳)

یہاں پر علیزئی اپنے بزرگ کی موافقت میں شہید کی نماز جنازہ کا منکر معلوم ہوتا ہے اور اس انکار پر صحیح بخاری کی ہی روایت سے استدلال کیا جا رہا ہے۔

ثانیا: براہین رضوی کے جواب میں علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ آٹھ سال کے بعد (بھی) پڑھی تھی''، جبکہ پہلے سوالات کے جوابات میں لکھا تھا کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے شہدائے اُحد پر آٹھ سال کے بعد نماز جنازہ پڑھی تھی'' (دیکھئے مقالات، ج ۲ ص ۱۰۱) دونوں عبارتوں میں فرق دیکھیں کہ پہلی عبارت ظاہر کر رہی ہے کہ پہلے بھی شہدائے اُحد پر نماز جنازہ پڑھی گئی جبکہ دوسری عبارت ظاہر کر رہی ہے کہ شہدائے اُحد پر آٹھ سال کے بعد ہی نماز جنازہ پڑھی تھی، ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں خیال آجائے کہ جن شہیدوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی وہ کوئی اور ہوں، شہدائے اُحد پر پہلے نماز جنازہ پڑھی گئی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری کا جو حوالہ علیزئی نے جنازہ نہ پڑھے جانے کے بارے میں نقل کیا ہے اس روایت میں واضح موجود ہے کہ وہ شہدائے اُحد ہی تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الشہید، ح ۱۳۴۳، دار طوق النجاۃ)

ثالثا: علیزئی کا یہ لکھنا کہ: ''امام بخاری نے اس حدیث پر ''باب الصلوة على الشهيد'' باندھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس حدیث سے شہید کا جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔ (ح ۱۳۴۴) علیزئی صاحب! کیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وہ حدیث جس کا جناب نے ''تسہیل الوصول'' میں حوالہ درج کیا ہے کسی اور باب میں روایت کی ہے، وہ روایت بھی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی باب میں لائے ہیں، لہذا جب ایک ہی باب میں امام بخاریؒ دو روایتیں جمع کرر ہے ہیں جن میں سے ایک میں آپ کے بزرگ کے بقول (آپ کی تائید کے ساتھ) شہید کا جنازہ نہ پڑھنا ثابت ہے جبکہ دوسری روایت جس میں بقول آپ کے جنازہ پڑھنا ثابت ہے تو کیا یہ تضاد نہیں؟ پھر جناب کا ''بھی'' تو مزید گل کھلا رہا ہے۔

رابعا: علیزئی صاحب! جناب اس روایت سے جو شہید کی غائبانہ نماز جنازہ ثابت کرنے بیٹھے ہیں وہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں صرف ان کے لئے دعا کرنا ہی ثابت ہے جس طرح میت کے لئے دعا کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو آپ کا اپنا بزرگ ہی اس روایت کا ترجمہ کر رہا ہے کہ:

''عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے (روایت ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن (مدینہ سے) باہر نکلے اور اُحد والوں کے لئے اس طرح نماز پڑھی (دعا کی) جیسے میت کے لئے کرتے تھے۔ پھر منبر کی طرف آئے، (اس پر چڑھے) فرمایا۔۔۔۔'' الخ۔

(صحیح بخاری شریف ج۱ص ۵۹۸، ترجمہ: وحید الزمان غیر مقلد)

علیزئی کے پیدا کردہ تمام احتمالات کا جواب اس کے اپنے مولوی کے ترجمہ سے ہی ہو گیا۔

خامسا: علیزئی کا لکھنا کہ: ''اور " صلوته علی المیت " کے الفاظ سے نماز جنازہ کا واضح ثبوت ملتا ہے نہ کہ صرف بریلویوں کی مروّجہ دعا کا؟۔

یہاں پر نماز جنازہ کا ثبوت نہیں بلکہ میت کے لئے کی جانی والی عام دعا کی طرح کی دعا کرنے کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی نہیں بلکہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، اگر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا درست ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں

پڑھی، جیسا کہ تمہارے ہی عبدالرؤف سندھو صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی فوت ہوئے جو آپ ﷺ سے غائب تھے مگر آپ نے ان میں سے کسی ایک کی بھی غائبانہ نماز ادا نہیں کی۔۔الخ

(صلوۃ الرسول مع تخریج وتعلیق، عبدالرؤف سندھو، ص ۴۸۹)

☆علیزئی کا لکھنا کہ: ''نہ کہ صرف بریلویوں کی مروجہ دعا کا''۔

راقم الحروف کا غالب گمان یہ ہے کہ علیزئی نے اس سے مراد جنازہ پڑھ لینے کے بعد قبل از دفن کی جانے والی دعا مراد لی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علیزئی کے بقول ہی یہ دعا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے، علیزئی سے نبی اکرم ﷺ کی نماز جنازہ کے متعلق سوال ہوا، جس کا جواب اس نے اپنے اسی رسالہ ''الحدیث، شمارہ ۸۶، ص ۴ تا ۷'' میں دیا اور اس بارے میں سب سے پہلے جو طویل روایت ذکر کی اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طریقۂ نماز کا ذکر ہے جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: "**یدخل قوم فیکبرون ویصلون ویدعون ثم یخرجون ثم یدخل قوم فیکبرون و یصلون ویدعون ثم یخرجون حتی یدخل الناس**۔'' ایک جماعت (حجرے میں) داخل ہوگی، پھر وہ تکبیر کہیں گے، نماز جنازہ پڑھیں گے اور دعا کریں گے پھر باہر نکل جائیں گے پھر دوسری جماعت داخل ہوگی تو تکبیر کہیں گے اور نماز جنازہ پڑھیں گے اور دعا کریں گے، پھر باہر نکل جائیں گے۔۔۔۔ الخ۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶، ص ۴)

کیوں جناب علیزئی صاحب اہل سنت کا یہ عمل تو جناب نے خود ہی صحیح سند سے تسلیم کر لیا گو اس روایت کو لکھتے اور اس کی تصحیح کرتے ہوئے جناب کا ذہن اس طرف نہ گیا ہوگا کہ میں

ایک ایسا مسئلہ ثابت کر رہا ہوں جس کی وجہ سے ہم اہل سنت پر اس عمل کی وجہ سے بدعتی ہونے کا فتوی لگاتے ہیں۔ اب اجماع صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم تو واقع ہو گیا کہ کوئی ایک بھی انکار کرنے والا نہیں کہ اس نے کہا ہو یا انکار کیا ہو کہ باقی سب ٹھیک ہے مگر جنازہ کے بعد دعا نہیں کرنی اگر کوئی ہے تو تصحیح سند کے ساتھ حوالہ پیش کرو؟۔

سادسا : علیزئی کا لکھنا کہ: ''اور '' ثم انصرف الی المنبر ''میں غائبانہ جنازے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ منبر تو مسجد میں ہوتا ہے اور اُحد میں منبر کے وجود کے لئے اس حدیث کی کسی سند میں (ہمارے علم کے مطابق) کوئی صریح دلیل موجود نہیں ہے''۔

اگر اُحد میں منبر کے وجود کی کوئی صریح دلیل تمہارے علم میں نہیں تو اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے اُحد تشریف نہ لیجانے کی کوئی صریح روایت پیش کردو؟

ورنہ ہمارے مؤقف پر تو تمہارے ہی بڑے کا ترجمہ شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے اور پھر منبر کی طرف تشریف لائے۔ صرف تمہارے احتمالات تو اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کیونکہ ایک جماعت جس میں تمہارے اپنے بھی شامل ہیں نے مراد اس سے دعا ہی لی ہے۔

علیزئی نے امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کی بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری کا حوالہ ذکر کیا ہے کہ:

قول علیزئی ''عینی حنفی نے اس حدیث (حدیث بخاری:۱۳۴۴) سے نماز جنازہ مراد لی اور اُن لوگوں کا رد کیا جو اس سے صرف دعا مراد لیتے ہیں۔ (دیکھئے عمدۃ القاری ۸/۱۵٦) بلکہ عینی نے صرف دعا مراد لینے والوں کے بارے میں فرمایا: ''ھذا لیس بانصاف '' اور یہ انصاف نہیں ہے (عمدۃ القاری ۸/۱۵٦) امام بخاری کے استدلال اور عینی وغیرہ کی موافقت کے بعد عراقی وغیرہ علماء کے اقوال سے استدلال صحیح نہیں اور جو لوگ صرف حنفیت

کے دعویدار ہیں، یوسفی یا شیبانی نہیں، ان کے لئے یہ استدلال جائز ہی نہیں، ورنہ انہیں چاہیے کہ رضا خانیت چھوڑ کر نووی، عسقلانی اور عراقی وغیرہم کی تقلید کرنے کا اعلان شائع کرا دیں۔! (الحدیث، شمارہ ۸٦، ص ۴۱)

جواب: اولا: امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے امام سرخسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دعا پر محمول فرمایا ہے اور امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ تمہاری طرح غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں ہیں، وہ تو قبور پر نماز کے قائل ہیں جیسا کہ انہوں نے اسی روایت کو "البنایہ فی شرح الھدایۃ، ج ۳ ص ۲۵۰" پر ذکر کر کے اس سے قبور پر نماز پڑھنے پر استدلال کیا ہے۔

ثانیا: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تمہارا یہ نسبت کرنا غلط ہے، اگر یہی مقصد ہے کہ انہوں نے اس باب میں یہ روایت بیان کی ہے تو ساتھ ہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری روایت جس میں شہید پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے اسے بھی اسی باب میں بیان کیا ہے، پھر تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہوئے کہ شہداء پر نماز جنازہ پڑھی ہی نہ جائے اور ممانعت کی روایت بیان کرنے کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس روایت کو ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک ان پر نماز جنازہ تو نہ پڑھی جائے مگر ان کے لئے دعا کی جائے۔

ثالثا: امام عراقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اقوال سے استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ یہ ایک لا مذہب کے خود ساختہ مسئلہ کے خلاف ہیں؟۔

علیزئی صاحب! یہاں جمہور کا لفظ جناب کو یاد نہیں رہا کہ جمہور کس طرف ہیں صرف اس لئے کہ اپنے لا مذہبوں کی حمایت کرنی ہے۔ اور ہاں اگر ہمیں غیر حنفی کے قول پیش کرنے کی وجہ سے نووی عسقلانی وغیرہما کی تقلید کا اعلان کرنے کا مشورہ دیتے ہیں تو آپ بھی آئندہ

سے قلابی کہلوایا کریں کیونکہ اُس مسئلہ میں آپ کے پاس نبی اکرم ﷺ کی کوئی بھی صحیح، صریح، مرفوع روایت موجود نہیں ہے، اور نہ ہی کسی صحابیٔ رسول ﷺ کا کوئی قول صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، پس ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ایک اثر ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا، تو پس جناب بھی آج سے قلابی ہونے کا اعلان کر دے، اور اپنے ہمنواؤں کو بھی قلابی کہلوانے کا مشورہ دے دیں۔

قول علیزئی علیزئی نے لکھا ہے کہ: ۴) ''ایک رضاخانی لامذہب نے لکھا ہے: ''نماز جنازہ سراً پڑھنا ہی سنت ہے، جہراً نہ آپ ﷺ نے پڑھا اور نہ ہی۔۔۔''

(الحدیث، شمارہ ۸۶، صفحہ ۴۱)

جواب: قارئین کرام! ہمارا چوتھا سوال تھا کہ: ''ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نمازِ جنازہ میں امام دُعائیں بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی صرف آمین، آمین پکاریں؟۔ (دیکھئے براہین رضوی، ص ۳۵)

اس کے جواب میں علیزئی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت صحیح مسلم کے حوالہ سے پیش کی تھی جس کے جواب میں راقم الحروف نے براہین رضوی میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح مسلم کی شرح کے حوالہ سے لکھا تھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ:

''واما الدعاء فيسر به بلا خلاف وحينئذ يتاول هذا الحديث على ان قوله حفظت من دعائه أي علمنيه بعد الصلوة فحفظته''۔

(شرح مسلم للنووي ۳۱۱/۱)

اور جنازہ میں دُعا بالاتفاق سراً پڑھی جائے گی، پس اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ صحابی کا فرمانا کہ میں نے دُعا حفظ کر لی یعنی آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ کے بعد مجھ کو دُعا سکھلائی تو

میں نے اس کو حفظ کر لیا۔

اور اسی طرح علیزئی کے مسلکی بھائی عبدالرؤف سندھو سے اس کے متعلق لکھا تھا کہ جناب کا ہی ایک بھائی،۔۔۔لکھتا ہے کہ:''مگر اس حدیث سے حجت لینا محل نظر ہے کیونکہ مسند احمد (٦/٢٣) میں عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ ہیں'' ففهمت من صلوته عليه اللهم اغفرله۔۔۔'' یعنی میں آپ کی نماز سے یہ کلمات سمجھا۔ بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھیمی آواز میں دعاء پڑھی ہوگی اور عوف بن مالک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہوں گے لہذا انہوں نے یہ دعاء سن لی، واللہ اعلم۔ نماز جنازہ کی دعاؤں کے بارے میں جو دوسری روایات ہیں ان سے بھی دعاؤں کو جھراً پڑھنے پر استدلال کیا جاتا ہے ان روایات سے بھی استدلال کی نوعیت بالکل وہی ہے جو عوف بن مالک سے استدلال کی نوعیت ہے۔۔۔۔۔الحاصل: نماز جنازہ میں قرات سراً پڑھنی چاہیئے کیونکہ اس بارے میں نص موجود ہے۔

(صلاۃ الرسول ۴۸۳۔۴۸۴۔ اور دیکھئے براہین رضوی، ص ۳۶۔۳۷)

اس کے بعد علیزئی کے ہی لامذہب بھائی محمد عبد' فیروزآبادی کے حوالہ سے بھی لکھا تھا کہ:

''جمہور علماء سری کے قائل ہیں امام شوکانی لکھتے ہیں:

''و ذهب الجمهور الى انه لا يستحب الجهر في صلاة الجنازة ''۔ (نيل الاوطار ٤/٦٦)۔ اور حضرت ابن عباس والی حدیث کا جواب ظاہر ہے وہ خود فرما رہے ہیں: ''لم اقرأ أي جهرا الا لتعلموا أنه سنة ''۔ اور پھر حضرت ابوامامہ بن سہل سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے بتایا نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ آہستہ پڑھی جائے۔

تنبیہ : حدیث کے الفاظ ''میں نے آپ سے یہ دعایاد کر لی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ آنخضرت یہ ادعیہ باواز بلند پڑھتے تھے، لیکن ملا علی قاری اس کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ اسرار بالدعا کی مندوبیت کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں جھراً (اگر ثابت ہوتب) پڑھنا محض تعلیم کے لئے تھا۔ (احکام الجنائز ۱۹۱) (براہین رضوی، ص ۳۸)

مگر علیزئی نے ان میں سے کسی کا بھی جواب نہیں دیا، آخر کیوں؟

صرف اس لئے کہ اپنی سوچ وفہم کو ترجیح دینا اس کے سر پر سوار ہے، مگر اپنے رسائل و کتب میں جابجا لکھتا ہے کہ جمہور کے قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، پس جب تمہارے اپنے بھی اس مسئلہ میں جمہور سے نماز جنازہ میں سرہی نقل کر رہے ہیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ تم اپنی تمام تحریرات کو اکثر بھول جاتے ہو، جیسا کہ دارقطنی کی ''العلل'' کو مخبوط الحواسی میں ''سنن'' بنادیا

ثانیا : علیزئی کے مسلکی بھائی عبدالرؤف سندھو کے بقول سراً قرات پر نص موجود ہے اور علیزئی نص کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے چند وہابیوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے ہی فہم کو ترجیح دینے پر بضد ہے، جس میں نہ جمہور کا پاس اور نہ ہی حقیقت کا ساتھ۔

قول علیزئی اس کے بعد علیزئی ایک نئی دلیل دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ''عرض ہے کہ طلحہ بن عبداللہ بن عوف (ثقہ طابعی) نے فرمایا: ''صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة وجهر حتى أسمعنا ---فقال :سنة و حق '' میں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے ایک جنازے پر نماز پڑھی تو انہوں نے سورۂ فاتحہ اور ایک سورت جہراً پڑھی، حتی کہ ہمیں سنائی --- پس فرمایا: یہ سنت اور حق ہے۔ سنن نسائی ج ا ص ۲۸۱ ح ۱۹۸۹، وسندہ صحیح / ترقیم تعلیقات سلفیہ)۔ جلیل القدر صحابی رضی

اللہ عنہ تو جہری نماز جنازہ کو سنت کہتے تھے، جبکہ لا مذہب رضا خانی نے اپنی کتاب (براہین رضوی یعنی گالی نامے) کی عبارتِ مذکورہ میں اس حدیث کی مخالفت کر رکھی ہے، نیز "سمعت" یعنی میں نے سنا، سے بھی دعاؤں کا جہری ہونا ثابت ہے۔ یاد رہے کہ سمعت، فهمت اور حفظت میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ سنی، سمجھی اور یاد کر لی، لہذا یہاں بعض علماء کا بعید تاویل کرنا بے دلیل اور محل نظر ہے۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۱۔۴۲)

جواب: اولا: تابعین تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا ان سے سنا مگر یہ "طابعی" کیا ہوتا ہے، یہ کن لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے علیزئی صاحب ذرا اس کی وضاحت فرمائیں؟۔

اگر کہیں کہ یہ کمپوزنگ میں غلطی کی وجہ سے لکھا گیا ہے تو بھی درست نہیں کیونکہ کمپوزنگ میں عموطی طور پر ان پیج میں (Phonetic Keyboard) استعمال ہوتا ہے اور اس میں "ت" "t" کے ساتھ لکھا جاتا ہے جب کہ "ط" "v" کے ساتھ۔ اور "T" سب سے اوپر والی لائن میں ہوتا ہے جبکہ "V" سب سے نچلی لائن میں۔

ثانیا: قطع نظر اس کے کہ علیزئی نے اپنی پہلی روایت کے متعلق اور ہماری طرف سے اس پر لکھے گئے جواب کے متعلق کیوں خاموشی اختیار کی، عرض ہے کہ علیزئی کی نئی پیش کردہ روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے کیونکہ اس روایت میں بعض طریق میں صرف سورۂ فاتحہ کا ذکر ہے اور بعض میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت کا بھی، اور بعض میں صرف سنت کا ذکر ہے اور بعض میں سنت کے ساتھ لفظ حق بھی موجود ہے، لہذا اس روایت کے متن میں اضطراب پایا جاتا ہے، پس یہ روایت مضطرب ہے جس سے جناب کا دلیل پکڑنا درست نہیں ہے۔

ثالثا: یہ روایت صریح مرفوع نہیں، اس کے حکمی مرفوع ہونے میں بھی اختلاف ہے جیسا

کہ جناب کے ہی بزرگ ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں کہ:

" واذا قال الصحابی السنة کذا و أمرنا بکذا فلیس هذا اسنادا[مسندا] ولا یقطع علی أنه عن النبی ﷺ و لا ینسب الی أحد قول لم یرو أنه قاله ولم یقم برهان علی انه قاله ـــــ"

(الاحکام فی اصول الاحکام ج۲ ص ۲۰۲ ، وفی نسخة : ۷۲/۲)

یعنی اور جب صحابی کہے کہ یہ سنت ہے یا ہمیں ایسا حکم دیا گیا ہے تو یہ مرفوع نہیں ہے اور نہ ہی یہ قطعی بات ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہے اور کسی ایک سے بھی جو الفاظ مروی نہیں ان کو آپ کی طرف منسوب کرنا کہ آپ کا یہ قول ہے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے۔

اس پر کئی روایات نقل کرنے کے بعد ان مثالوں میں ایک روایت یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما والی ابن حزم نے نقل کی ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جناب کے بزرگ کے نزدیک بھی یہ روایت مرفوع نہیں، جب یہ روایت صریح مرفوع نہیں تو جناب کا ہمارے سوال کے جواب میں اس کو دلیل بنانا بھی صحیح نہیں ہے۔

رابعـا : نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں غیر مقلدین کے نظریات بھی جدا جدا ہیں، بعض نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض قرار دیتے ہیں جیسا کہ اسی علیزئی کی تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع ہونے والی "تسہیل الوصول الی تخریج وتعلیق صلوۃ الرسول ﷺ" پر "فوائد وتعلیق" کا کام غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری کے قلم نے کیا جس میں وہ لکھتا ہے کہ "نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، اس کے بغیر نماز جنازہ نہیں ہوتی ہے"

(ایضاص۳۵۲)

مگر انہی کا ایک بھائی اسی صادق سیالکوٹی کی اسی کتاب پر تخریج وتعلیق کا کام کرتے ہوئے

لکھتا ہے کہ: ''اس تفصیل سے میرا مقصود نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا اثبات نہیں کیونکہ اس بارے میں دوسری روایات بھی ہیں'' (صلاۃ الرسول ﷺ، تخریج وتعلیق، عبدالرؤف سندھو، ص ۴۷۷)۔
اگر نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ فرض ہے تو علیزئی صاحب بتائیں کہ وہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے ان کی وہ نمازیں ہوئیں یا کہ نہیں؟۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ۔

خامسا: علیزئی کا لکھنا کہ: ''جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ تو جہری نماز جنازہ کو سنت کہتے تھے، جبکہ لا مذہب رضا خانی نے اپنی کتاب (براہینِ رضوی یعنی گالی نامے) کی عبارتِ مذکورہ میں اس حدیث کی مخالفت کر رکھی ہے''۔

مذکورہ روایت کو علیزئی کا نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کے جہری پڑھنے پر دلیل بنانا غلط و بے بنیاد ہے، جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا، اور انہی کے ایک بھائی نے لکھا ہے کہ:
''جنازہ میں بآواز بلند قرأت کی صراحت نہ تو صحیح مسلم اور نہ ہی حدیث کی کسی دوسری کتاب میں ملتی ہے بلکہ جنازہ میں سرا قرأت کرنا نص صریح سے ثابت ہے''۔
(صلاۃ الرسول ﷺ، تخریج وتعلیق، عبدالرؤف سندھو، صفحہ ۴۸۳)

پس معلوم ہوا کہ انہی کے نزدیک سری نماز جنازہ پر نص صریح قائم ہے تو علیزئی کا اپنی فہم و سوچ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے نماز جنازہ کو جہری ثابت کرنا بقول سندھو صاحب نص صریح کی مخالفت کرنا ہے، اور اپنے ہی دوسرے مولوی فیروز آبادی کے بقول جمہور کی بھی مخالفت کرنا ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔ اس کے بعد معنی ذکر کر کے علماء کی تاویل کو علیزئی کا بے دلیل کہنا خود بے دلیل اور باطل و مردود ہے، کیا وہ علماء عربی لغت سے ناواقف تھے جو آج جناب کو یہ معنی نظر آ گئے اور آپ اس کی حقیقت کو پا گئے؟۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''بعض حنفی علماء نے لکھا ہے کہ: ''یہاں جہراً پڑھنا محض تعلیم کے لئے تھا۔'' معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ میں جہراً دعا کرنا بطور تعلیم ثابت ہے لہذا آج کل بھی کوئی اگر بطور تعلیم جہری دعا پڑھتا ہے تو جائز ہے۔

(الحدیث، شمارہ ۸۶،ص ۴۲)

جواب: اولا: یہ صرف بعض حنفی علماء نے نہیں لکھا بلکہ عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے جناب نے ایسے لکھ دیا حالانکہ جناب کے اپنے اسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی ثابت کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

عبدالرؤف سندھو صاحب لکھتے ہیں کہ: ''بعض نے اونچی قرأت پر حدیث ابن عباس۔۔۔ سے حجت لی ہے مگر اس سے حجت لینا درست نہیں کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فاتحہ کو تعلیم کی غرض سے بآواز بلند پڑھا تھا نہ کہ اس اعتقاد سے کہ اس کا جھراً پڑھنا مسنون ہے۔ مسند شافعی (۳۵۹) مستدرک حاکم (۱/۲۵۸) اور بیہقی (۴/۳۹) میں ابن عجلان عن سعید بن ابی سعید سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابن عباس نے نماز جنازہ میں الحمد للہ بآواز بلند پڑھی اور پھر فرمانے لگے " انما جهرت لتعلموا انها سنة ۔یعنی میں نے اسے بآواز بلند اس لئے پڑھا ہے تا کہ تمہیں علم ہو جائے کہ (فاتحہ پڑھنا) سنت ہے۔اس حدیث کی سند حسن ہے امام حاکم نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے مگر یہ مسلم کی شرط پر نہیں ہے۔اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ ابن عباس نے فاتحہ کو جھراً تعلیم کی غرض سے پڑھا تھا اور دوسری یہ کہ اس کا نماز میں جھراً پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس کا جھراً پڑھنا مسنون ہوتا تو ابن عباس ہرگز یہ نہ فرماتے انما جهرت لتعلموا انها سنة فافهم و تدبر (صلاۃ الرسول ﷺ ص ۴۸۳)

قارئین کرام! عبدالرؤف سندھو صاحب جس روایت کی سند کو حسن کہہ رہے ہیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بقول ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت سمجھتے تھے مگر آج کے یہ لامذہب نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض قرار دے رہے ہیں، جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ علیزئی کا مذکورہ روایت کو نقل کرنا اور اس کی تصحیح کا قائل ہونا درحقیقت اپنے لامذہبوں کے نظریات کا خون کرنا ہے۔

ثانیا: علیزئی کا لکھنا کہ: "لہذا آج کل بھی کوئی اگر بطور تعلیم جہری دعا پڑھتا ہے تو جائز ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علیزئی اس بات کا قائل ہو چکا ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ بطورِ قرأت نہیں بلکہ بطورِ دعا ہے اسی لئے تو دلیل فاتحہ کی دے کر اسے دعا لکھ رہا ہے۔

ثالثا: تعلیم کی خاطر کبھی آواز کو بلند کر دینا اور چیز ہے اور معمول بنا لینا اور چیز ہے، جناب کے غیر مقلد لامذہب بھائیوں نے تو اس کو معمول بنا رکھا ہے جس کا ثبوت عام وہابی جنازے ہیں۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: "قنوت نازلہ میں دعائے قنوت پر لوگوں کا آمین کہنا ثابت ہے۔ (دیکھئے الحدیث ۵۶ ص ۴۱) اور اس سے استدلال کر کے قنوت وتر میں آمین کہنا بھی جائز ہے، کیونکہ اس کے مقابلے میں کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔ جب مقابلے میں خاص دلیل نہ ہو تو عام دلیل سے استدلال کرنا یا دو ایک دوسرے سے مشابہ دلائل سے استنباط کرنا بالکل جائز ہے"۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶، ص ۴۲)

جواب: اولا: مسئلہ چل رہا تھا نماز جنازہ میں امام کا بلند آواز سے دعائیں پڑھنا اور مقتدیوں کا صرف آمین، آمین کہنا، مگر نہ جانے علیزئی صاحب کیوں حواس باختہ ہو کر قنوتِ نازلہ کی طرف آ گئے، پھر مجھے کہتے ہیں کہ مجھے مختل الحواس کہہ کر گالی دی ہے۔

علیزئی صاحب! اگر ابھی بھی جناب کو میرے سے شکوہ ہے تو کسی اپنے سے ہی پوچھ لیجئے کہ جس آدمی کو بات کرتے ہوئے اس بات کا بھی علم نہ رہے کہ بات کس مسئلہ میں ہو رہی ہے اس کو مختل الحواس کہنا کون سا جرم ہے؟۔

ثانیا: اگر جناب جنازہ کی دعاؤں کو قنوتِ نازلہ میں کہی گئی آمین پر قیاس کر رہے ہیں تو ایسے مجتہد واقعی لامذہبوں کو مبارک ہوں۔

راقم الحروف نے براہینِ رضوی میں دو لامذہبوں کی عبارتیں اس بارے میں نقل کی تھیں، جناب نے ان کو نہیں پڑھا، لیجئے پھر نقل کر رہا ہوں، انہیں پڑھیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، ملاحظہ ہو: حافظ محمد گوندلوی لامذہب کہتا ہے کہ: ''نماز جنازہ میں نمازی اپنی جگہ دعا کرے، صرف آمین کا کہیں ذکر نہیں ہے''۔ (فتاوی علمائے حدیث ۵/۱۵۳)

ایک اور لامذہب جس کا تعلق ''الاعتصام'' والے لامذہبوں سے ہے، لکھتا ہے کہ:

''نماز جنازہ کی دعاؤں پر مقتدیوں کے آمین کہنے کا ثبوت جہاں تک راقم کو معلوم ہے آنحضرت اور عہد صحابہ وتابعین میں نہیں ملتا بنابریں اس امر کو خلاف سنت کہا جائے گا۔

(فتاوی علمائے حدیث ۵/۱۹۱، اور دیکھئے براہین رضوی، ص ۳۸)

جناب کے بڑے تو اس کو خلافِ سنت کہہ رہے ہیں اور جناب ثابت کرنے کے لئے قنوتِ نازلہ کی آمین پر قیاس کرنے لگے ہیں آپ دونوں میں سے صحیح کون ہے؟۔

پھر جناب کے محدث کے نزدیک جب قنوتِ نازلہ کا قیاس قنوتِ وتر کے بارے میں صحیح نہیں تو قنوتِ نازلہ کی آمین کو جنازہ کی آمین پر قیاس کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟۔

☆اس کے بعد علیزئی کا ''سندہ حسن'' کے بارے میں کلام کرنا بے محل و بے فائدہ ہے کیونکہ ہم نے انہیں آئینہ دکھانے کے لئے جو شرائط انہی کے قائم کردہ اُصولوں کے مطابق

عائد کی تھیں ان میں حسن کا ذکر نہیں باقی اُصول وقواعد کا جناب کو اتنا ہی پاس ہوتا تو کبھی بھی ان لا مذہبوں کے گروہ میں شامل ہو کر لا مذہبیت کو قبول نہ کرتے اور بے جا تحکم سے کام لیتے ہوئے ایسے دلائل کو کبھی بھی نقل نہ کرتے، اگر صحیح اور حسن میں قطعا کوئی فرق نہیں تو آئمہ فن کا اپنی کتب میں کئی کئی صفحات ان کی علیحدہ علیحدہ تشریح وتوضیح میں لکھ دینا کس لئے تھا۔اور ہمارا صحیح کی قید لگانا جس مقصد کی خاطر تھا اس کا ذکر پچھلے اوراق میں کر دیا گیا ہے۔

علیزئی کا سندہ حسن لکھ کر ہمارے سوالوں کا جواب دینا اور پھر کہنا کہ ''ان کے بمطابق سولات وجوابات لکھئے گئے ہیں'' واضح ترین جھوٹ ہے۔

قول علیزئی علیزئی نے لکھا ہے کہ:۵) ''رسول اللہ ﷺ سے قنوت نازلہ میں اونچی دعائیں پڑھنا اور صحابہ کرام کا آپ کے پیچھے آمین آمین کہنا ثابت ہے جیسا کہ سنن ابی داود کی حدیث میں آیا ہے (دیکھئے الحدیث:۵۶ ص ۴۲)۔قنوتِ نازلہ پر قیاس کر کے قنوتِ وتر میں اونچی دعائیں پڑھنا اس حدیث سے ثابت ہے اور اس کے خلاف کوئی صریح دلیل نہیں، لہذا لامذہب بریلوی کا واویلا مردود ہے''۔ (الحدیث، شارہ ۸۶ صفحہ ۴۲۔۴۳)

جواب: اولا: قنوتِ نازلہ کے متعلق پیچھے ذکر ہو چکا اور ہمارا سوال قنوتِ وتر کے بارے میں ہے نہ کہ قنوتِ نازلہ کے متعلق، پس علیزئی کا غیر صریح دلیل دے کر ہمارے سوال کا جواب دینا باطل ومردود ہے۔

ثانیا: آپ کے محدث البانی کے نزدیک ہی جناب کا قیاس صحیح نہیں ہے تو الحمد للہ راقم کا کلام جسے جناب واویلا کہہ رہے ہیں بالکل صحیح اور جناب کا قیاس باطل ومردود ہے۔پھر علیزئی کا بار بار اپنے قیاس کے خلاف صریح کا ذکر کرنا کہ اس کے خلاف کوئی صریح دلیل نہیں اور ہماری طرف سے صریح کا لفظ لکھنا، اچھا نہ لگنا، اس کے نفاق کے علاوہ کسی اور

بات کی دلیل تو نہیں ہے۔

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: ٦) ''ذراع سے مراد بعض ذراع نہیں بلکہ پوری ذراع ہے، جس کی صراحت کف، رسغ اور ساعد والی حدیث سے بھی ہوتی ہے، لہذا رضا خانی اعتراض باطل ہے''۔ (الحدیث، شمارہ ٨٦ ص ٤٣)

جواب: اولا: علیزئی کی طرف سے لکھا گیا براہین رضوی کا جواب دیکھ کر بار بار خیال آتا ہے کہ یہ کس طرح دوسروں سے پوری عبارت نقل کر کے جواب دینے کا مطالبہ کرتا ہے اسے خود شرم نہیں آتی، لیکن شرم انہیں محسوس ہوتی ہے جن میں حیا نام کی کوئی چیز ہوتی ہے، شاید اسی لئے عزیزم فیصل خان نے راقم الحروف کو فون پر کہا تھا کہ اصل میں اس نے جواب نہیں دیا بلکہ جان چھڑانے کے لئے چند صفحات سیاہ کر دیئے ہیں۔

راقم الحروف نے تو براہین رضوی میں علیزئی کی پیش کردہ صحیح بخاری کی روایت کے جواب میں مختصراً ایک مناظرے کا تجرباتی حال اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے اس کی شرح اور انہی کے محدث کا ایک قول نقل کرنے کے ساتھ ص ٤٢ سے ٤٥ تک لکھا تھا مگر باقی ساری عبارات کو علیزئی صاحب نہ جانے کیا سمجھ کر ہضم کر گئے اور مذکورہ بالا ڈیڑھ دو سطر لکھ کر جان چھڑالی، مگر ایسا نہیں ہوگا، اب تو علیزئی کی ساری علمیت کا بھانڈا پھوٹے گا اور دنیا دیکھے گی، ان شاءاللہ۔

ثانیا: راقم الحروف نے جاہل مطلق لکھا تو علیزئی کو یہ گالی لگی اور لگے سیخ پا ہونے، میں نے مبارکپوری کی پوری عبارت نقل کی تھی جس میں اس کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علیزئی جو پوری ذراع مراد لے رہا ہے یہ جاہل ہے، ملاحظہ ہو مبارکپوری کی عبارت براہین رضوی سے کچھ تصرف کے ساتھ:'' أبهم سهل بن سعد موضعه من الذراع---

والمراد انه وضع يده اليمنى بحيث صار وسط كفه اليمنى على الرسغ، ويلزم منه ان يكون بعضها على الكف اليسرى والبعض على الساعد ---
واعلم انه لم يروفى رواية وضع الذراع على الذراع، فما يفعله بعض العوام من وضع الذراع على الذراع بحيث انهم يضعون الكف اليمنى على مرفق اليد اليسرى او قريباً منه ثم ياخذونه باصابع اليد اليمنى هوهما لا اصل له --- (المرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ۲/۲۹۹،۲۹۸)

سہل بن سعد نے ذراع کے حصہ میں ابہام رکھا ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ دایاں ہاتھ اس حیثیت سے رکھے کہ دائیں ہتھیلی بائیں گٹ کے اوپر آجائے اور لازم ہے کہ کچھ حصہ دائیں ہاتھ کا بائیں ہتھیلی پر اور کچھ حصہ ساعد پر آئے گا۔ اور جاننا چاہئے کہ کسی روایت میں بھی یہ الفاظ مروی نہیں ہیں کہ ذراع پر ذراع کو باندھا جائے اور بعض (جاہل) عوام جو یہ کرتے ہیں کہ ذراع پر ذراع اس طرح رکھتے ہیں کہ دائیں ہتھیلی بائیں کہنی تک یا اس کے قریب پہنچ جائے پھر دائیں انگلیوں سے اس کو پکڑتے ہیں، یہ وہ عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

جناب علیزئی صاحب! غور کیجئے گا یہ آپ کے محدث صاحب کیا کہہ رہے ہیں، یہ طعنہ کس کو دیا جارہا ہے، آپ سمجھ تو گئے ہوں گے---؟

کہیں ان جاہلوں کے قائد اور پیشوا آپ ہی تو نہیں ہیں؟۔

پس ثابت ہوا کہ بازو کو بازو پر نہیں رکھنا بلکہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے گٹ پر رکھنا ہے، اور اس طرح ہاتھ سینہ پر نہیں بلکہ آسانی کے ساتھ زیر ناف آتے ہیں، جو طریقہ الحمدللہ اہل سنت کا ہے۔ (براہین رضوی، ص ۴۴-۴۵)

پس ثابت ہوا کہ ان کے اپنے محدث کے نزدیک راقم الحروف کا اعتراض درست اور علیزئی کا واویلا باطل ومردود ہے، **الحمد لله على ذلك ۔**

☆اس کے بعد علیزئی لامذہب نے راقم الحروف کے سوال کہ: ''کیا نماز میں کبھی دائیں اور بائیں طرف پھرا جاتا ہے'' کو نقل کر کے نماز کے بعد دائیں اور بائیں پھرنے پر تقریباً آدھے صفحے میں زور لگایا ہے جس کے بارے میں نہ تو سوال کیا گیا تھا اور نہ ہی اس کی یہاں ضرورت تھی اس کے بعد لکھتا ہے کہ:

قول علیزئی ''ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسخرا اس حدیث کا یہ مطلب نکالے کہ آپ ﷺ حالت نماز میں سلام سے پہلے دائیں اور بائیں طرف پھرتے تھے تو یہ مطلب باطل ہے۔ رہا یہ سوال کہ سینے پر ہاتھ کس حالت میں باندھے تھے؟ نماز میں یا نماز سے بعد؟ تو عرض ہے کہ کئی دلائل سے ثابت ہے کہ یہ حدیث نماز میں ہاتھ باندھنے کے متعلق ہے، مثلاً:

۱: مسند احمد میں سفیان ثوری کی اسی حدیث کی دوسری سند میں درج ذیل الفاظ آتے ہیں:

" **رأيت النبي ﷺ واضعا يمينه على شماله في الصلوة** " میں نے دیکھا: نبی ﷺ (نے) نماز میں اپنے بائیں ہاتھ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ (مسند احمد ۵/ ۲۲۶ ح ۲۱۹۶۸ زوائد عبداللہ بن احمد) سفیان ثوری کے علاوہ ابوالاحوص نے بھی (ہی) حدیث " **كان رسول الله ﷺ يؤمنا فيأخذ شماله بيمينه** " کے الفاظ سے بیان کی ہے۔ (دیکھئے سنن ترمذی: ۲۵۲ وقال: حدیث حسن) یہ ظاہر ہے کہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے''۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۳۔۴۴)

جواب: اولا: عبارت کی اغلاط سے قطع نظر کرتے ہیں کیونکہ کمپوزنگ وغیرہ میں غلطی ہو سکتی ہے علیزئی صاحب! اپنی عبارت کی اصلاح کر لیں کہ پہلی حدیث کے ترجمہ میں لفظ

''نے'' زائد ہے جس کو بریکٹ میں کر دیا گیا ہے، اس کے بعد ''ابوالاحوص نے بھی ہی حدیث'' نہیں بلکہ جملہ یوں ہونا چاہئے تھا کہ: ''ابوالاحوص نے بھی یہی حدیث''۔

ثانیا: الحمدللہ! ہم یہ نہیں کہتے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ حالتِ نماز میں سلام پھیرنے سے پہلے دائیں اور بائیں پھرتے تھے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں جو سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے وہ حالتِ نماز میں نہیں بلکہ سلام پھیرنے کے بعد کا ہے۔

ثالثا: علیزئی صاحب! جس دلیل سے نماز میں سینے ہر ہاتھ رکھنا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یعنی سفیان ثوری رحمہ اللہ کی دوسری سند والی روایت۔ تو عرض یہ ہے کہ اس روایت میں ہاتھوں کا نماز میں رکھنا تو موجود ہے مگر نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر نہیں اور راقم الحروف نے براہینِ رضوی میں یہ بیان کر دیا تھا کہ: ''حضرت ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے جتنی بھی مسند احمد میں اس بارے میں روایات ہیں ان میں سے اگر کسی میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے تو ''في الصلوة '' کے الفاظ نہیں اور جس میں ''في الصلوة'' کے لفظ ہیں اُس میں سینہ پر رکھنے کا ذکر نہیں۔ پس یہ روایت نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے میں صریح نہیں ہے جو آپ کی دلیل بن سکے۔ (دیکھئے براہین رضوی ص ۴۶)

رابعا: ابوالاحوص کی سند والی روایت جس کا ذکر علیزئی نے سنن ترمذی کے حوالہ سے کیا ہے اس میں بھی سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں ہے۔

خامسا: علیزئی کا لکھنا کہ: ''یہ ظاہر ہے کہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے''۔ اس بات نے مسئلہ بالکل واضح کر دیا کہ حدیث، حدیث کی تشریح کرتی ہے، اب ملاحظہ ہو ہمارا بیان کہ نبی اکرم ﷺ سے اس حدیث میں سینہ پر ہاتھ رکھنا حالتِ نماز میں سلام پھیرنے سے پہلے نہیں بلکہ سلام پھیرنے کے بعد سینہ پر ہاتھ رکھنا مراد ہے، ملاحظہ ہو:

''حضرت ہلب طائی رضی اللہ تعالی عنہ کی یہی روایت امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''معجم کبیر'' میں روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ :

" قال سألت رسول الله ﷺ عن طعام النصارى ، فقال لا يحيكن في صدرك طعاما ضارعت فيه النصرانية ، قال ورأيته يضع احدى يديه على الأخرى " (المعجم الكبير ج ۹ ص ۲۳۰ ح ۱۷۸۸۱)

حضرت ہلب طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نصاری کے کھانے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دل میں کھانے کے متعلق اس طرح کے وساوس پیدا نہ ہوں جن میں نصرانیت مبتلا رہی اور تم بھی انہی کی طرح شک کرنے لگو۔ فرمایا: اور میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا ہوا تھا۔

کیوں جناب حدیث نے کیسی تشریح کی کہ حضرت ہلب طائی رضی اللہ تعالی عنہ نے جب آپ ﷺ سے سوال فرمایا تو اس وقت کیونکہ بات سینہ کی ہو رہی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ کر سینہ پر رکھے، لہذا واضح ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز میں اپنے ہاتھ سینہ اقدس پر نہیں باندھے تھے بلکہ بعد از نماز صحابی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے سینہ کی گفتگو کی وجہ سے اپنے ہاتھ سینہ پر رکھے تھے۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''سماک بن حرب رحمہ اللہ کی اس حدیث پر محدثین نے نماز میں ہاتھ باندھنے کے ابواب لکھے ہیں۔

مثلاً دیکھئے سنن ترمذی (قبل ح ۲۵۲) اور سنن ابن ماجہ (۸۰۹، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ) حافظ ابن الجوزی نے نماز کے مسائل میں، بائیں ہاتھ پر دائیں ہاتھ کا رکھنا

مسنون ہے کے تحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

(التحقیق فی اختلاف الحدیث ۱/۲۸۳ ح ۴۷۷) (الحدیث شمارہ:۸۶ ص ۴۴)

جواب : علیزئی لا مذہب اور اس کی پارٹی سے سوال ہے کہ کیا محدثین کے ابواب تم لوگوں کو قبول ہیں؟۔

اگر قبول ہیں تو اپنی مرضی کے خلاف محدثین کے ابواب میں موجود روایات کو کیوں اس بارے میں قبول نہیں کرتے ، مثلا : حدیث عبداللہ بن مسعود اور براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہما۔

☆اس کے بعد علیزئی نے امام طاؤس کی مرسل روایت کا ذکر کیا ہے اور اس کی سند کے بارے میں لکھا ہے کہ " و سنده حسن لذاته "۔ علیزئی صاحب! مراسیل صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ جناب پچھلے اوراق میں اپنے بزرگوں کے اقوال پڑھ آئے ہیں، لہذا جب جناب کے نزدیک موقوفاتِ صحابہ دلیل نہیں تو تابعی کی مرسل روایت کیسے دلیل بن گئی؟۔

پھر اس مرسل روایت کی سند کے راویوں میں بھی کلام ہے:

ا: سلیمان بن موسی

امام ابن جریج کہتے ہیں کہ:" **وكان سليمان يفتي في العضل وعنده أحاديث عجائب،[و في الكبير] وعنده مناكير** "۔

(التاريخ الأوسط للبخارى ۱۴۹ ت ۱۴۷۶، والتاريخ الكبير ۳۹/۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

" **عنده مناكير** " (الضعفاء الصغير ص۱۱۶ ت ۱۴۶، الاسامی والكنى لأبی احمد الحاكم

(۲۹۳
جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ:
"قال محمد وسليمان بن موسى منكر الحديث أنا لا أروى عنه شيئا روى سليمان بن موسى أحاديث عامتها مناكير "۔ (العلل، باب ماجاء في النفل ،ص۲۵۷)
امام ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :" في حديثه بعض المناكير "
(فتح الباب في الكنى والألقاب، ٦٧ ت ٣٩٠)
اسی طرح امام ابواحمد الحاکم رحمہ اللہ نے کہا ہے، ملاحظہ ہو: (الاسامی والکنی ۲۸۹ت ۱۸۰)
امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ نے اسے ضعفاء میں شمار کیا
(كتاب الضعفاء وأجوبة أبي زرعة الرازي ج۲ص٦٦٢ت ١٣٣)
امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ضعفاء میں شمار کیا ہے
(الضعفاء والمتروكين ١٨٦ ت ٢٥٢ وقال:أحد الفقهاء ليس بالقوي في الحديث)
امام ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی ضعفاء میں ذکر کیا (الكامل في الضعفاء، ج۳ت ٧٤١)
امام عقیلی رحمہ اللہ نے بھی ضعفاء میں شمار کیا (الضعفاء الكبير ج۲ ص ١٤٠ ت ٦٣٢)
امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ضعفاء میں شمار کیا (الضعفاء والمتروكين ٢/٢٥ ت ١٥٤٩)
امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ضعفاء میں شمار کیا (المغنی في الضعفاء ٣٢٧ ت ٢٦٣٠)
سب کے آخر میں جناب کے محدث البانی نے بھی کہا ہے کہ:"سليمان بن موسى وهو متكلم فيه" (السلسلة الضعيفة ٦ تحت ح ٣٣٥٨)۔
پس معلوم ہوا کہ یہ راوی متکلم فیہ ہے اور اس کی روایات کے بارے میں اکثر آئمہ کا قول یہ

ہے کہ یہ مناکیر روایت کرتا ہے۔اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں منکر الحدیث ہونا بھی نقل کیا ہے۔

۲: ثور بن یزید، جس کو ابن العجمی م ۸۴۱ھ نے مدلسین میں شمار کیا ہے، ملاحظہ ہو:

(التبیین لأسماء المدلسین ۱۸ ت ۸)

اور یہ صیغہ عن سے روایت کررہے ہیں۔

قول علیزئی: اس کے بعد علیزئی کا لکھنا کہ: ''کسی مستند عالم یا محدث نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نہیں نکالا کہ آپ ﷺ نماز کے باہر سینے پر ہاتھ باندھتے تھے، لہذا رضا خانیوں کی خودساختہ تحریفات باطل ومردود ہے۔

جواب: اولا: علیزئی صاحب! لفظ ''تحریفات'' واحد نہیں جمع ہے، اور لفظ ''ہے'' جمع نہیں واحد ہے۔

ثانیا: الحمدللہ! راقم الحروف نے علیزئی کی مرضی کے مطابق کہ حدیث، حدیث کی تشریح کرتی ہے سے واضح کردیا ہے کہ یہ واقعہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک سوال کے جواب، جس کا تعلق سینہ سے تھا، کی وجہ سے پیش آیا جس میں آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھ کر سینہ پر رکھا تھا، لہذا یہ تحریف نہیں بلکہ حدیث سے حدیث کی تشریح ہے۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''تنبیہ: روایت مذکورہ کی سند حسن لذاتہ یعنی صحیح ہے اور بعض رضا خانیوں کی سماک بن حرب اور قبیصہ بن ہلب پر جرحیں جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں، نیز یہ روایت سماک کے اختلاط سے پہلے کی ہے، بعد کی نہیں، لہذا اختلاط کا اعتراض بھی مردود ہے۔ (الحدیث شمارہ ۸۶ ص ۴۴۔۴۵)

جواب: اولا: علیزئی صاحب! اگر یہ روایت باعتبار سند صحیح ہی تھی تو اتنے تکلفات میں

پڑنے کی کیا ضرورت تھی، صرف صحیح لکھتے اور اس کو صحیح ثابت کرتے، مگر وہ تو جناب سے ہو نہ سکا، اب لگے ہوادھر ادھر کی ٹامک ٹوئیاں مارنے، مگر یاد رکھوان سے کام نہیں چلے گا۔

ثانیا : راقم الحروف نے سماک بن حرب کے بارے میں مختصر مگر جامع کلام کرتے ہوئے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے اس پر تلقین قبول کرنے کی جرح، جس کو جناب نے خود تسلیم کیا ہے، کے تحت ذکر کیا تھا کہ جناب کا بزرگ ابن حزم تو صرف اسی ایک جرح کی وجہ سے اس کی روایت کو ضعیف قرار دے رہا ہے اور ساتھ ہی امام خطیب بغدادی اور ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہما سے اُصول بھی بیان کیا تھا، مگر اس کا جواب دینے سے کیوں جناب نے راہ فرار اختیار کی؟ کرتے ہمت اور دیتے سارے مضمون کا جواب، مگر وہ نہ ہو سکا اور نہ ہی ہو سکے گا ان شاء اللہ العزیز۔

ثالثا : کیا امام خطیب بغدادی، ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہما اور جناب کا بزرگ ابن حزم غیر مقلد بھی اس جمہور والے اُصول سے بے خبر تھے؟ کہ چودھویں، پندرھویں صدی میں جناب کو یاد آ گیا۔

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: ''نیز عرض ہے کہ زمانۂ تدوین حدیث میں تدلیس اور ارسال خفی کو ایک سمجھنا علیحدہ چیز ہے اور چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں غیر مدلس کو مدلس کہنا علیحدہ چیز ہے، لہذا عباس رضوی نے امام سماک بن حرب رحمہ اللہ کو مدلس کہہ کر ضرور جھوٹ بولا ہے، یا نرم الفاظ میں: غلط بیانی کی ہے۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۵)

جواب : اولا : راقم الحروف نے سماک بن حرب کی تدلیس کے حوالہ سے براہین رضوی میں وضاحت کر دی تھی مگر علیزئی کو وہ شاید گوارا نہیں، تو علیزئی بتائے آج تک سفیان ثوری کی تدلیس کے بارے میں اس کے بزرگ جھوٹ بولتے رہے ہیں؟۔

ثانیا : علیزئی نے جتنی باتوں سے رجوع کیا ہے وہ سب جھوٹ ہیں؟

ثالثا : علیزئی صاحب! اگر چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں کسی غیر مدلس کو مدلس کہنا جھوٹ ہے تو سفیان ثوری کی تدلیس کے بارے میں جناب کی ساری کی ساری تحقیق جھوٹ ہے، جس کے گواہ جناب کے اپنے بزرگ بھی ہیں جو آج تک سفیان ثوری کو طبقہ ثانیہ کا مدلس مانتے تھے اور مان رہے ہیں۔

رابعا: براہین رضوی میں راقم الحروف نے لکھا تھا کہ "راقم الحروف کی غلطی سے سماک بن حرب کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ وہ مدلس ہے" دیکھئے براہین رضوی، حاشیہ ۵۲" مگر اس کے باوجود تمہارا یہ لکھنا کہ "عباس رضوی نے امام سماک بن حرب کو مدلس کہہ کر ضرور جھوٹ بولا ہے"، یہ خود بہت بڑا جھوٹ ہے۔

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: "۷) القاموس الوحید میں رسغ کا معنی کلائی اور پہنچا وغیرہ لکھا ہوا ہے۔ (ص ۶۲۲) اور علمی اردو لغت میں کلائی کا معنی "ساعد، پہنچا" وغیرہ لکھا ہوا ہے (۱۱۴۴) اس کا جو بھی معنی ہو، ظہر الکف، رسغ اور ساعد کا مجموعہ پوری ذراع یعنی ہاتھ کی بڑی انگلی سے لے کر کہنی تک کا پورا حصہ ہوتا ہے اور پورے حصے پر اپنے دائیں ہاتھ کا جو حصہ رکھنا ممکن ہو وہ رکھ کر دیکھیں تو خود بخود سینے پر ہاتھ آ جاتے ہیں، تجربہ شرط ہے۔

(الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۵)

جواب : اولا : راقم الحروف نے "المنجد، لسان العرب، النهاية في غريب الحديث والاثر، اور کتاب العین" اتنی کتب سے بیان کیا تھا کہ رسغ کا معنی "گٹا، پہنچا" یعنی ہاتھ اور بازو کے درمیان والا جوڑ ہے، مگر علیزئی نے یہاں اپنا مقصد حاصل کرنا تھا تو جمہور کے دعوے کرنے والے نے جمہور کو چھوڑ کر ایک القاموس الوحید کو ہی تھامنے میں عافیت سمجھی کیوں کہ مطلبی

لوگوں کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے کہ بس اپنے مطلب کے خلاف تو ہم کسی کی نہیں مانتے ،مگر اپنے مطلب کے لئے ایک دیوبندی جن کے بارے میں علیزئی کی تحریرات قابل دید ہیں کہ خود انہیں مسلمان بھی نہیں سمجھتا مگر مطلب کے وقت ان کے دامن کو چھوڑنا گوارانہیں کر رہا۔

ثانیا : ظہر الکف ،رسغ اور ساعد کا مجموعہ اگر پوری ذراع ہے جو کہ بڑی انگلی سے لے کر کہنی تک کا پورا حصہ ہے تو ہاتھ کو رکھنے کا محل بھی احادیث مبارکہ میں موجود ہے، جیسا کہ حضرت سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی روایت میں ہے، آپ فرماتے ہیں کہ:

"قال :قلت :لانظرن الی رسول الله ﷺ کیف یصلی قال فنظرت الیه قام وکبر ورفع یدیه حتی حاذتا باذنیه ثم وضع یده الیمنی علی ظهر کفه الیسری والرسغ من الساعد"

(السنن الکبری للبیهقی ج ۲ ص ۲۸ ، نشر السنة، ملتان ،والسنن الصغری ج ۱ ص ۱۲۳-۱۲۴(۳۵۱)، دار المعرفة ، بیروت ، لبنان ، وفي نسخة : ۱ ص ۱٤٦ ،جامعة الدرسات الاسلامیة ، کراچی ، و ذکره الحافظ في فتح الباری ۲/۱۷۸، دار احیاء التراث العربی ، وعزاه الی ابی داود والنسائی ،و قال : وصححه ابن خزیمة وغیره ، والعینی في عمدة القاری ٥/۱۷۸، مکتبه رشیدیه کراچی ، والزرقانی في شرح الموطأ ۱/٤٥٥ ،دار الکتب العلمیة ،بیروت ، وصدیق بن حسن القنوجی في مسك الختام ، ج۱ ص ٤۰٥ ،المکتبة الاثریة ،جامع اهلحدیث باغوالی ،سانگله هل ،پاکستان ، وعبید الله المبارکبوری في مرعاة المفاتیح ۳/٦۱ ،الجامعة السلفیة ،بنارس الهند ، وغیرهم ۔

پس جب محل واضح ہے کہ گٹ یعنی پہنچے پر رکھنا ہے، تو علیزئی کا بے جا تاویلات کرنا باطل و مردود ہے، جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا اور آگے بھی انہی کے محدث و بزرگ سے بیان ہوگا، ان شاءاللہ۔

ثالثا: اس طرح ان احادیث پر عمل کیا جائے تو سینہ پر نہیں بلکہ آسانی سے ہاتھ تحت السرۃ آتے ہیں، تجربہ شرط ہے، مگر یہ لوگ تجربہ کا بھی انکار کر دیتے ہیں جیسا کہ مری کے مناظرہ میں ہوا تھا جس کی روئیداد پہلے سے شائع شدہ ہے اور مختصراً براہین رضوی میں بھی بیان کیا گیا تھا۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''ید: ہاتھ (اس کا اطلاق مونڈھے سے انگلیوں کے کناروں تک ہوتا ہے۔) دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۹۱۰) یہ ظاہر ہے کہ ذراع پر مونڈھوں تک ہاتھ رکھنا ناممکن ہے، اور کہنی تک ہاتھ کا حصہ رکھنا ہی ممکن ہے لہذا عموم سے استدلال کرتے ہوئے یہاں ذراع پر ذراع رکھنا مراد ہے۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ص ۴۵)

جواب: اولا: علیزئی صاحب! کیا بھول گئے ہیں کہ جناب خود لکھ چکے ہیں کہ ''صرف احتمال کی بنیاد پر خصوصیت ثابت کر دینا صحیح نہیں ہے'' (دیکھئے عبادات میں بدعات، حاشیہ ص ۷۱) اور یہاں صرف اپنی طرف سے احتمال بیان کر کے خصوصیت ثابت کرنے لگے ہوئے ہیں، کیا یہ صرف مسلک پرستی کی وجہ سے جناب نے دوغلا پن اپنا رکھا ہے؟۔

آپ کی یہ باتیں پڑھ کر راقم الحروف کو وہ مثال یاد آ گئی کہ ''گدھا برسات میں بھوکا مرے''

ثانیا: راقم الحروف نے براہین رضوی میں پہلے ہی اس عمومی استدلال کے بارے میں جناب کے محدث و بزرگ کے حوالہ سے بیان کر دیا تھا، جیسا کہ پیچھے بھی ذکر ہوا کہ یہ وہ عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ (دیکھئے براہین رضوی، ص ۵۴-۵۵)

ثالثا: جب خاص موجود ہے تو عموم سے استدلال کیوں؟

اس حصہ کا تعین حضرت وائل رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں موجود ہے، پھر علیزئی کا عموم سے استدلال بھی باطل و مردود اور صرف از صرف مسلک نوازی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: ''شیخ عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے اپنے اجتہاد سے جو کلام لکھا ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح ۳/۶۰) اس کے برعکس شیخ البانی رحمہ اللہ نے حدیث سہل رضی اللہ عنہ اور حدیث وائل رضی اللہ عنہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

'' وهذه الكيفية تستلزم أن يكون الوضع على الصدر اذا أنت تأملت ذلك و عملت بها '' جب تم غور کرو گے اور اس پر عمل کرو گے تو اس کیفیت سے یہ لازم آتا ہے کہ ہاتھ سینے پر آجاتے ہیں۔ (تعلیقات المشکوۃ ج ۱ ص ۲۴۹)۔۔۔اس کے بعد البانی کی ''اصل صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ج ۱ ص ۲۱۸'' کی ایک عبارت نقل کی۔۔۔۔پھر کہا کہ:

''ہمارے نزدیک شیخ مبارکپوری رحمہ اللہ کا مذکورہ بیان ان کی اجتہادی خطا ہے اور اس کے مقابلے میں شیخ البانی رحمہ اللہ کا مذکورہ بیان راجح ہے، لہذا رضاخانی کا اعتراض مردود ہے۔
(الحدیث شمارہ ۸۶ ص ۴۵-۴۶)

جواب: اولا: عبیداللہ مبارکپوری نے صرف اپنے اجتہاد سے یہ کلام نہیں لکھا بلکہ اس کے سامنے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت بھی تھی جس میں ''والرسغ من الساعد'' کے الفاظ ہیں، پس اُس نے تو اِس روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بارے میں درست اور صاف و شفاف بات لکھی تھی، مگر علیزئی کے نظریات کو تباہ کر رہی تھی اِس لئے علیزئی نے اُس کو اجتہادی خطا لکھ مارا، درحقیقت اپنا بزرگ تھا اس کی بات مکمل اپنے خلاف نظر آئی پھر بھی اجتہادی خطا کا نام دے دیا، اگر یہی کام کسی اَور سے سرانجام پاتا تو یہ لا مذہب اس کو باطل و مردود سے کم نہ لکھتا۔

ثانیا: قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں ان لامذہبوں کی چالاکیاں: یہی علیزئی لکھتا ہے کہ: ''ہم کتاب وسنت کا خودتراشیدہ مفہوم نہیں لیتے بلکہ ہر حوالے کے لئے سلف صالحین کے

متفقہ فہم کو ترجیح دیتے ہیں'' (مقالات، ج ۳ ص ۲۴)

صحیح بخاری کوئی ایسی کتاب نہیں، جس کی کوئی شرح سلف صالحین نے نہ کی ہو، بلکہ ایک ایسی متداول کتاب ہے کہ جس کی شروحات تقریبا حدیث کی تمام کتب کی شروحات سے زیادہ لکھی گئی ہیں اور تقریبا ہر محدث وشارع نے صحیح بخاری کی اس روایت کی شرح کی ہے، مگر چودھویں صدی ہجری تک تو کسی کے فہم میں یہ بات نہ آئی کہ اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا جاسکتا ہے اور کسی نے نہ لکھا کہ ذراع پر ذراع رکھنا درست ہے، مگر علیزئی کے اپنے مقصد کے حصول کی بات تھی تو تمام شارحین کو چھوڑ کر البانی سلف اور صالح نظر آ گیا جس کا قول تمام کے قول کے مقابل تسلیم کرلیا۔

ثالثا: البانی کے ہم عصر شیخ شعیب الارنووط وغیرہ نے اس بارے میں البانی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:" قلنا :قول الألباني رحمه الله في صفة الصلاة :وضعهما على الصدر هو الذى ثبت في السنة ، تعنت لا وجه له ، ففى "بدائع الفوائد ۳/ ۹۱ " لابن القيم :واختلف في موضع الوضع فعنه :[أي عن الامام أحمد] فوق السرة ، وعنه تحتها ، وعنه :قال أبو طالب سألت أحمد بن حنبل : أين يضع يده اذا كان يصلي ؟ قال :على السرة أو أسفل ـ و كل ذلك واسع عنده ان وضع فوق السرة أو عليها أو تحتها ـ (ذيل مسند احمد، ج ۳٦ ص ۳۰۰ تحت ح ۲۱۹٦۷، مؤسسة الرسالة ،الطبعة الأولى ۱٤۲۱ھ ـ ۲۰۰۱ء)

پس ثابت ہوا کہ چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں البانی اور علیزئی جیسے لامذہبوں کا اس کو راجح قرار دینا جمہور کے مقابلہ میں باطل ومردود ہے۔

نوٹ حضرت ہلب طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت، جس کو علیزئی حسن لذاتہ کہتا

ہےاس کی سند کوشعیب وغیرہ نے مسند احمد کے ذیل میں ضعیف قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:
(مسند احمد ج ٣٦ ص ٢٩٩ ، تحت ح ٢١٩٦٧، مؤسسة الرسالة)

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: "۸) راقم الحروف نے اس کا جواب صاف الفاظ میں اور صحیح بخاری کی حدیث کے ساتھ دے دیا ہے اور "۔۔ چپ نہ شود" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے رضا خانی لامذہب نے الفاظ کا گورکھ دھندا بننے کی کوشش کی ہے۔
(الحدیث، شمارہ ۸٦ ص ۴٦)

جواب: اولا: ہمارے سوال کے جواب میں جناب کا تہجد کی اذان کے لئے صحیح بخاری کی روایت کو پیش کرنا اور جناب کے ہی بزرگوں کا اس کے بارے میں لکھنا کہ:
"صحیح بات یہی ہے کہ وہ فجر کے لئے تھی" اس بات کا آئینہ دار ہے کہ لامذہبوں کے مسلک میں گدھوں کا ہل چل رہا ہے۔

ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

ثانیا: راقم الحروف نے بھی صحیح بخاری کی روایت سے ہی براہین رضوی میں یہ ثابت کیا تھا کہ ان دونوں اذانوں میں صرف فرق اتنا ہوتا تھا کہ ایک اذان کہہ کر نیچے اُترتے اور دوسرے اذان کہنے کے لئے اُوپر چڑھتے، لہذا اس میں تہجد کس طرح پڑھی جاسکتی ہے مگر جناب نے مسلک پرستی کو ترجیح دیتے ہوئے اس کا انکار تو نہ کیا مگر یہ لکھ دیا کہ: "دوسرے دلائل کی رُو سے اگر یہ اذان نہ بھی دے اور صرف صبح کی اذان دے تو بھی جائز ہے"۔
(دیکھئے الحدیث: ٥٦ ص ۴۴ و ٨٦ ص ۴۷)

صحیح بخاری کی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی اس حدیث کو دیکھ اور پڑھ کر جناب کا اپنے مسلک والوں کے دفاع میں ایسا لکھنا درحقیقت الفاظ کا گورکھ دھندا بننے کی

کوشش کرنا ہے اور ''کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتی'' کا مصداق ہے۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''ہمارے علاقے میں بریلوی رضاخانی حضرات کے پیروں کی ایک گدی ہے، جسے ''دریا شریف'' کہتے ہیں، وہاں ہمیشہ تہجد کی اذان ہوتی ہے جسے سحری کے وقت روزانہ سنا جاسکتا ہے، لہٰذا عرض ہے کہ ذرا اپنی چارپائی کے نیچے بھی لاٹھی پھیر کر دیکھیں۔! (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۶)

جواب: اہل سنت کی کسی مسجد میں اگر سحری کے لئے اذان دی جاتی ہے تو ہم یہ تو نہیں کہتے کہ یہ عمل سنت ہے، بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یا خلفاء راشدین کے دور میں سحری کے لئے اذان کہنے کی کوئی دلیل ہمارے علم میں نہیں، کسی علاقہ میں اگر کوئی اہل سنت میں سے یہ عمل کرتا ہے تو اس کا یہ عمل سنت سے ثابت نہیں، مگر جناب تو اس کے ثبوت کے لئے صحیح صریح روایات میں بھی مسلک کے دفاع کے لئے تحریف کا ارتکاب کرتے ہوئے اس کے ثبوت پر دلائل فراہم کرنے لگے ہوئے ہیں، یاد رکھیں کہ راقم الحروف کی رہائش گاہ کے ساتھ والی گلی میں لامذہبوں کی مسجد جس کا نام ''جامع مسجد توحید'' رکھا گیا ہے اس میں رمضان المبارک کی گزرنے والی ۲۳ راتیں تو کم از کم متواتر اہل علاقہ سنتے رہے ہیں کہ اذانِ فجر سے تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اذان ہورہی ہے، اسی طرح گردو نواع کی اکثر لامذہبوں کی مسجدوں میں بھی یہی صورتِ حال ہے، پھر یاد رہے کہ غیر مقلدوں کی مساجد میں اس اذان کا تعلق صرف رمضان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تقریباً پورا سال یہ اذان ہوتی ہے۔

ہم نے تو یہ سوال اس لئے کیا تھا کہ لوگوں کو علم ہوسکے کہ ہر بات میں صحیح صریح حدیث کا مطالبہ کرنے والوں اور اپنے آپ کو خالص موحد و اہل حدیث کہلوانے والوں کے گھر میں کیا

کچھ ہورہا ہے؟، اور الحمد للہ! علیز ئی اور اس سے قبل تیر آزمائی کرنے والوں کی طبع آزمائی سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ لوگ صرف دعوے کی حد تک ہی موحد و اہل حدیث ہیں، حقیقت میں ان کے پلے کچھ نہیں

قول علیزئی: علیز ئی نے لکھا ہے کہ: ''دوسرے یہ کہ رضا خانی لا مذہب نے بعض اہل حدیث علماء کے اقوال پیش کئے ہیں کہ یہ تہجد کی اذان نہیں بلکہ فجر کی اذان تھی، تو عرض ہے کہ پھر آپ لوگوں کو کس نے اختیار دیا ہے کہ اہل حدیث کے خلاف عمومی اعتراض کریں؟ بعض لوگوں کے اجتہاد کی وجہ سے تمام لوگوں کو مطعون کرنا غلط ہے۔

(الحدیث، شمارہ ٨٦ص ٤٦۔٤٧)

جواب: اولا :علیز ئی صاحب! جناب نے یہ لکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ اہل سنت کے غیر مفتی بہ اقوال کو پیش کر کے لا مذہب جو واویلا کرتے ہیں ان کا شور وغل سراسر غلط ہے اور ان بے مہار شتروں کا اہل سنت پر اعتراضات کرنا باطل و مردود ہے۔

ثانیا: اگر لا مذہبوں کے بزعم خویش مجتہدین صحیح، صریح احادیث کے خلاف بھی قیاس و اجتہاد کر لیں تو اس وجہ سے تمام لا مذہبوں کو مطعون کرنا اگر غلط ہے تو آئمہ فقہاء میں سے بعض کے اجتہادی مسائل میں اہل سنت کو مطعون کرنا تو لا مذہبوں کا نہ صرف غلط بلکہ باطل و مردود ہی قرار پائے گا۔

ثالثا: عمومی اعتراض اس لئے کیا گیا تھا کہ لا مذہبوں کی اکثریت کی صورتِ حال یہ ہے کہ جب ان سے کسی مسئلہ کے متعلق سوال ہو اور ان کی طرف سے دیئے گئے جواب کے خلاف انہی کے بزرگ سے کوئی بات ان کے خلاف بیان کی جائے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی تحقیق ہے اور یہ ہماری تحقیق ہے، یعنی ہر کوئی اپنی من مانی کرتے ہوئے شتر بے مہار ہونے کا ثبوت

فراہم کرتا ہے، اور ہمارے علاقہ میں اکثریت لامذہبوں کی مساجد میں یہ کام ہوتا ہے، لہذا لا مذہبوں کی ہر مسجد کا امام اپنے آپ کو مجتہد خواہ مخواہ سمجھتا ہے اور دعوی یہی کرتا ہے کہ ہم صحیح، صریح، مرفوع احادیث پر عمل کرتے ہیں کسی کے قول پر نہیں، توان کوان کی حقیقت کا آئینہ دکھانے کے لئے اس سوال کا کرنا نہ تو غلط اور نہ ہی ناروا تھا بلکہ بالکل صحیح اور درست تھا۔

رابعا: علیزئی کی مذکورہ عبارت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ لامذہبوں کا جاہل عوام کی وجہ سے بعض افعال کی بنا پر اہل سنت پر بدعت اور شرک کے فتوے لگانا نہ صرف غلط و بے بنیاد عمل ہے بلکہ باطل ومردود بھی ہے۔

☆☆اس کے بعد علیزئی لکھتا ہے کہ: "اور دوسرے دلائل کی رُو سے اگر یہ اذان نہ بھی دے اور صرف صبح کی اذان دے تو بھی جائز ہے" (الحدیث:٥٦ص ٤٤) اور اسی پر ہمارا عمل ہے اور دوسرے صحیح العقیدہ لوگ اپنے اجتہاد پر ماجور ہوں گے۔ ان شاءاللہ

(الحدیث، شارہ٨٦ص٤٧)

علیزئی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ چودہویں پندرہویں صدی ہجری میں ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی قسم کے دلائل کی رو سے اگر لامذہب دو علیحدہ علیحدہ قسم کے اجتہاد کر سکتے ہیں، اور اپنے مخالف اجتہادات کے باوجود وہ گناہگار نہیں بلکہ اپنے اجتہاد پر ماجور ہوں گے تو آئمہ سلف صالحین جن کی امامت وجلالت پر ایک جماعت گواہ ہے اگر وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر کوئی مسئلہ کسی دوسرے کے خلاف نکالتے یا بیان کرتے ہیں توان کو قابل گردن زدنی اور گمراہ وبدعتی جیسے الفاظ سے یاد کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔

جبکہ اس اذان کے بارے میں تو ایک لامذہب ہی لکھتا ہے جیسا کہ اس کا ذکر براہین رضوی میں بھی کیا گیا تھا کہ: مولوی ابوالبرکات لامذہب کا فتوی:

سوال: بعض مساجد میں تہجد کی اذان ہوتی ہے ہم ان سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے وہ یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب حضرت بلالؓ اذان کہیں تو تم کھاؤ پیو اور جب عبداللہ بن ام مکتوم اذان کہیں تو تم کھانے پینے سے رک جاؤ اس میں وقت کی تعین نہیں ہے لہذا اسے تہجد کی اذان کہنا درست ہے۔

(محمد حسین جنڈیالہ باغوالہ)

جواب: ''اس حدیث سے استدلال غلط ہے کیونکہ بلال کی اذان فجر کی تھی کیونکہ فجر کے وقت نیند کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے فجر سے چند منٹ پہلے بلال کی اذان ہوتی تھی اگر یہ اذان سحری یا تہجد کی ہوتی تو فجر سے تقریبا گھنٹہ پہلے ہونی چاہیے تھی، لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بخاری مسلم وغیرہ کتب احادیث میں روایت موجود ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں اذانوں کے درمیان صرف اتنا فرق تھا کہ بلالؓ اذان کہہ کر اترتے تھے اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ اوپر چڑھ کر اذان کہہ دیتے تھے اتنے فاصلے میں تہجد کیا پڑھی جاتی ہے اور سحری کا کھانا کیسے کھایا جاتا ہے۔ کسی محدث نے آج تک کتب احادیث میں تہجد یا سحری کی اذان کا باب نہیں باندھا معلوم ہوا کہ اس قسم کی اذان شریعت میں ہے ہی نہیں۔۔۔۔ (فتاوی برکاتیہ ص۲۳۔۲۴)

جس سے معلوم ہوا کہ یہ اذان بہر حال تہجد کے لئے نہ تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ پورا سال چلتی تھی، تو ایسی روایت اگر کوئی ہے تو اس کو پیش کیا جانا چاہیے تھا۔ (دیکھئے براہین رضوی ص۵۹)

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: ''**۹**) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع ہے اور اس پر عباس رضوی کے تمام اعتراضات باطل ومردود ہیں۔ حافظ ابن حبان نے اس حدیث پر '' **ذکر ما یستحب للامام أن یجهر ببسم الله الرحمن الرحيم عند**

ابتداء قراء ة فاتحة الکتاب " کا باب باندھا ہے۔

(قبل ح ۱۷۹۴)(الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۷)

جواب: اولا : الحمد للہ! قبلہ استاد محترم، مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس رضوی صاحب مدظلہ العالی وحفظہ اللہ تعالی نے اس پر جتنے بھی اعتراضات کیے ہیں وہ باطل مردود نہیں بلکہ آپ نے جو اعتراضات کئے ہیں ان میں آپ کو حافظ ابن حجر عسقلانی، ابوبکر الجصاص، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم جیسے لوگوں کی تائید حاصل ہے، حتی کہ جناب کے مذہب کے مؤسس اول ابن تیمیہ، پیشوائے وہابیہ ابن قیم، جناب کے سلف البانی اور عبدالرؤف سندھو غیر مقلد کی بھی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے براہین رضوی، ص ۹۴ تا ۱۰۰ اور صلوہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم تخریج وتعلیق عبدالرؤف سندھو ۲۳۶۔۲۳۷)

لہذا علیزئی کا ان اعتراضات کو باطل ومردود قرار دینا خود ہی باطل ومردود ہے۔

ثانیا: علیزئی نے ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ الباب سے اپنی بات کو تائید دینے کی کوشش کی ہے، ہم پوچھتے ہیں کیا جناب امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ الباب کو قبول کریں گے؟ علیزئی صاحب! جناب نے صحیح ابن حبان کا جو حوالہ نقل کیا ہے راقم الحروف کے پاس موجود نسخہ مؤسسۃ الرسالۃ میں یہ باب جلد ۵ صفحہ ۱۰۰ پر ہے اور اس کے بعد حدیث کا نمبر ۱۷۹۷ ہے، اگر جناب کو امام ابن حبان کے ترجمۃ الباب پر اتنا ہی اعتماد ہو گیا ہے تو لیجئے قبول کیجئے گا، یہی امام ابن حبان اپنی صحیح میں ہی (راقم کے پاس موجود نسخہ کے مطابق) اسی جلد میں ۹۶ صفحات کے بعد (یعنی جلد ۵ ص ۱۹۷۔۱۹۸ (۱۸۷۸)) ایک باب قائم فرمارہے ہیں کہ: " ذکر ما یستحب للمصلی رفع الیدین عند قیامہ من الرکعتین من صلاتہ " اور اس باب میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مروی مرفوع روایت " ما لی اراکم رافعی ایدیکم کأنها أذناب خیل شمس اسکنوا في الصلاۃ " ذکر کر رہے ہیں، کریں قبول اور لامذہبوں کو آج کے بعد بتائیں اور اپنے رسالہ میں بھی کریں اعلان کہ چار یا تین رکعتی نماز میں دو رکعت پڑھنے کے بعد رفع یدین کی ممانعت اس صحیح حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

ثالثا : قارئین کرام! یاد رہے علیزئی کے پیش کردہ حوالہ کے بعد امام ابن حبان نے صحیح، صریح، مرفوع احادیث بھی نفی جہر کے بارے میں بیان کی ہیں مگر علیزئی نے صحیح، صریح، مرفوع روایات کے مقابلہ میں امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اپنی دلیل بنانے کی کوشش کی ہے، عام طور پر تو صحیح، صریح، مرفوع روایت کے مقابلہ میں اقوال وافعال صحابہ کو بھی حجت نہیں مانا جاتا اور کبھی اپنی مرضی کے مطابق ایک محدث کے قول کو صحیح، صریح، مرفوع احادیث اور جمہور کے خلاف بھی قبول کرلیا جاتا ہے، ان لامذہبوں کی ایسی ہی حرکات کی وجہ سے ہم انہیں لامذہب کہتے ہیں جو کہ بالکل درست اور صحیح ہے۔

قول علیزئی: علیزئی لکھتا ہے کہ: "سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (خلیفہ راشد) کے عمل سے صراحتاً بسم اللہ بالجہر ثابت ہے اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم حدیث سے ثابت ہے الا یہ کہ استثناء کی کوئی صریح دلیل ہو۔ رضا خانیوں سے سوال ہے کہ آپ کے نزدیک یہ فاروقی عمل صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو تمہارا اعتراض مردود ہے اور اگر غلط؟ تو صراحت کے ساتھ لکھیں۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۷)

جواب: اولا : علیزئی نے اس کا جواب اپنے ہی قلم سے یہ لکھ کر دے دیا ہے کہ "الا یہ کہ استثناء کی کوئی صریح دلیل ہو" پس اس بارے میں صحیح، صریح، مرفوع روایات موجود ہیں، لہذا ان کی موجودگی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی صحیح، صریح روایت اس

کے خلاف موجود ہے، جیسا کہ صحیح ابن حبان وغیرہ میں ہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے بھی میں نے نمازیں پڑھیں مگر ان سے بھی میں نے بسم اللہ بلند آواز سے نہیں سنی، لہذا علیزئی کے اپنے لکھے ہوئے الفاظ کے مطابق ہی یہ دلیل نہیں بن سکتی۔

ثانیا : راقم الحروف کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ اس کے خلاف بھی مروی ہے اور اس کو صحیح، صریح، مرفوع احادیث کی تائید حاصل ہے، لہذا اسی کو ترجیح حاصل ہوگی۔

ثالثا : آپ کے ایک لامذہب محمد داود ارشد نے لکھا ہے کہ: ''یہ طے شدہ اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ صحت سند سے متن کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ وکثیرا ما یکون الحدیث ضعیفا او واهیا والاسناد صحیح (تدریب الراوی ص ۱۴۸ ج ۱) یعنی کئی ایسی احادیث ہیں جو نہایت درجہ ضعیف ہیں مگر (بظاہر) ان کی اسناد صحیح ہیں۔

(دین الحق بجواب جاء الحق ج ۱ ص ۹۲)

پس جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ اس کے خلاف ثابت ہے اور اسے صحیح، صریح، مرفوع روایات کی تائید بھی حاصل ہے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بقول جناب کے داود صاحب اس کا متن صحیح نہیں ہے۔

☆ اس کے بعد علیزئی نے جہر اور سر دونوں طرح پڑھنے کو اپنے نزدیک جائز قرار دیا ہے تو عرض یہ ہے کہ جن دلائل سے جہر کو جائز قرار دیا جا رہا ہے اسی نوعیت کے دوسروں کے دلائل سے ثابت افعال کو ناجائز کیوں قرار دیا جاتا ہے؟۔

قول علیزئی : علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''**۱۰**) رفع یدین کا مسئلہ ثابت کر دیا گیا ہے

مگراس کے جواب میں رضاخانی لامذہب نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

(الحدیث، شمارہ نمبر۸۶ص ۴۷)

جواب: علیزئی کا یہ لکھنا سیاہ جھوٹ ہے کہ یہ مسئلہ ثابت کر دیا گیا ہے اوراس کے جواب میں راقم نے کوئی دلیل نہیں پیش کی، بلکہ راقم الحروف نے براہین رضوی میں اپنے سوال کے مطابق لکھا تھا کہ: ''علیزئی صاحب! ایسے ویسے کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، اگر کوئی ایک ہی دلیل جناب کے پاس موجود ہے جو کہ مرفوع، صحیح اور صریح ہو، اوراس میں وفات تک کا ذکر ہو بیان کریں، لیکن وہ آپ کر نہیں سکتے۔

جناب اپنے گھر بیٹھے جو چاہے لکھتے رہیں جیسے کہ: ''رفع یدین منسوخ یا متروک ہونے کا دعوی باطل ہے'' لکھنے سے تو باطل نہیں ہو جائے گا، باطل قرار دینے کے لئے ثبوت درکار ہوتے ہیں جو آج تک کوئی لامذہب بھی پیش نہیں کر سکا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔ اگر ہمارے سوال کے مطابق جناب کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کریں مگر وہ جناب تاحیات پیش نہیں کر سکیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔ (دیکھئے براہین رضوی ص ۶۲-۶۳)

باوجود ہمارے مطالبہ کے علیزئی نے براہین رضوی کا جواب لکھتے ہوئے اس بارے میں کوئی دلیل پیش نہیں کی اور اُلٹا جھوٹ بول دیا کہ راقم الحروف نے اس کے جواب میں کوئی دلیل پیش نہیں کی، فیاللعجب۔

اس کے بعد علیزئی نے اپنی پرانی احمقانہ روش کو قائم رکھتے ہوئے صفحے کا کچھ حصہ سیاہ کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے ذریعہ سے حدیث پیش کریں، اس کا صحیح ہونا امام ابوحنیفہ سے ثابت کریں، آپ یوسفی یا شیبانی نہیں وغیرہم۔

علیزئی صاحب! آپ اپنی اس احمقانہ روش کو ترک کر دیتے تو بہتر تھا، ورنہ یاد رکھیں کہ

جناب اپنے بارے میں اپنا دعوی مسلمانی بھی کبھی ثابت نہیں کر سکیں گے (ویسے تو مناظر اہل سنت، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد حنیف قریشی صاحب نے طالب ۔۔۔شاہ کے ساتھ مناظر میں ثابت کر دیا تھا کہ یہ گستاخ و بے ادب مسلمان نہیں ہیں، اور اب یہ مناظرہ تحریری شکل میں گستاخ کون؟ کے نام سے دستیاب ہے) کیونکہ جناب کے بڑے صرف قال اللہ اور قال الرسول کو ہی اپنی دلیل کہتے اور لکھتے رہے ہیں جیسا کہ نامور غیر مقلد، لا مذہب احسان الٰہی ظہیر نے لکھا ہے کہ: ''شاہ ولی اللہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہلحدیث کی تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اُجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے، دوسری کسی چیز کو نہیں''۔
(دیکھئے فتاوی علمائے حدیث پر تبصرہ، ج ا ص ۸)

قول علیزئی: لکھا ہے کہ: ''**۱۱**) اس جواب کا غلط ہونا رضا خانی سے بن نہیں پڑا اور نہ نومولود فرقہ بریلویہ رضا خانیہ کے بانی احمد رضا خان کی عبارت کا کوئی جواب دیا ہے''۔
(الحدیث، شمارہ ۸۶، ص ۴۸)

جواب: اولا: علیزئی لا مذہب کا اس بارے میں لکھنا کہ اس کا جواب بن نہیں پڑا تو یہ نہ صرف جھوٹ پر مبنی ہے بلکہ حقیقت کا خون کرنے کے مترادف بھی ہے کیونکہ علیزئی لا مذہب نے ہمارے سوال کے مطابق تو اس کا جواب دیا ہی نہیں تھا، ہمارا سوال اور علیزئی کا جواب، علیزئی لا مذہب کے الفاظ میں ہی ملاحظہ فرمائیں:

''ایک صحیح صریح مرفوع غیر محتمل حدیث مرفوع پیش کریں کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم حدیث میں ہو؟''

الجواب: اگر کپڑا ہو تو سر ڈھانپ کر نماز پڑھنی چاہئے اور یہی بہتر ہے۔ دیکھئے میری کتاب

ہدیۃ المسلمین (حدیث نمبر:۱۰) اور ماہنامہ الحدیث حضرو:۱۳۱ص ۵۱۔ اگر کپڑا نہ ہوتو مرد کی نماز ننگے سر جائز ہے۔ سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "أن النبي ﷺ صلی في ثوب واحد ، قد خالف بین طرفیه" بے شک نبی ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی، آپ نے اس کے دونوں کناروں کو مخالف اطراف (کے کندھوں) پر ڈالا تھا۔
(صحیح بخاری:۳۵۴)

تنبیہ: جواب میں صحیح بخاری پر اکتفا کرتے ہوئے صحیح مسلم کے حوالے کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ننگے سر نماز کے بارے میں احمد رضا خان بریلوی نے کہا: "اگر بہ نیت عاجزی ننگے سر پڑھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں" (احکام شریعت حصہ اول ص ۱۳۰)۔ (دیکھئے مقالات، ج۲ص ۱۰۸)

جواب : الف : قارئین کرام! ہمارا سوال براہین رضوی میں دو مقامات پر موجود ہے (۱) صفحہ ۶۳ (۲) صفحہ ۱۰۵ مگر ہمارے سوال کو نقل کرتے ہوئے علیزئی نے دوبارہ "مرفوع" کا لفظ اپنی طرف سے لکھا ہے جس کو بریکٹ میں کر دیا گیا ہے، اگر تو یہ کتابت یا کمپوزنگ کی غلطی ہے پھر تو ایسا ہو جانا ناممکنات میں سے نہیں ہے، اور اگر جان بوجھ کر ایسا کیا گیا ہے تو یہ تحریف ہے۔

ب: ہمارا سوال تھا کہ کپڑا ہوتے ہوئے، مگر علیزئی لامذہب نے اس کے جواب میں یہ لکھ کر کہ یہی بہتر ہے ہمارے سوال کی تائید کر دی کہ ان غیر مقلدین کا فعل جو کپڑا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے پہلے آگے یا سائیڈ پر رکھ دیتے ہیں بہتر نہیں ہے، اور پھر بعد میں جو دلیل دی ہے اس کو لکھنے سے پہلے خود ہی لکھ دیا کہ "اگر کپڑا نہ ہوتو مرد کی نماز ننگے سر جائز ہے" ہمارے سوال میں کپڑا نہ ہونے کے بارے میں جواب کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ کپڑا ہونے کی صورت میں ننگے سر نماز پڑھنے کے جواب کا مطالبہ تھا، لہذا علیزئی کا غیر متعلق

دلیل دینا، پھراس کے جواب کا مطالبہ کرنا ایک احمقانہ حرکت ہے۔

ج : براہین رضوی میں اس کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ: ''علیزئی صاحب! آپ نے مذکورہ بالاعبارت لکھ کراس بات کوخود ہی تسلیم کرلیا ہے کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز نہیں پڑھنی چاہیۓ کیونکہ یہ بہتر نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھی جائے۔

آگے لکھا ہے کہ ''اگر کپڑا نہ ہوتو مرد کی نماز ننگے سر جائز ہے''

اقول : ہمارے سوال میں کپڑا نہ ہونے کا نہیں بلکہ کپڑا ہوتے ہوئے کا ذکر ہے۔

آگے علیزئی نے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث لکھی ہے جس کے بارے میں ''ڈھول کا پول'' میں تفصیل گزر چکی ہے۔

یہاں پر صرف مختصر عبارت عبدالجبار غزنوی، اور محمد داؤد غزنوی کے حوالہ سے لکھی جاتی ہے جو کہ ان لامذہبوں کے لئے قابل غور ہے جو لامذہبوں کی اس بارے میں وکالت کرتے ہیں:

''۔۔۔ ابتداء عہد اسلام کو چھوڑ کر جبکہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں بہ صراحت یہ مذکور ہو کہ نبی ﷺ نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنالیا ہو۔ اس لئے اس بدرسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیۓ، اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبد اور خضوع اور خشوع و عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصارٰے کے ساتھ تشبہ ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے، تعبد یا خشوع و خضوع کی علامت نہیں اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ ولا یاتون الا وھم کسالی (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہوکر) غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔ (الاعتصام جلد ۱۱ ش ۱۸ بحوالہ فتاوے علمائے حدیث ۳/۲۹۱)

پس اب علیزئی اور اس مسئلہ میں اس کے ہمنوا اپنے ہی بزرگوں سے پوچھیں کہ ہم جو اس پر دلائل تلاش کر کر کے لوگوں کو فراہم کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اسی عہد اول سے تعلق رکھنے والی روایات کا سہارا لے کر اس مسئلہ میں جواز فراہم کر رہے ہیں، ہم کس کھاتے میں ہوئے؟۔۔۔

اور بالخصوص وہ لامذہب مولوی یا عوام جو کپڑا ہونے کے باوجود جب نماز پڑھنے یا پڑھانے لگتے ہیں تو سر پر لیا ہوا بھی اُتار کر آگے رکھ لیتے ہیں، کن میں شامل ہیں؟

(دیکھئے براہین رضوی ص ٦٣۔٦٤)

قارئین کرام! علیزئی لامذہب کا جھوٹ آپ کے سامنے ہے، راقم الحروف نے براہین رضوی میں انہی کے مولوی کی عبارت لکھی تھی جو شاید علیزئی کی سمجھ میں نہیں آئی، علیزئی صاحب ہمارے سوال کے مطابق جو آدمی کپڑا پاس ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھے گا کم از کم اس کی نماز جناب کے بزرگوں کے بقول مکروہ ہوگی اور اگر سستی و کاہلی کی وجہ سے ایسا کرے گا تو۔۔۔

راقم الحروف نے اپنے جواب میں یہ بھی لکھا تھا کہ: آگے علیزئی نے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث لکھی ہے جس کے بارے میں ''ڈھول کا پول'' میں تفصیل آ رہی ہے کیا براہین رضوی میں جناب کو ''ڈھول کا پول'' نظر نہیں آیا؟ خیر لیجئے ہم اس کی وہ عبارت جس میں جناب کے بزرگوں نے ہی اس کا جواب دیا ہے وہ اب نقل کر دیتے ہیں، آپ کے بزرگوں کے نزدیک ہی جناب کو اس حدیث کے سمجھنے میں غلطی لگی ہے، ملاحظہ ہو:

مولوی محمد اسماعیل سلفی لامذہب، غیر مقلد کا فتوی

سوال: بدن پر کپڑے ہوتے ہوئے سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دینی اور کوئی عذر بھی نہ

ہواور ہمیشہ اس طرح نماز پڑھنا، اگر چہ فرض نماز باجماعت مسجد میں ہواس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح نبی علیہ الصلوۃ والسلام یا صحابہؓ سے ثبوت ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے تو عبارت مع صفحہ تحریر فرمادیں۔

(۲) ننگے سر نماز پڑھنی افضل ہے یا سر ڈھانک کر اگر سر ڈھانک کر نماز پڑھنی افضل ہے تو اس کی دلیل پیش فرمائیے گا؟۔ (عبداللہ خطیب جامع مسجد اہل حدیث ڈیرہ غازیخاں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: وباللہ التوفیق: متذکرہ صدر سوال پر تین وجوہ سے غور کیا جاسکتا ہے۔

(۱) مطلق جواز اور اباحت کے لحاظ سے

(۲) افضلیت یعنی آں حضرت اور صحابہ کے عام عمل کے لحاظ سے۔

(۳) حرمت اور عدم جواز کے لحاظ سے۔

نماز میں ستر مغلظ (شرمگاہ) کا ڈھانپنا بالاتفاق ضروری ہے، ان میں سے اگر کوئی حصہ ننگا ہو تو نماز نہیں ہوگی اور ان اعضاء کو ننگا رکھنا شرعاً حرام ہے۔ بہز بن حکیم سے مروی ہے:

اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلاَّ مِنْ زَوجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۔ (رواہ الخمسۃ الا النسائی)

بیوی اور مملوکہ کے سوا اعضاء ستر دیکھنے کا کسی کو موقع نہ دے۔

نوٹ: امام ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی نے اس روایت کو ''عن بھز بن حکیم عن أبیہ عن جدہ'' وھو معاویۃ بن حیدۃ'' کی سند سے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے صرف اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے ترجمہ میں، مگر امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا، بلکہ بہز بن حکیم سے روایات لی ہی نہیں، کذا فی التقریب ۱۰۳

شوکانی فرماتے ہیں: '' والحق وجوب ستر العورۃ فی جمیع الاوقات الا وقت

قضاء الحاجة واقضاء الرجل الى أهله ۔ اھ(نیل الا وطارص۶۴ ج۲) حدستر میں اہل علم مختلف ہیں جمہور ناف سے گھٹنہ تک ڈھکنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض صرف ران ڈھانپنا واجب سمجھتے ہیں۔ امام احمد اور امام مالک سے ایک روایت میں آیا ہے العورۃ القبل والدبر۔ (نیل الا وطارج ۲ص ۶۴)

غرض ستر کی جو حد بھی اہل علم کے نزدیک ہے اگر اسے ننگا رکھا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ اعضاء ستر کو ویسے بھی ننگا رکھنا درست نہیں۔ نماز میں تو قطعاً حرام اور ناجائز ہوگا۔ سر چونکہ بالاتفاق اعضاء ستر میں نہیں اس لئے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالاتفاق جائز ہوگی۔ اس کے لئے نہ بحث کی ضرورت ہے نہ احادیث کی ٹٹول کی ضرورت۔ جس طرح کوئی پنڈلی، پیٹ، پشت وغیرہ اعضاء ننگے ہوں تو نماز جائز ہے۔ سر ننگے بھی درست ہے۔ لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہیے۔ امام اگر نماز کے بعد پاؤں آسمان کی طرف کرے یا مقتدی کوئی ایسی حرکت کریں، حدیث میں اس سے رکاوٹ ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن عقل مند ایسا کرنے سے پرہیز کرے گا۔ ننگے سر کی عادت بھی قریباً اسی نوعیت کی ہے۔ جواز کے باوجود ایسی عادات عقل وفہم کے خلاف ہیں۔ عقلمند اور متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آنحضرت، صحابہ کرام اور اہل علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے۔ کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو، خصوصاً با جماعت فرائض میں، بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔

امام بخاری فرماتے ہیں: ”باب وجوب الصلوۃ في الثياب وقول اللّٰہ تعالیٰ خذو زينتكم عند كل مسجد ومن صلى ملتحفا في ثوب واحد و يذكر

عن سلمة بن الاكوع ان النبي ﷺ قال بزك و لو بشركة في اسناده نظر الخ ۔ (صحیح بخاری مع فتح مطبوعه مصر ج ۱ ص ۳۱۸)

امام بخاری کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زینت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اعضاء ستر ڈھانپنے کے علاوہ اچھے کپڑوں میں ادا کی جائے۔ عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے۔ کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کی جائے، تو سر ننگا رہے گا۔ حالاں کہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جاسکتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث ام ہانی، ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ، سلمہ بن اکوع، عمر بن ابی سلمہ، طلق بن علی وغیرہ سے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد وغیرہ دواوین سنت میں موجود ہیں لیکن کسی میں سر ننگا رکھنے کا ذکر نہیں، خصوصاً جس میں عادت اور کثرت عمل ثابت ہو، پھر احادیث میں آں حضرت ﷺ کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت یا تو صرف اظہار جواز کے لئے ہے۔ یا کپڑوں کی کم یابی کی وجہ سے۔ ان حالات سے جواز یا اباحت تو ثابت ہوسکتی ہے۔ سنت یا استحباب ظاہر نہیں ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے: ''او لکلکم ثوبان (ابوداؤد ص ۲۴۰) طلق کی روایت میں ہے: ''او کلکم یجد ثوبین'' (ابوداؤد مع عون ج ۱ ص ۲۴۱) کیا سب کو دو کپڑے میسر آسکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اثر میں مزید تفصیل ملتی ہے، حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں:

قام رجل الى النبي ﷺ فسئله عن الصلوة في الثوب الواحد فقال او كلكم يجد ثوبين ثم سئل رجل عمر فقال اذا وسع الله فاوسعوا جمع رجل عليه ثيابه صلى رجل في ازار و رداء في ازار وقميص في ازار وقباء في سراويل و رداء في سراويل وقميص في سراويل وقباء في تبان وقباء في تبان

وقميص قال و احسبه في تبان ورداء۔ (صحیح بخاری ص۲۲۴)
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک آدمی نے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق دریافت کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ وسعت دے تو نماز میں بھی وسعت سے کام لینا چاہیے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حسب استطاعت نماز میں لباس کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا۔ حضرت عمر کا ارشاد حکم ہو یا صرف خبر اس میں کپڑوں کی قلت اور عدم استطاعت صراحۃً سمجھ میں آتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پورے کپڑے میسر ہو سکیں اور کوئی مانع نہ ہو تو تکلف سے مسکنت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

ابن منیر فرماتے ہیں:" الصحيح انه كلام في معنى الشرط كانه قال ان جمع رجل عليه ثيابه فحسن اھ (فتح ج١ ص٣٢٤)
اگر ایک سے زائد کپڑے نماز میں استعمال کرے تو بہتر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وفي هذ الحديث دليل على وجوب الصلوة في الثياب لما فيه من ان الاقتصار على الثوب الواحد كان لضيق الحال وفيه ان الصلوة في الثوبين [في الاصل :في الثوبين] افضل من الثوب الواحد وصرح القاضي عياض نبفي[في الاصل :بنفي] الخلاف في ذلك اھ۔ (فتح الباری ا ص ۳۲۴) اس حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ (مستطیع کے لئے) زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ کیوں کہ ایک کپڑے کی اجازت صرف ضیق کی وجہ سے تھی اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نماز میں دو کپڑے استعمال کرنا افضل ہے۔ غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کو عادت اختیار کرنا ثابت نہیں، محض بے عملی یا بدعملی یا کس کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے۔ بلکہ جہلاء تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

اس کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے ابن عمرؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر فرماتے ہیں۔

اذا صلی احدکم فلیاتزر ولیرتہ [في الاصل: ولیرتد]۔ ۱۵۔ (سنن کبرے ج۲ص۲۳۵)

نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر مرفوعاً فرماتے تھے: اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیہ فان اللّٰہ عزوجل احق ان یرین [في الاصل :یزین] لہ' الخ (سنن کبرے)

نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر نے مرفوعاً فرمایا نماز دو کپڑوں میں پڑھو۔ اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ نافع فرماتے ہیں میں ایک دن اونٹوں کی گھاس کے سلسلہ میں نماز سے پیچھے رہ گیا، عبداللہ بن عمر آئے تو میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا حضرت عبداللہ نے فرمایا کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں؟ میں نے عرض کیا، دو ہی موجود ہیں آپ نے فرمایا:

''أرئیت لو بعثتك الی بعض أهل المدینة أکنت تذهب في ثوب واحد؟ قلت لا قال فاللّٰه أحق ان یتجمل له؟ الخ (بیہقی سنن اص ۲۳۶) اگر میں مدینہ میں کسی کے پاس تمہیں بھیجتا تو تم ایک کپڑے میں جاتے؟

میں نے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔

ان احادیث میں سر ڈھانپنے کی صراحت نہیں لیکن دو کپڑوں سے سر ڈھانپنے کا زیادہ امکان ہو جاتا ہے۔ کپڑا موجود ہو تو سر ننگے نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلت عقل سے۔ نیز یہ ثابت ہوتا ہے کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔ آیت خذوا زینتکم کے مضمون سے بھی اسی سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

ابوداود میں ایک اثر ہے جس سے شاید کوئی کم سواد آدمی استدلال کرے۔ حدثنا عبد اللّٰه

بن محمد الزهری ثنا سفیان بن عیینة قال رأیت شریکا صلی بنا فی جنازة العصر فوضع قلنسوته بین یدیه یعنی فی فریضة ۔ (ابوداؤد ج اص ۲۵۶ مع عون)

یعنی شریک نے فرضوں کی نماز بوقت عصر ٹوپی اُتار کر پڑھی اور ٹوپی اپنے سامنے رکھی۔اھ

اول تو یہ نہ مرفوع حدیث ہے۔نہ کسی صحابی کا اثر۔دوم معلوم نہیں، یہ شریک کون بزرگ ہیں شریک بن عبداللہ نخعی تبع تابعی ہیں یا شریک بن عبداللہ بن ابی نمر تابعی۔ان دونوں میں کم و بیش ضعف ہے۔لیکن یہ ان کا عمل ہے جو کسی طرح بھی قابل حجت نہیں۔

سوم امام ابوداؤد نے اسے باب الحظ [في الاصل :الخط] اذا لم یجد عصا میں ذکر فرمایا ہے۔جس سے ظاہر ہے کہ یہاں ضرورتاً سر ننگا رکھا گیا ہے کیوں کہ جب انہیں سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو انہوں نے سترہ کا کام ٹوپی سے لے لیا۔ضرورت اور عذر سے سر ننگا رکھا جائے تو اس میں بحث نہیں، بحث اس میں ہے کہ فیشن اور عادت کے طور پر نماز میں سر ننگا رکھنا کہاں تک درست ہے؟ حافظ عینی نے شرح بخاری میں مختلف مذاہب کے ذکر میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ان کی بحث کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ ایک کپڑے میں درست ہے لیکن جب وسعت ہو کپڑے میسر آسکیں تو پھر ایک پر اقتصار مستحسن نہیں۔

حافظ ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں الفصل الثانی في فضیلة وهو ان یصلی في ثوبین او اکثر فانه اذا بلغ فی الستر یروی عن عمرؓ انه قال اذا وسع اللّٰه فاوسعوا ۔ اھ (ص ۶۲۱) مفتی في الاصل :مغنی ابن قدامہ مع الشرح یعنی فضیلت اس میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں نماز ادا کرے کیوں کہ اس میں ستر اور پردہ زیادہ ہوگا۔حضرت عمر کا ارشاد ہے۔جب اللہ مال میں وسعت فرمائیں تو آدمی کو وسعت سے کام لینا چاہیے اس کے بعد تمیمی کا قول ذکر فرمایا ہے۔الثوب الواحد یجزی والثوبان

احسن والاربع اکمل قمیص و سراویل و عمامة و ازارٌ اھ۔(ابن قدامہ اص ۶۲۱) ایک کپڑا جواز نماز کے لئے کافی ہے دو کپڑے بہتر ہیں چار ہوں تو نماز اور کامل ہو گی۔قمیص، پاجامہ، پگڑی اور ازار۔

ان تمام گزارشات سے مقصد یہ ہے کہ سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلاوجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ اور بھی نامناسب ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پگڑی کے متعلق تحنیک کا رواج تھا یعنی پگڑی کا ایک لپیٹ گردن کے نیچے سے باندھتے تھے آج کی عربی پگڑیاں اور ہماری پگڑیاں اس وقت کی پگڑیوں سے وضع میں مختلف ہیں ایسی پگڑی کا اتارنا اور بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔وللتفصیل وقت اخر۔ ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست سے متعلق ہے اگر اس جنس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو، تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔والسلام۔ (فتاوی علماء حدیث ج ۴ص ۲۸۶ تا ۲۸۹)

علیزئی صاحب! دیکھ لیں کہ جناب کے بزرگ نے تو جہالت، بدعملی، بے عملی اور قلت عقل جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں، راقم الحروف اگر اس کی تشریح کر کے جناب کے بارے میں وضاحت کرے گا تو جناب کو شکایت نہیں بلکہ شکایتیں ہوں گی، مشورہ پر عمل کرنا اور اپنے بزرگ کی عبارت میں غور و فکر کرنا، فائدہ مند ثابت ہوگا۔علیزئی صاحب اگر ابھی بھی تسلی نہ ہوئی ہو تو اپنے سلف البانی کا اس بارے میں کلام بھی ''تمام المنۃ ۱۶۴۔۱۶۵'' پر سے پڑھ لیجئے گا۔

ثانیا: علیزئی کا اس کے بعد یہ لکھنا کہ: ''نہ نومولود فرقہ بریلویہ رضا خانیہ کے بانی احمد رضا خان کی عبارت کا کوئی جواب دیا ہے''۔علیزئی کا یہ الفاظ لکھنا اہل سنت پر بہتان تراشی ہے، انہیں فرقہ بریلویہ رضا خانیہ لکھا، جب کہ علماء اہل سنت نے بالعموم اور خاص کر حضرت علامہ

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی صاحب نے اس بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے کہ بریلوی کوئی فرقہ نہیں ہے اور نہ ہی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کسی نئے فرقہ کے بانی ہیں، لہذا الا مذہب کا یہ سراسر بہتان ہے،جس سے اہل سنت اور امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ بری ہیں باقی رہا ''احکام شریعت'' کا مسئلہ تو اس بارے میں علماء اہل سنت میں اختلاف ہے کہ آیا یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے یا کہ نہیں، اس لئے اس کی ذمہ داری اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ڈالنا درست نہیں ہے۔

اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں فتوی ''فتاوی رضویہ'' میں موجود ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے سائل کے سوال کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء کے اس بارے میں اقوال کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ کی سنت کریمہ نماز مع کلاہ وعمامہ ہے اور فقہاء کرام نے ننگے سر نماز پڑھنے کو تین قسم کیا ہے، اگر بہ نیت تواضع وعاجزی ہو تو جائز اور بوجہ کسل ہو تو مکروہ اور معاذ اللہ نماز کو بے قدر اور ہلکا سمجھ کر ہو تو کفر، جب مسلمان اپنی نیت تواضع بتاتے ہیں تو اسے نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، مسلمان پر بدگمانی حرام ہے ننگے سر رکھنے کا احرام میں حکم ہے اور اس حالت میں شبانہ روز برابر سر برہنہ رہنا حضور اکرم ﷺ و صحابہ کرام سب سے ثابت، بغیر اس کے ننگے سر کی عادت ڈالنا کوچہ وبازار میں اسی طرح پھرنا نہ ہرگز ثابت ہے نہ شرعا محمود بلکہ وہ منجملہ اسباب شہرت ہے اور ایسی وضع جس پر انگلیاں اُٹھیں شرعا مکروہ، مجمع البحار وغیرہ میں ہے:''**الخروج عن عادة البلد شهرة ومكروه**'' اہل شہر کے معمول سے نکلنا شہرت اور مکروہ ہے، صوفیہ کرام کا اس بارے میں کوئی قول اس وقت ذہن میں نہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔ (فتاوی رضویہ ج ۷ ص ۳۸۹، جدید)

لہذا اس بات کو آپ کی طرف منسوب کرنا اور کہنا کہ اعلیٰ حضرت نے کہا ہے غلط ہے کیونکہ

آپ تو فقہاء کے اقوال کو نقل کر رہے ہیں جس کا سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا تھا کہ احادیث شریفہ وفقہ سے اس کی کراہت ثابت ہے یا نہیں؟۔

قول علیزئی: علیزئی نے لکھا ہے کہ : **۱۲**): ''عباس رضوی کے مسخرے پن کا جواب الحدیث حضرو میں شائع شدہ ہے (عدد ۵۶ ص ۴۸) (الحدیث شمارہ ۸۶ ص ۴۸)

جواب: ہمارے سوال میں نہ تو کوئی تمسخر سے کام لیا گیا تھا اور نہ ہی کوئی غلط بیانی کی گئی تھی بلکہ عام وہابی لامذہبوں کے نماز پڑھنے کے طریقے کو مدنظر رکھ کر سوال کیا گیا تھا، مگر علیزئی کو یہ ''مسخرا پن'' محسوس ہوا، مگر بھول گئے کہ اس کی غلط بیانی اور بے شرمی کا جواب بھی براہین رضوی میں شائع شدہ ہے۔ (براہین رضوی ۶۵)

☆اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''اور رضا خانی لامذہب کا یہ کہنا کہ اہل حدیث نماز میں بالخصوص یوں ہی کھڑے ہوتے ہیں، غلط ہے۔ ہم تو نماز میں کبھی پاؤں دو دو فٹ کھول کر کھڑے نہیں ہوتے اور اگر (فرض کر لیا جائے کہ) کسی ایک آدھ ان پڑھ یا ناواقف نے عباس رضوی کے سامنے ایسا عمل کیا تھا تو اس کے ذمہ دار اہل حدیث علماء نہیں، کیونکہ کسی اہل حدیث عالم نے یہ نہیں کہا کہ پاؤں دو دو فٹ کھلے کر کے کھڑے ہو جاؤ۔

(الحدیث: ۸۶ ص ۴۸)

جواب: اولا: علیزئی یاد رکھو کہ جس کو حقیقت کا علم ہو وہ غلط بات کو تسلیم نہیں کرتا، ہمیں علم ہے کہ تمہارے اباؤ اجداد نے اپنے لئے اہل حدیث کا نام کس سے الاٹ کروایا تھا، راقم الحروف نے لامذہب لکھا تھا جو اصل حقیقت تھی مگر تم نے میری عبارت میں تحریف کر کے سابقہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے خائن ہونے کا ثبوت دوبارہ فراہم کر دیا۔

ثانیا: یہ بات غلط نہیں بلکہ عام وہابیوں لامذہبوں کو دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ نماز میں اسی

طرح کھڑے ہوتے ہیں جس کی تمہارے پورے خاندانِ نجد کے پاس کوئی غیر صریح دلیل بھی نہیں کہ تم اس کے جواب میں جواز قائم کر سکو، اس لئے تو اسے آپ جناب نے مسخراپن کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کی ہے۔

ثالثا : فرض کر لیا جائے اور کسی ایک آدھ ان پڑھ وغیرہ لکھ کر علیزئی نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ ہمارے ہی ہیں جو اس طرح کرتے ہیں۔

☆اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''اول تو بدعقیدہ متروک و مجروح رضا خانیوں کی اہل حدیث کے خلاف گواہی مردود ہے اور اگر ایسا واقعہ کہیں ہوا ہو تو ہم اس سے بری ہیں۔ بہت سے بریلوی رضا خانی لوگ داڑھیاں منڈاتے ہیں اور اپنی عورتوں (زنانِ عاشقانِ اولیاء!!) کو قبروں پر لے جاتے ہیں، جہاں وہ عورتیں قسما قسم کی شرکیہ حرکات کرتی ہیں تو کیا خیال ہے اس کے ذمہ دار رضا خانی مذہب کے تمام علماء ہیں۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۸)

جواب : اولا : الحمدللہ! اہل سنت کے عقیدہ میں تو کسی مسلمان کو بھی شک نہیں ہے اگر جناب جیسا کذاب و خائن، نابکار و نافرجام، ازلی مردود و محروم، خائب و خاسر، جملہ گستاخانِ نجد کا نمائندہ ایسی باتیں کرے تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں آئے گا، البتہ جناب کی گواہی واقعتاً مردود و باطل ہی قرار پائے گی کیونکہ کذاب کی گواہی قبول نہیں ہوتی اور اس کی وضاحت پچھلے اوراق میں کی جا چکی ہے اسی طرح فاتر العقل کی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہوتی اور جناب کا مخبوط الحواس، مختل الحواس ہونا ہم نے پچھلے اوراق میں واضح کر دیا ہے، اگر ضرورت محسوس ہو گی تو ابھی بہت کچھ ظاہر کرنے کے لئے راقم الحروف کے پاس موجود ہے جو ان شاء اللہ العزیز وقت آنے پر ظاہر کر کے ثابت کیا جائے گا۔

ثانیا : علیزئی نے یہ لکھ کر کہ: ''اگر ایسا واقعہ کہیں ہوا ہو تو ہم اس سے بری ہیں''۔

واضح کر دیا کہ ایسا کرتے ہمارے ہی ہیں مگر ہم اس سے بری ہیں گویا کہ مان لیا کہ جہاں کہیں بھی ہمارے لا مذہب ایسا کرتے ہیں وہ غلط ہیں، ابھی بہت کچھ مانو گے ان شاء اللہ العزیز۔

ثالثا: علیزئی کا یہ لکھنا کہ: ''بہت سے بریلوی رضا خانی لوگ داڑھیاں منڈاتے ہیں'' کیا علیزئی نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس کے بارے میں عبد الرشید عراقی غیر مقلد، لا مذہب وہابی لکھتا ہے کہ: ''حدیث نبوی ﷺ سے بہت زیادہ شغف اور عشق تھا اور حدیث کے معاملہ میں معمولی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے''۔

آگے لکھتا ہے کہ: ''جماعت اہل حدیث کو منظم اور فعال بنانے میں علامہ شہید کی خدمات قدر کے قابل ہیں''۔ (دیکھئے چالیس علماء اہل حدیث صفحہ ۳۵۷و۳۶۰)

یعنی احسان الٰہی ظہیر مگر اس وہابیوں کے خطیب الاسلام نے ساری زندگی داڑھی کے ساتھ مذاق ہی کیا ہے جس سے ان کا حدیث نبوی ﷺ سے عشق تو ظاہر ہی ہے، مگر یاد رہے کہ علیزئی نے نور پوری کے حوالہ سے ڈارھی کٹوانے کو فرض اور واجب کی خلاف ورزی اور نافرمانی، حرام اور گناہ لکھا ہے، اب اپنے خطیب الاسلام کے بارے میں وہ خود غور کر سکتے ہیں کہ اس نے ساری زندگی کیا کیا ہے؟

اگر اہل سنت میں سے کوئی ایک مٹھی سے کم داڑھی کٹواتا ہے یا منڈواتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ ایک سنت کا تارک اور گناہ گار ہے جسے ہم نہ تو صحیح کہتے ہیں اور نہ ہی اس کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں مگر علیزئی کو شاید یہ علم نہ ہو کہ ان کی مساجد کے کئی صدر بھی داڑھی منڈے ہیں جس کی زندہ جاوید مثال راقم الحروف کے قریب والی وہابیوں کی مسجد بھی ہے۔ اور یاد رہے کہ تمباکو، سگریٹ وغیرہ کو حرام قرار دینے کے باوجود اکثریت وہابیوں کی مساجد

کے ساتھ بنی ہوئی دکانیں جن کا مقصد مسجد کے معاملات ودینی معاملات کو مالی فائدہ دینا ہوتا ہے ان میں سگریٹ وغیرہ عام بیچے جاتے ہیں تو کیا خیال ہے حرام کی کمائی پر مسجدیں اوردین کی اشاعت جائز ہے؟۔

رابعا : علیزئی کا یہ لکھنا کہ:''اپنی عورتوں (زنانِ عاشقانِ اولیاء !!) کو قبروں پر لے جاتے ہیں جہاں وہ عورتیں قسما قسم کی شرکیہ حرکات کرتی ہیں'' الحمدللہ! علماء اہل سنت نے اس بارے میں اپنے نظریات کو اپنی تحریروں میں بیان کیا ہے جن میں سے کسی بھی قابلِ اعتماد شخصیت سے راقم الحروف کے علم میں اس کے جواز کے بارے میں کوئی کلام بھی موجود نہیں، بلکہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں مستقل ایک رسالہ بنام ''جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور'' لکھا ہے جوکہ علیحدہ شائع ہونے کے ساتھ ساتھ ''فتاوی رضویہ جدید جلد نمبر ۹ ص ۵۴۱ سے لے کر ۵۶۴'' تک موجود ہے۔ بقیہ رہا یہ مسئلہ کہ وہاں کیا کیا ہوتا ہے اور کون کون کرتا ہے اس پر ہم کئی جناب کے مسلک والے اور والیاں بھی دکھا سکتے ہیں، اور کیا کیا جناب کے بزرگوں نے شرک قرار دیا ہے؟ اور کس کس مسجد کا خطیب وامام وہی کام اپنی مسجد میں بیٹھ کر سرانجام دے رہا ہے اس کو اگر دیکھنا ہو تو ہمارے گوجرانوالہ میں وہابی مسجدوں کا چکر ضرور لگایئے گا، اور دیکھئے گا کہ زنانِ عاشقان مولویاں کہاں کہاں جمع ہو کر اپنی مشکلات کے حل کے حصول کی خواہاں بنی بیٹھی ہوتی ہیں۔

مگر یہ وہ باتیں ہیں جن کو کسی مسلک کے علماء بھی شاید جائز قرار نہ دیتے ہوں اور نہ ہی ایسی باتوں کو ایک علمی گفتگو میں لاکر کسی کے ذمہ تھونپنا اچھی بات ہے، مسئلہ تو صرف یہ تھا کہ بعض آپ جناب کے مسلکی لوگ یہ کام کرتے اور کہتے تھے کہ ہم صحیح حدیث کے علاوہ کوئی عمل

نہیں کرتے، ان کا یہ عمل درست نہیں تھا تو صاف لکھ دینا تھا کہ اس بارے میں کوئی صحیح، صریح، مرفوع حدیث موجود نہیں ہے۔

☆اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: ''نمازیوں کا اپنے جسم کے مطابق کھڑے ہوکر ایک دوسرے کے پاؤں سے پاؤں ملانا تو احادیث صحیحہ وآثار صحابہ سے ثابت ہے لیکن اس کا مذاق اڑانا بے دینی اور گستاخی ہے''۔ (الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۸)

جواب: ملعون ہے وہ شخص جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مذاق اڑاتا ہے مگر نماز پڑھتے ہوئے اس انداز میں کھڑا ہونا کہ خود بھی مشکل میں پڑے اور دیکھنے والوں کو بھی عجوبہ لگے یہ کہاں کا دین اور ادب ہے؟۔

☆اس کے بعد علیزئی نے لکھا ہے کہ: آخر میں عرض ہے کہ عباس رضوی کو کہیں کہ وہ میدان میں آئیں اور ہمارے بارہ جوابی سوالات کے مطابق سوالات لکھیں اور اس کے بعد ان کا ہر چیلنج قبول ہے، جس کے لئے تمام شرائط فریقین کی رضامندی سے پہلے طے ہوں گی''
(الحدیث، شمارہ ۸۶ ص ۴۸)

جواب: اولا: علیزئی صاحب! جناب میں اتنا تو دم خم، کس بل اور ہمت مردانہ نہیں کہ انؔ کے خادم کے جواب کو مکمل لکھ کر اس کا جواب دے سکیں اور لگے ہیں مناظر اسلام مدظلہ العالی کو دعوتِ میدان دینے، ارے بندۂ خدا! پہلے راقمُ الحروف کے لکھے ہوئے جواب کا تو جواب دے لیتے پھر بڑھکیں ہانکتے کہ وہ میدان میں آئیں تو شاید کوئی تجھے عقل مند بھی کہتا، راقم کی طرف سے لکھے گئے جواب کا اکثر حصہ تو بغیر سوچے سمجھے ہڑپ کر گئے جس کا جواب آپ جناب سے دیا نہیں جاسکا، اب لگے ہو مناظر اسلام کو دعوتِ میدان دینے۔

سنو! مثل مشہور ہے کہ: ''ذات دی کوڑھ کرلی اور چ تیر ان نوں چپے''۔

ثــانیــا : علیز ئی جی! قبلہ مناظر اسلام مدظلہ العالی کی طرف سے کئے گئے پہلے سوالوں کے جواب تو دے نہیں سکے اور لگے ہیں انہیں مزید سوالات لکھنے کا مشورہ دینے، پہلے اپنے اوپر پڑا ہوا بھاری قرض تو اتار لو، بعد میں نئے کی بات بھی کر لینا، مگر یہ تم سے ہو نہیں سکے گا، بلکہ پوری دنیائے نجدیت والا مذہبیت بھی مل کر ایسا نہ کر سکے گی، ان شاء اللہ۔

ثــالثــا : ''اس کے بعد'' کیا مطلب دم خم ختم ہو چکا کہ ان کا جواب دیے بغیر چیلنج کی باتیں کرنے لگے، ٹھیک ہے، ہم نئے چیلنج کو بھی سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار ہیں مگر پہلے یہ تو لکھیں کہ میں ان کا جواب اُن شرائط کے مطابق نہیں دے سکتا، پھر بتائیں کہ فلاں مسئلہ میں بات ہوگی تو ہم ان شاء اللہ العزیز اس بارے میں بھی شرائط کے لئے تیار ہیں۔

علیز ئی جی! خالی بڑھکیں ہانک لینے سے کچھ نہیں بنتا، ہمیں جناب کی ہمت کا علم ہے کہ کتنی ہمت کے مالک ہو، سامنے آنے کے بعد تو ٹھہر نہ سکے، آج دور بیٹھ کر چیلنج کی باتیں یاد آرہی ہیں۔

سنو! جناب نہیں تمہاری پوری ذریت نجد بھی اگر اپنے تمام نجدی آقاؤں کو ساتھ ملا کر ہمارے قائم کردہ سوالات پر جب چاہے جہاں چاہے، ہم ان کے ساتھ بات کرنے کو تیار ہیں، اگر جناب میں کوئی دم خم ہے تو آیئے ہم دعوت میدان دیتے ہیں، لیکن یاد رکھنا کہ تم کیا پوری دنیائے نجدیت مل کر بھی ان مسائل میں شرائط کے مطابق بات کرنا تو دور کی بات ہے، بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکی گی، جس کی واضح مثالیں ہمارے سامنے ہیں جن میں ایک انٹرنیٹ پر ہونے والی طالب۔۔۔شاہ کے ساتھ گفتگو اور دوسری جناب کی ہمت، اگر اتنی ہمت تھی تو ادھر ادھر کی ٹامک ٹوئیاں مارنے کی بجائے سیدھا کہتے کہ ہم چیلنج قبول کرتے ہیں، مگر تمہاری ہمت نے اس سے جواب دے دیا، تبھی تو جناب نے لکھ دیا

کہ ''ہمارے بارہ جوابی سوالات کے مطابق سوالات لکھیں اور اس کے بعد ان کا ہر چیلنج قبول ہے'' یہ لکھتے ہوئے کیا سوچا تھا کہ شاید میرا بھرم میرا دم بھرنے والوں میں رہ جائے، علیزئی جی! نہیں، ہم اب دوبارہ کہتے ہیں کہ جناب کیا جناب کے تمام حواری وانصاری نہ صرف پاکستان سے بلکہ پوری دنیا سے مل کر آئیں ہم ہر وقت ان مسائل میں بات کرنے کو تیار ہیں، آزمائش شرط ہے۔

رابعا: راقم الحروف نے براہین رضوی کے آخر میں بھی لکھا تھا کہ: ''اگر جناب میں کوئی دم خم ہے تو آیئے ہم پھر دعوتِ میدان دیتے ہیں، تشریف لائیں، اگر آنے میں کوئی قباحت محسوس کریں تو اپنے رسالہ میں شائع کر دیں کہ ہم نہیں تم آؤ اور وقت کا تعین بھی کر دو، ان شاءاللہ العزیز ہم آجائیں گے۔

اور ہاں یہ ذہن نشین رہے کہ کسی ایرے غیرے کی بات نہیں آپ جناب جو بزعم خویش علمی میدان کے بڑے شہسوار بنے ہوئے ہیں بات آپ سے ہوگی۔ جس میں انتظامی معاملات کی ہر قسم کی ذمہ داری جناب کو قبول کرنا ہوگی۔

اب آخر میں میں پھر یہ عرض کرتا چلوں کہ علیزئی لامذہب نے جو سوالات اہل سنت احناف پر وارد کئے ہیں وہ صرف ہمارے اُصول سے ناواقفیت کی وجہ سے کئے ہیں۔ پہلے وہ کتبِ اُصولِ فقہ کو پڑھیں اور احناف کے اُصول دیکھ کر سوال کریں، ہم ان شاءاللہ ان کی تشفی فرما دیں گے''۔ (براہین رضوی ۶۵۔۶۶، بتصرف)

علیزئی صاحب! چاہئے تو یہ تھا کہ آپ اس دعوت کو قبول کرتے اور اس کے بعد یا خود آتے یا ہمیں دعوت دیتے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ مذکورہ ۱۲ مسائل میں کون حق پر ہے، مگر آپ جناب نے ان بارہ سے جان چھڑانے کے لئے اپنے رسالہ میں چند اوراق مزید سیاہ کر

ڈالے مگر جواب پھر بھی نہ بن پڑا، اور راقم الحروف نے جو اُصولی بات کی تھی کہ ہمارے اُصول وقوائد کے مطابق ہم سے سوال کریں ہم جواب دیں گے اس کا بھی کوئی جواب دیے بغیر جناب نے اپنی تحریر میں پھر اسی طرح بے اُصولی کا مظاہرہ کیا کہ امام صاحب سے صحیح سند اور تصحیح وغیرہ ثابت کریں۔

اللہ کے بندے! ہمارے اُصول کی کس کتاب میں لکھا ہے کہ احناف صرف اور صرف امام اعظم ابو حنیفہ ہی کی سند اور تصحیح کو تسلیم کرتے ہیں؟

ہم نے تو تمہارے بیان کردہ اُصولوں کے مطابق سوالات کیئے تھے مگر تم ان کا بھی جواب نہ دے سکے، حیلہ بہانہ کرنے کی ضرورت نہیں، یا تو ان تمام کے بارے میں لکھو کہ ہمارے وہ بزرگ اور علماء ومولوی جاہل تھے اور ہیں جو صرف اور صرف کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ و صریحہ ومرفوعہ کا راگ الاپتے ہیں، مگر تم سے کچھ ہو نہ سکے گا، ان شاء اللہ العزیز۔

نہ خنجر اٹھے گا ، نہ تلوار تم سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ہاں ! یاد رکھنا بڑی شرائط عائد کرتے ہوئے جواب کو" قابل مسموع" سمجھتے ہو، اب تمہاری طرف سے دیا گیا وہی جواب قابلِ سماعت تصور کیا جائے گا، جس میں براہینِ رضوی اور اس جواب میں راقم الحروف نے جو عبارات لکھی ہیں ان کو مکمل نقل کر کے جواب دو گے، وما علینا الا البلاغ۔

محمد ارشد مسعود

27\ 09\ 2011

ہماری مطبوعات











